مقامِ اہلبیتؑ

معہ اضافہ

ثقۃ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ
انصاری فاتح ٹیکسلا

ناشران:- امامیہ کتب خانہ مغل حویلی
اندرون موچی دروازہ ۔ لاہور ۲

مقامِ اہلبیتؑ
معہ اضافہ
ثقۃ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ
انصاری فاتح ٹیکسلا
ناشران:- امامیہ کتب خانہ مغل حویلی
اندرون موچی دروازہ ۔ لاہور ۲

مقامِ اہلبیتؑ

از

ثقۃ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری

فاتح ٹیکسلا

دس بصیرت افروز مجالس کا مجموعہ

بمقام

باغ سرداراں راولپنڈی

اربعین ۱۳۹۰ھ

ناشران

امامیہ کتب خانہ ۔ لاہور

مغل حویلی ۔ اندرون موچی دروازہ

معراج والی آیت صفحہ نمبر ۱۲۶ پر ہے

سید شبلی و شہرفی کے بارے میں پڑھیں صفحہ نمبر ۹۵
حضور ص کا فرمان کہ فعل کرنے والے کے فعل پر راضی ہونے والا اس فعل کرنے والے کے برابر ہے صفحہ نمبر ۹۸ آخر میں
اس کے ثبوت میں قرآن کی آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیے صفحہ نمبر ۹۹ کے شروع میں

آجکل جو سوال کیا ہے کہ کسی کی عیب جوئی نہ کی جائے اس سے گناہ ہوتا ہے
صفحہ نمبر ۹۹ پر ہی اس کا جواب دیکھیے

انچارج اثنا عشری لائبریری ساہیوال

مجموعۂ تقاریر

الحاج سیّد العلماء سرکار علامہ سیّد علی نقی النقوی لکھنوی مدظلہ العالی

علامہ موصوف کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ سرکار سیّد العلماؒ علامہ سیّد علی نقی النقوی لکھنوی مدظلہ العالی کی تقاریر اپنے تسلسل بیان کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئی ہیں۔ اہل ذوق حضرات کا فرض ہے۔ کہ جلد از جلد طلب فرمائیں۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ سائز ۸½" × ۵½"۔ لکھائی نہایت عمدہ۔ کاغذ سفید عمدہ ولایتی۔ آفسٹ چھپائی۔ ٹائیٹل علامہ صاحب کی رنگین تصویر سے مزیّن۔

حصہ اوّل۔	اِس میں بارہ ۱۲ بصیرت افروز تقریریں درج ہیں۔	ہدیہ -/36 روپے
حصہ دوم۔	اِس میں بارہ ۱۲ بصیرت افروز تقریریں درج ہیں۔	ہدیہ -/36 روپے
حصہ سوم۔	اِس میں سولہ ۱۶ بصیرت افروز تقریریں درج ہیں۔	ہدیہ -/36 روپے
حصہ چہارم۔	اِس میں بارہ ۱۲ بصیرت افروز تقریریں درج ہیں۔	ہدیہ -/36 روپے
حصہ پنجم۔	اِس میں چودہ ۱۴ بصیرت افروز تقریریں درج ہیں۔	ہدیہ -/36 روپے
حصہ ششم	________	زیرِ طبع
حصہ ہفتم	________	زیرِ طبع

خرچہ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

ملنے کا پتہ:۔ **امامیہ کتب خانہ۔ مغل حویلی۔ حلقہ ۲۷**
اندرون موچی دروازہ ________ لاہور ۸

ابواب

		صفحہ
تعارف		ا
خطبہ		۱
ترجمہ		۲
مجلس	۱	۳
	۲	۲۲
	۳	۳۶
	۴	۵۸
	۵	۷۶
	۶	۹۰
	۷	۱۰۸
	۸	۱۲۳
	۹	۱۴۲
	۱۰	۱۵۹
اسناد و تبرکات علمائے اعلام عراق، ایران و ہند		۱۷۷

تعارف

غریق تقصیر محمد بشیر بن امام علی انصاری دام ظلہ العالی عرض کرتا ہے کہ میں نے ابتدائی تعلیم اپنے مالوف قصبہ شکارپور ضلع بلندشہر میں جناب عمدۃ المقدسین مولانا سید محمد عوض صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ سے حاصل کی۔ مرحوم پھولپور ضلع الہ آباد کے آبائی باشندہ تھے۔ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ بانیِ مدرسہ ناظمیہ و مدرسۃ الواعظین لکھنو کے ارشد تلامذہ میں طبقہ اولیٰ سے فارغ التحصیل ممتاز الافاضل اور جناب خطیب آل محمد شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب قبلہ استاذ الواعظین و جناب مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مترجم قرآن مجید و جناب مولانا سید ہارون صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہم کے ہمدرس و ہمعصر تھے۔ مرحوم نے شکارپور میں مدرسہ دینیہ احسن المدارس قائم فرمایا اور سینکڑوں کی تعداد میں فاضل پیدا کر دیئے جن میں جناب حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم۔ حکیم سید حسن رضا صاحب و مولانا حکیم سید محمد اعجاز صاحب مرحوم و مولانا سید افضال حسین صاحب مرحوم و مولانا نذیر علی صاحب و مولانا بنیاد علی صاحب مرحوم و مولانا ظرافت حسین صاحب مرحوم و مولانا منور علی صاحب مرحوم وغیرہم آپ ہی کے تربیت دادہ افاضل ہیں۔ مرحوم نے اسی زمانہ میں مدرسۃ الحفاظ بھی قائم فرمایا حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم اور حافظ خدا بخش صاحب و حافظ سید حامد حسین صاحب مرحوم و حافظ غلام محمد صاحب مرحوم اسی مدرسہ سے بہترین حافظ قرآن پیدا ہوئے

مجھے مرحوم ہی سے فخر تلمذ حاصل ہوا۔ مبادی علوم دینیہ نہایت پختگی کے ساتھ تعلیم فرمائے اور مجھے خود اپنے ہمراہ لے جا کر لکھنو میں سرکار نجم العلماء مجتہد العصر و الزمان طاب ثراہ کے سپرد فرمایا۔ مرحوم کی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے مجھ پر خصوصی شفقت پدری فرماتے تھے۔ مرحوم نے اپنے شاگردوں کو جملہ مبادی علوم اس شان سے تعلیم دیئے کہ آپ کا ہر شاگرد لکھنو کے مدارس میں ممتاز حیثیت رکھتا رہا۔ ہماری دینی تعلیم کی مضبوط ترین اساس جناب کی علمی بلند پایہ شخصیت و اعلیٰ طریق تعلیم کی بین ثبوت ہے۔

لکھنو میں دو درسگاہیں معروف و مشہور تھیں "مدرسہ مشارع العلوم" معروف بہ مدرسہ ناظمیہ یہ درسگاہ سرکار نجم الملۃ کے زیر سرپرستی پروان چڑھی۔ جناب ہی اس کے بانی و پرنسپل تھے۔ دوسرا مدرسہ سلطان المدارس تھا۔ اس کے پرنسپل جناب سرکار سید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد مرحوم تھے۔ مدرسہ ناظمیہ کی آخری سند کا نام ممتاز الافاضل اور سلطان المدارس کی آخری سند کا نام صدر الافاضل ہے۔

میں نے تین سندیں قابل، فاضل، ممتاز الافاضل مدرسہ ناظمیہ سے حاصل کیں۔ استاذ الواعظین خطیب آل محمد شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم اسی مدرسہ کے طبقہ اولیٰ کے ممتاز الافاضل تھے۔ جو نمبر اول میں کامیاب ہوئے تھے۔ آپکے بعد کافی تعداد میں ممتاز الافاضل نمبر اول میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مگر آپ کا ریکارڈ قائم رہا۔ اس ناچیز نے بھی اول نمبر حاصل کیا اور میرا ریکارڈ قائم ہو گیا جو اب تک باقی ہے۔ ممتحن نے ایک سو میں سے چند نمبر کم دیکر تحریر کیا کہ یہ چند نمبر اس لئے کم کر دیئے گئے ہیں کہ نظر بد سے محفوظ رہے ورنہ یہ سو فیصد کا مستحق ہے۔

ممتاز الافاضل کے ممتحن مجتہدین عظام ہوتے تھے۔ درجہ ممتاز الافاضل تک مندرجہ ذیل علوم کی تکمیل کی۔

علم نحو[1]، علم صرف[2]، علم منطق[3]، علم فلسفہ[4]، علم کلام[5]، علم معانی و بیان[6]، علم ہیئت[7]، علم العروض و القوافی[8]، علم ادب عربی[9]، علم تفسیر[10]، علم حدیث[11]، علم درایت[12]، علم رجال[13]، علم مناظرہ[14]، علم فقہ[15]، علم اصول فقہ[16]۔ اس کے بعد علم طب بھی حسب ارشاد نجم العلماء مدرسۃ الواعظین کے

زمانہ تحصیل میں حاصل کیا۔

ممتاز الافاضل کی سند آخری سند ہے۔ جس کے نصاب میں فقہ کی آخری کتاب اور اسی طرح اصول فقہ کی آخری کتاب درسًا تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ آخری کتب ریاض، شرح کبیر اور رسائل شیخ مرتضیٰ وہ کتب ہیں جو نجف اشرف میں درس اجتہاد میں شمار ہوتی ہیں۔

میں نے ممتاز الافاضل کے علاوہ تین سال مدرستہ الواعظین میں علوم مذاہب کی تحصیل کی، دہریین طبعیین، فلسفہ ڈارون، فلسفہ نشو وارتقاء، آریہ، سناتن دھرم، بدھ، جینی، عیسائی، یہودی مجوسی وغیرہ کے عقائد اور ان کے دلائل ان کی کتب سے حاصل کرکے اسلام کے مقابلہ میں ان کا بطلان اور دلائل عقلیہ سے اسلام کی حقانیت قرآن وحدیث معصومین علیہم السلام سے تائیدات مطابق نصاب مدرستہ الواعظین حاصل کئے۔ ان مضامین کیلئے لازم المطالعہ کتب مذاہب کا مطالعہ اور اسکے مطابق باہمی طلبہ کا مناظرہ مسلسل جاری رہتا تھا۔ ایک طالبعلم مثلاً آریہ بنکر اسلام کے خلاف دلائل پیش کرتا تھا۔ قرآن و حدیث سے تائید لاتا تھا۔ اس کے جواب میں دوسرا طالبعلم اسکی رو دلائل عقلیہ اور انکے کتب عقائد سے پیش کرتا تھا ان دونوں کی اصلاح استاذ الواعظین کرتے تھے۔ تمام مضامین اس طرح تقریر کے ذریعہ دماغوں میں راسخ کر دیئے جاتے تھے۔ مدرستہ الواعظین کے فاضل طلبہ کو اتنا وظیفہ دیا جاتا تھا کہ انکی ضروریات کے لئے پورا ہو جائے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ تحصیل علوم کر سکیں۔ سرکار نجم الملۃ بانیِ مدرستہ الواعظین لکھنو فارغ التحصیل واعظین کو ہند و بیرون ہند برائے ترویج و نشر و اشاعت مذہب حق بھیجتے تھے۔ انکی تنخواہ مدرسے کی جانب سے پہونچتی تھی۔ اور سفر کے کل اخراجات بھی ماہانہ رپورٹ کیمطابق جو ہر واعظ مدرسہ کو بھیجتا تھا۔ مدرسہ ادا کرتا تھا۔ ماہانہ رپورٹ کے فارم ہوتے تھے۔ جسمیں تاریخ وار کام لکھنا ہوتا تھا اور مقامی تعداد شیعہ کا خانہ، درسگاہ مساجد اور دیگر مذہبی تعمیرات کا خانہ ہوتا تھا۔ مقامی مخیر حضرات کے خانہ میں کیفیت ہوتی جو کچھ اعانت ہوتی تھی وہ مقامی حضرات ہی کے ذریعہ مدرسہ کو بھیجی جاتی تھی جس سے واعظ

کا کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ واعظ اپنے ضروریات مدرسہ سے ہی طلب کرنے کا حق رکھتا تھا۔ جو تحفے اور ہدایا ملتے تھے وہ مدرسہ کی اجازت سے لئے جا سکتے تھے ورنہ مدرسہ ہی کو بھیجنے ضروری تھے۔

سرکار نجم الملۃ نے افاضل و ممتاز الافاضل کو جب بیکار دیکھا تو اس سے علم دین کی طرف توجہ کا فقدان ہونے لگا اور تحصیل علوم دین کا شوق کم ہونے لگا۔ اس لئے مہاراجہ محمود آباد علی محمد خان صاحب مرحوم کو اس طرف توجہ دلائی اور مدرستہ الواعظین کے اغراض و مقاصد پیش کئے۔ راجہ صاحب مرحوم نے تنہا اس بار کو برداشت کر لیا۔ جائیداد وقف ہو گئی۔ مدرستہ الواعظین کے لئے لاکھوں روپے کی عمارت ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ میں خرید کر وقف فرما دی اور مذاہب عالم کی کتابوں کی فراہمی کا انتظام فرمایا۔ دیکھتے دیکھتے تمام مقاصد پورے ہو گئے ممتاز الافاضل و صدر الافاضل داخلہ کے لئے تیار ہونے لگے۔ تین سال کا نصاب ختم کرکے واعظ بنکر ترویج و اشاعت پر مامور ہونے لگے۔ حتیٰ کہ افریقہ، چین و جاپان تک بھی واعظ گئے۔ ایک شعبہ انگریزی داں طلبہ کے لئے قائم کیا گیا جس میں ان لوگوں کو اصول و فروع اور عقائد و اعمال سے تعارف کراکے مذاہب عالم اُردو، فارسی، اور عربی میں پڑھا کر مناظرے کراکے تیار کیا جاتا تھا۔

مدرستہ الواعظین دنیائے شیعت میں اپنی طرز کا صرف ایک ہی مدرسہ تھا۔ اس لئے حوزۂ علمیہ نجف اشرف کے فارغ التحصیل مجتہد بھی اس مدرسہ کے طالب علم بنتے تھے اور فخر محسوس کرتے تھے۔ اس طرح حوزۂ علمیہ شہر قُم کے فارغ التحصیل حضرات مجتہدین بھی طالب علمی کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ آقائے سید جواد نجفی مجتہد اور آقائے سید حسن قمی مجتہد دونوں فارغ التحصیل مجتہد میرے ہم جماعت تھے۔ کیونکہ مجتہد کا تعلق فقہ اور اصول فقہ اور فروع دین و اعمال سے ہے۔ مگر مذاہب عالم کے عقائد اور ان کے مقابلے اور سب سے افضل مذہب حق کے دلائل کا تعلق اصول دین سے ہے جس کا درس اور باہمی مناظرہ کا طریقہ صرف مدرستہ الواعظین لکھنو کے ساتھ مخصوص و منحصر تھا۔

اس مدرسہ کا نام مدرستہ الواعظین رکھا گیا اور فارغ التحصیل حضرات کو واعظ کی سند دی گئی کیونکہ احادیث معصومین علیہم السلام کے ارشادات اور خصوصًا مولائے کائنات کے ہدایات سے ثابت ہے۔ کہ لفظ

"مبلغ" اور حق تبلیغ پیغامات خدا صرف انبیاء و ائمہ طاہرین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنے احکامات کی تبلیغ خود ان کے سپرد فرمائی ہے۔ یہی حضرات فرما سکتے ہیں کہ ہمیں خدا نے تبلیغ دین کا عہدہ عطا فرمایا ہے۔ ایک شخص نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے عرض کی کہ جناب رسول خُدا نے خم غدیر میں فرمایا تھا کہ فلیبلّغ الشاھد الغائب یعنی جو شاہد ہے وہ اس کی تبلیغ غائب کو کرے تو حضرت نے فرمایا کہ یہ حکم صرف میری امامت و خلافت کیلئے ہے نہ کہ تمام شریعت کے لئے۔ لہٰذا ہم واعظ کہے جا سکتے ہیں مبلّغ نہیں کہلا سکتے۔ یہ فریضہ خداوند عالم جس سے متعلق کردے وہ مبلّغ ہے۔ اور ہم اس کے مروّج ہیں لہٰذا وہ مروج الاحکام یا مروج الاسلام کہلا سکتے ہیں۔ مبلّغ نہیں کہلا سکتے۔ مجتہدین عظام و علمائے کرام لکھنو نے اس نزاکت دینی کو پیش نظر رکھ کر مدرسۃ الواعظین نام رکھا اور سند واعظ عطا کی۔

مجتہدین کرام لکھنو خصوصاً سرکار نجم الملتہ کی نصیحت تھی کہ یونیورسٹی کے امتحانات سے عام طور پر طلبہ عربی ٹیچر فارسی ٹیچر یا پروفیسر وغیرہ بن جاتے ہیں اور محراب و منبر کے خدمات سے محروم ہو جاتے ہیں ان کا ذریعۂ معاش ضرور درست ہو جاتا ہے مگر غرض تحصیل علوم دینیہ مکمل طور پر حاصل نہیں ہوتی جس کے لئے مومنین نے از قسم خمس و زکوٰۃ و خیرات عنایت کی تھی۔ لہٰذا ایسے طالبعلموں کو چاہیئے کہ وہ مقصد حصول دین کو پیش نظر رکھیں اور محراب و منبر کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ افاضل لکھنو نے مولوی فاضل وغیرہ کی سند کو معاشی زندگی کیلئے کار آمد سمجھا نہ کہ محراب و منبر کی خدمات کیلئے جو حصول علوم دینیہ کی غرض اصلی ہے جس پر خمس و زکوٰۃ کے رقوم خرچ کئے گئے ہیں۔

مَیں نے خود ایسے مولوی فاضل دیکھے ہیں جو اسکولوں یا کالجوں میں مدرس ہیں۔ داڑھی صاف ہے کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہیں۔ اور اسلام کی سادہ زندگی پر معترض ہیں۔ لڑکوں کو دنیاوی علوم پڑھاتے ہیں، بی اے ایم۔ اے کر کے دنیاوی زندگی بنا لیتے ہیں۔ مگر خدماتِ دین کے لئے اُن کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ یہ خمس و زکوٰۃ ہضم کر کے "مولوی فاضل" یا صنعتکار بن گئے۔ جیسے معیشت کے لئے لوہار، نجار، معمار کا پیشہ اسی طرح مولوی فاضل و منشی فاضل وغیرہ کا پیشہ بنا لیا ہے جبکہ اصل مقصد ترویج احکام خداوندی اور محراب و منبر کے دینی خدمات کی انجام

دہی ان کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کے لئے ہماری قوم کا بہترین ادارہ انجمن وظیفہ سادات و مومنین ہے جو معاشی زندگی کو سنوارنے کی اعلیٰ خدمات سرانجام دے رہا ہے ایسے مولوی فاضلوں کو وہاں سے اعانت حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے دینی مدارس حقوق خدا و سہم امام وغیرہ کے رقوم سے جاری ہیں۔ اور مخیر حضرات بھی ترویج و نشر دین و احکام دین کی خاطر اعانت کرتے ہیں نہ کہ ٹیچر و پروفیسر و پرنسپل وغیرہ کیلئے۔ ایسے مدارس دینیہ کے طلبا کو علوم اہلبیت و ارشادات معصومین علیہم السلام کے بیان کی طرف توجہ کرنا چاہیئے جو حقیقی علوم ہیں اور اس دورِ گمراہی میں مشعلِ راہ و مینارہ ہدایت ہیں۔ اس مقصد کے لئے سہم امام کو شیر مادر بنا سکتے ہیں۔ ورنہ خمس و زکوٰۃ، صدقات، خیرات کی اعانتیں، حلال ہونے میں پیچیدگیاں ہیں۔ خدا ہدایت کرے۔

عصرِ حاضر میں ہمارے خمس و زکوٰۃ کے پلے ہوئے کچھ مولوی صاحبان جو لباس کے لحاظ سے اشباہ العلما ہیں، مگر حقیقت میں علماء نہیں ہیں۔ کیونکہ علماء صرف وہی کہلائے جا سکتے ہیں جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو خدا اور کائناتِ خدا کے درمیان وسیلہ و حجت اور درمیانی مخلوق و غرض خلقت کائنات سمجھیں اور ان کی خلقت کو لاشئے سے تسلیم کریں۔ کائنات ہیں شئے سے شئے بنی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات تمام کائنات کے ہادی ہیں۔ روحانیوں کے بھی اور آدمیوں کے بھی۔ سماوی مخلوقات کے بھی اور ارضی مکوّنات کے بھی۔ ان کا قیاس کسی بھی مخلوق کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ اس عقیدہ کی مخالفت کرنے والے "اشباہ العلماء ولا العلماء" کو حقوق اللہ اور سہم امام دینا مذہب و علوم اہلبیت سے بغاوت ہے۔ اس سلسلہ میں میری کتاب حقائق الوسائط جلد اوّل کا مطالعہ کیا جائے۔ جلد دوم زیر تالیف ہے۔

میرا زمانہ طالبعلمی اور سفر عراق

مَیں پہلی مرتبہ زیارات عتبات عالیات سے اس وقت مشرف ہوا جبکہ مجتہد اعلم حضرت آقائے مرزا حسین نائینی طاب ثراہ تھے جو حضرت آقائے سید محسن الحکیم طاب ثراہ کے استاد شفیق تھے۔

جب دوبارہ مشرف ہوا تو حضرت آقائے سید ابوالحسن اصفہانی طاب ثراہ مجتہد اعلم تھے۔ اس وقت آقائے حکیم مرحوم کا درس بھی جاری ہو چکا تھا۔

تیسری مرتبہ مشرف ہوا تو اس وقت آقائے سید جواد تبریزی و آقائے عبدالحسین رشتی و آقائے کاشف الغطاء و آقائے عراقی و آقائے بزرگ طہرانی و آقائے شیرازی و آقائے ابراہیم الرشتی و آقائے محمد علی الاورابادی و آقائے محمد علی الحسینی التبریزی و آقائے عبدالکریم الجزائری کا درسِ خارج جاری تھا۔ اور شہر قم میں آقائے حجت و آقائے صدر و آقائے مرعشی مراجع تقلید تھے۔

نجف اشرف میں مَیں نے مدرسہ سید کاظم طباطبائی میں نشستگاہ مقرر کی تھی۔ علمائے کرام و مجتہدین عظام مہمان نوازی کے طور پر تشریف لاتے تھے اور مسلسل صحبت علمیہ جاری رہتی تھی۔ اکثر مسائل فقہ اور معقولات میں بحث و تمحیص جاری رہتی تھی۔ مدرسۃ الواعظین کے اپنے وسیع مطالعہ اور تحقیقات علمیہ کے جواہر پارے پیش کرتا تھا اور مختلف موضوعات پر جاری رہتی تھی۔

اس اثناء میں حضرت نجم الملۃ کی وفات حسرتِ آیات کی مصیبت ناک خبر نجف اشرف پہنچی۔ میں نے رسم فاتحہ خوانی قائم کی۔ تمام مجتہدین عظام نے اس میں شرکت کی۔ مجتہد اعظم آقائے اصفہانی بھی شریک ہوئے۔ مجھے بحیثیت فرزند روحانی یعنی تلمیذ سرکار نجم الملۃ تعزیت دی گئی۔

میرے طویل قیام نجف اشرف اور مباحث علمیہ کے نتائج

مجتہدین کرام و علمائے عظام نے جو مراجع تقلید تھے، میری علمی استعداد کے اسناد عطا فرمائے جنکے فوٹو عکس اس کتاب کے آخر میں درج ہیں۔

خدمات دین و مذہب

میں نے ۱۹۳۴ء میں بمقام ٹیکسلا تین مناظرے کئے۔ پہلا مناظرہ مولانا محبوب عالم صاحب دیوبندی

سے ہوا۔ انہوں نے شیعوں کے ایمان بالقرآن کے موضوع پر مناظرہ کیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنی شکست کی خود تحریر لکھ کر دے دی جس میں تحریر کیا کہ "یہ میری غلطی تھی کہ میں نے کہا تھا شیعوں کا ایمان قرآن پر نہیں ہے۔ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ ان کا ایمان قرآن پر ثابت ہے" یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر انعامِ خاص تھا کہ خود مدِمقابل نے اپنی تحریری شکست قبول کر لی۔

ان کی شکست کے بعد مولانا قاضی عبداللہ صاحب پھٹواری ہری پور ہزارہ سے مناظرہ ہوا۔ وہ دو گھنٹہ میں اپنا عذر پیش کر کے واپس چلے گئے۔

اس کے بعد عالم شہرت کی وجہ سے مقامی علماء نے تین ماہ تک مناظرہ کی تیاریاں کیں اور گورنمنٹ کی منظوری اور انتظام کے ساتھ یہ عظیم الشان مناظرہ سرائے کالا شیر شاہ سوری ٹیکسلا میں شہر کے باہر ہوا۔ دونوں فریق کا اجتماع ساٹھ ستر ہزار کے لگ بھگ تھا۔ سیکڑوں علمائے اہلسنت سرحد و پنجاب و یوپی کے اس مناظرے میں شریک ہوئے تھے۔ شیعوں کے علماء میں امروہہ سے مولانا نسیم حسن صاحب نقوی معہ کتب خانہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور لکھنو سے ایک ویگن کتب برائے مناظرہ ایک ماہ پیشتر پہنچ گئی تھیں۔ مولانا چراغدین صاحب سرگودھا اہلسنت کی طرف سے مناظر تھے۔ اور مَیں شیعوں کی طرف سے تھا۔ مسیحی مشن کے پادری ثالث تھے۔ سات گھنٹے مناظرہ ہوا جس کا فیصلہ دو لفظوں میں سنایا گیا کہ بشیر مناظرہ جیت گیا۔ تفصیلات کے لئے ضخیم کتاب چاہیئے۔

اس مناظرہ کا اثر سرحد و پنجاب پر اس قدر ہوا کہ شرکاء مناظرہ نے سیکڑوں خطوط مجھے لکھے اور کافی تعداد نے مذہب حق قبول کرنے کی اطلاعیں دیں۔ ان میں خصوصاً ضلع ہزارہ کے کاکاخیل صاحبان نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تقریباً پوری مالک آبادی جو تحصیل مانسہرہ میں کھنیاں کے نام سے مشہور ہے۔ داخلِ مذہب حق ہو گئی اور ٹیکسلا اور مضافات ٹیکسلا جوق درجوق اپنی شمولیت کا اظہار کرنے میرے پاس آتے رہے اور پھر مقامی سادات نے ٹیکسلا کی سکونت پر مجبور کر دیا جو اب میرے لئے وطن ثانی قرار دیا گیا ہے۔ اور میں

فاتح ٹیکسلا کے نام سے مشہور کیا گیا ہوں۔

اس کے بعد سیکڑوں مناظرے سرحد، پنجاب، سندھ و ریاست بھاولپور میں کئے اور ہزاروں کی تعداد دین اہلبیت سے متمسک ہوئی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جہاں بھی میں نے مناظرہ کیا ہے۔ وہاں کی مخالف جماعت کے کسی عالم یا فرد نے میری شکست کا اظہار نہیں کیا۔ نہ زبانی نہ اشتہاری۔ یہ معصومین علیہ السلام کی نظر خاص کا نتیجہ ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ چالیس سال کے عرصہ میں اپنی تبلیغی سعی و کوشش سے میں نے مجموعاً ایک لاکھ سے زیادہ افراد کو اہلبیت علیہ السلام کے در پر جھکا دیا ہے۔

جناب مستطاب سیادت مآب سید علی امام صاحب بلگرامی نے جو ممتاز خانوادہ شریف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ترویج مذہب حق کے خصوصی جذبہ کے حامل ہیں مجھ سے فرمائش کی کہ میری مجالس کو ٹیپ ریکارڈ فرما کر کتابی شکل میں اشاعت فرمائیں۔ چنانچہ ایک عشرہ مجالس جو باغ سرداراں راولپنڈی میں جناب خواجہ محمد مرتضیٰ صاحب ٹی۔ کیو۔ اے کی دعوتِ خاص پہ پڑھا تھا۔ "مقام اہلبیت" کے موضوع پر تھا۔ سید صاحب بلگرامی اور ان کے شریکِ کار سید معراج حسین صاحب عابدی بلگرامی نے ریکارڈ کر لیا اور اس کی کاپیاں مجھے دکھانے کے لئے بیسیوں مرتبہ ٹیکسلا تشریف لائے۔ کافی زحمت اس کی نقل میں گوارہ فرمائی۔ میں نے موصوف کے خلوص و محبت مذہبی سے متاثر ہو کر خود بھی کافی سعی کی مگر ان کے تکالیف و اخراجات کا عشر عشیر بھی نہ کر سکا موصوف ہی کی فرمائش اور بیحد اصرار پر اپنی طالب علمی و فارغ التحصیلی و تدریجی زمانے کے چند حالات پیش کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کو اجر جزیل عطا کرے اور خطباء کرام کو توفیقات بخشے کہ وہ اس پیشکش کو نمونہ عمل قرار دے کر اپنے علمی و مجلسی مضامین کو ضبط تحریر میں لانے کے مواقع مہیا فرمائیں۔

تحریک مدرسۃ الواعظین

قیام پاکستان کے بعد مدرسۃ الواعظین ہم سے جدا ہو گیا۔ اس کا احساس پوری قوم کو تھا اور

اب بھی ہے۔ میں نے سب سے پہلے کراچی میں مجالس اربعین جناب سید مسیب علی صاحب زیدی کے قصر مسیب میں پڑھیں۔ اور مدرسۃ الواعظین کی افادیت علمیہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تلافی کی طرف حاضرین کو توجہ دلائی ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے سید مسیب علی صاحب زیدی سے اپنے پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے مشورہ کیا چونکہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس تقسیم ملک کے بعد ہم سے جدا ہو گئی اس لئے میں نے قیام پاکستان کے ساتھ ہی تین ماہ کی سعی و کوشش سے آل پاکستان شیعہ کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا جس کے لئے پہلے صدر راجہ غضنفر علی خاں مرحوم مقرر ہوئے۔ ان کے بعد نواب قزلباش صدر ہوئے۔ میں نے زیدی صاحب موصوف کے مشورہ سے اس کی شاخ "شیعہ کانفرنس کراچی" کی تشکیل کا ارادہ کیا۔ ہم دونوں نے شیعہ کانفرنس کراچی کی صدارت کے لئے جناب ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن صاحب امروہوی کو تجویز کیا اور سیکرٹری کے فرائض کے لئے میں نے زیدی صاحب کو آمادہ کر لیا۔ ہم دونوں جناب ادیب اعظم صاحب کی خدمت میں گئے۔ اور اس کا ذکر کیا موصوف نے کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ وہ کانفرنسوں اور انجمنوں سے توبہ کرتے ہیں جہاں لڑائی کرانا ہو وہاں یہ بنا دو میں نے عرض کیا کہ یہ کانفرنس اس لئے تشکیل دے رہا ہوں کہ میں اس کے زیر انتظام مدرسۃ الواعظین کا قیام چاہتا ہوں قوم کو پورا احساس ہے۔ انہوں نے فرمایا اتنا بڑا ادارہ قائم کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے میں نے عرض کیا آپ صدارت منظور کر لیجئے تمام کام میں اور زیدی صاحب کر لیں گے۔ مگر موصوف تیار نہ ہوتے تھے۔ میں نے امروہہ پر اپنے حقوق جتلائے اور استخارہ پر ان کی شرکت کو مشروط کیا۔ بمشکل تفاول قرآن پر راضی ہوئے۔ میں نے تفاول کیا تو آیت نکلی یا ایھا الرسول بلغ۔ بس اب کیا تھا۔ میں نے مضبوط پکڑ لیا کہ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو گویا دین و مذہب کا کوئی کام نہیں کیا۔ بالآخر راضی ہو گئے۔ اور ہم تینوں نے مشورہ کر کے ورکنگ کمیٹی بنائی دستور العمل تجویز کیا۔ اور خوشی خوشی میں نے عشرہ اربعین کے مجالس میں اعلان کر دیا کہ شیعہ کانفرنس کراچی معرض وجود میں آ چکی ہے۔ اس کے زیر اہتمام و زیر نگرانی مدرسۃ الواعظین کی بنیاد رکھی جائے گی۔ اس عرصہ میں جناب ادیب اعظم کے مشورہ سے ان کے دولتکدہ کے نزدیک تعمیر مدرسہ کے لئے ایک پلاٹ تجویز کر لیا گیا۔ اور

مَیں نے نواب مظفر علی خان قزلباش کے ذریعہ اس کے حصول کی کوشش کی جو اس وقت وزیر مال تھے۔ ان کی سعی اور خالص دلچسپی سے پلاٹ الاٹ ہوگیا۔ اس کی پانچہزار روپے کی پہلی قسط ادا کرنی تھی۔ سو سو روپیہ کے پچاس ممبر تجویز کئے۔ ہم تینوں بھی ممبر بنے۔ دو دن میں رقم داخل ہوگئی اور تعمیر کے لئے چندہ ہونے لگا۔ ہر روز مجلس کے بعد میں منبر پر دامن پھیلاتا تھا اور زیدی صاحب و ادیب اعظم صاحب دروازہ پر دامن پھیلائے رہتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے عمارت بننے لگی اور دارالاقامہ و مسجد کی تعمیر بھی شروع ہوگئی۔ بحمد اللہ اتبک چار لاکھ روپے سے زیادہ رقم اس مدرسہ کی تعمیر و تعلیم پر خرچ ہو چکی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اب تک افاضل طلبہ نہ مل سکے جو اس معیار کے ہوں۔ اور انہیں واعظ بنایا جاسکے۔ اگر ہر سال ایک واعظ بھی تیار ہو سکے تو اشک شوئی ہو سکتی ہے مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہو سکی۔ افاضل طلبہ زیادہ تر پنجاب و سرحد میں مل سکتے ہیں وہ کراچی کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے ہیں نے مناسب سمجھا ہے کہ راولپنڈی یا اسلام آباد میں مدرستہ الواعظین کی بنیاد رکھی جائے۔ اور کراچی کے مدرسہ کو ایک شاخ قرار دیا جائے۔ راولپنڈی میں ایک عظیم کتب خانہ بھی موجود ہے جو مجتہدین عراق و ایران کی مدد سے جامع الثقلین میں موجود ہے۔ چنانچہ میں نے امسال باغ سرداراں کی مجالس اربعین میں قوم کو توجہ دلائی جس کا اثر یہ ہوا کہ مدرستہ الواعظین کیلئے ایک عمارت جس کے چند کمرے اور برآمدے و صحن وغیرہ موجود ہیں ایک مخلص شریف خاندان مومن نے پیشکش کر دی ہے جسکو مدرستہ الواعظین کے لئے مخصوص کر دیا جائیگا۔ اب صرف ایسے چند افاضل طلبہ کی ضرورت ہوگی۔ جو نصاب مدرستہ الواعظین کو حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہوں اور تین سال اپنے وقف کر دیں۔ قوم ان کی ضرورت کی کفیل ہو جائے۔ اب رہا مدرس کا سوال تو اس کیلئے مدرس وہی موزوں ہو سکتے ہیں جو مدرستہ الواعظین لکھنؤ کے فارغ التحصیل تجربہ کار واعظ ہوں۔ کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ کچھ باقی ہیں اُن سے ضرور استفادہ کیا جائے۔ مخیر حضرات صرف دو واعظ تیار کرنے کیلئے اخراجات کا انتظام فرمائیں تاکہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اسلئے ایک مختصر پانچ افراد پر مشتمل بورڈ بنا دیا جائے۔ بورڈ کا صدر واعظ مدرستہ الواعظین لکھنؤ ہو۔

خُدا سے دُعا ہے۔ کہ وہ بحق معصومین علیہم السلام ہماری مدد اور رہنمائی فرمائے۔ محمد رشید

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاۤءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ ۝ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا وَ شَفِيْعِ ذُنُوْبِنَا وَطَبِيْبِ قُلُوْبِنَا اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْغُرِّ الْمَيَامِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ ۝ مِنْ يَّوْمِنَا هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ ۝ وَخِطَابِهِ الْمَتِيْنِ ۝ وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ ۝ وَ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(ترجمہ)

حمد حقیقی خدا کے لئے مخصوص ہے۔ صلوٰۃ و سلام ہو۔ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار اور تمام انبیاء کے ذریعہ وٰالہ ختم ہمارے سردار ہمارے نبی ہمارے گناہوں کے شفیع ہمارے دلوں کے طبیب ابوالقاسم محمدؐ پر اور ان کی طیب و طاہر نورانی پیشانی والی برکتوں والی معصوم آل پر آج کے دن سے روزِ جزا تک۔ بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے محکم خطاب میں ارشاد فرمایا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) خداوند عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ اے رسول تم کہہ دو لوگوں کو سمجھا دو۔ یہ ہمارا پیغام پہنچا دو۔ تم ہماری طرف سے کہہ دو (قُلْ) کہو۔ کیا کہہ دو کہ تم لوگ اللہ سے محبت چاہتے ہو یا تم دعوائے محبت رکھتے ہو۔ دونوں صورت میں خدا سے محبت ہے یا محبت رکھنے کا ارادہ ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ تم میرا اتباع کرو۔ اگر تم میرا اتباع کروگے۔ تو پروردگار عالم سے تمہاری محبت بھی ثابت ہوگی۔ گویا تم اللہ سے محبت رکھتے ہو میرے اتباع سے ثابت ہوگا۔ کہ تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ یعنی میں ہوں وہ ایک ہستی کہ جس کا اتباع بُرہان ہے اس امر کا کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوگا تو خدا تم سے خود محبت کریگا۔ تو تم اللہ کے محب اور محبوب بن جاؤ گے جو بخشنے والا اور رحمت والا بھی ہے۔

تو اب بجائے اس کے کہ تم اللہ کی طرف دوڑو تمہارا فرض ہے۔ کہ میرے اتباع کی طرف آؤ میرے اتباع کو تم دلیل محبتِ خدا قرار دو۔ کیونکہ خدا تو تمہیں مل نہیں سکتا۔ کہاں تلاش کروگے؟ کہاں اُس کی آواز پہنچے گی؟ کیونکر اسے راضی کروگے؟ تمہیں معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اللہ راضی کن چیزوں میں ہوتا ہے اور ناراض کن چیزوں سے ہوتا ہے۔

توجہ:۔ اللہ کی آواز کبھی نہیں آتی نمازی کے لئے کہ اے نمازی ہم تم سے راضی ہو گئے۔

کبھی حاجیوں کو اس نے مرحبا نہیں کہا کہ بہت دُور سے آئے ہو بیت اللہ میں۔ میں راضی ہوگیا کی
آواز بھی نہیں آئی اور دیکھا بھی نہیں تو مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ خدا راضی ہے یا ناراض؟
اس کا اصول بتا دیں۔ تمام علماء اسلام اس پر متفق ہیں۔ کہ خدا کے لئے کوئی مکان نہیں خدا کے لئے خود کوئی
آواز نہیں۔ کیونکہ نہ کوئی شئے اس میں داخل ہوتی ہے نہ کوئی شئے اس سے خارج ہوتی ہے۔ اور جب ایسا
نہیں ہے۔ تو معلوم کیسے ہوگا۔ کہ خدا راضی ہے یا ناراض؟ تو اللہ نے ہمیں پیدا کرنے سے پہلے ایک
انتظام فرمایا ہے۔ اس کو حضرت امام رضا علیہ السلام والصلوٰۃ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا
ہے۔ (صلواۃ)

خدا وہ ہے جس نے کیفیتوں کو پیدا کیا ہے وہ تھا جبکہ کیفیتوں کا وجود نہ تھا۔ امام علیہ السلام
فرماتے ہیں۔ کہ یہ رضا اور ناراضگی تو کیفیتیں ہیں۔ راضی ہونا یا ناراض ہونا یہ تو ایک کیفیت ہے۔ اور پتہ
لگ جاتا ہے۔ انسان کو رضامندی کی حالت اور ہوتی ہے۔ اور جب ناراضگی کی حالت ہو تو ایک کیفیت
بدل جاتی ہے اور جب حالت بدلتی ہے رضامندی اور ناراضگی کی تو یہ حالتیں کیوں بدلتی ہیں؟ حالت ا
کیفیت بدلتی ہے مزاج سے۔ مزاج سے کیفیت بنتی ہے۔ مزاج بنتا ہے طبیعت سے تو جہاں طبیعتیں نہ ہوں۔
مزاج نہ ہوں۔ وہاں کیفیتیں نہیں اور کیفیتیں نہیں تو رضامندی اور ناراضگی نہیں۔ اور اگر خدا میں یعنی خود خدا ک
ذات میں رضامندی اور ناراضگی ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ رضامندی کی حالت میں کچھ اور ہوتا ہے ا
ناراضگی ہو جائے تو حالت بدلتی ہے۔ خدا میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ذاتِ خداوندی سے ناراض
رضامندی کا پتہ چل سکتا ہی نہیں۔ کیونکہ تبدیلی اس میں نہیں آتی۔ اسی لئے اللہ نے کیا کیا؟ سب سے پہلے
وُجہُ اللہ کو بنایا۔ اور دنیا کے سامنے پیش کیا کہ مجھے نہ دیکھو وجہُ اللہ کو دیکھو۔ اگر یہ راضی نظر آئے سمجھ لو میں راضی ہوں
اگر یہ ناراض ہو سمجھ لو میں ناراض ہوں۔ اور وہ وجہ اللہ؟ محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام ہیں (صلواۃ)
نَحْنُ وُجہُ اللہ۔ یہ حدیث آل محمدؐ کی حدیث ہے۔ نَحْنُ وجہ اللہ ہم محمدؐ و آل محمدؐ وجہ

ہیں۔ یعنی ہمارے ہی ذریعہ سے خدا کی رضامندی اور ناراضگی کا پتہ لگتا ہے۔ ایک شخص نے ہمارے
آخری امام حضرت حجت عجل اللہ فرجہ سے پوچھا۔ کہ مولا یہ بتائیے کہ اب بھی اللہ کی طرف سے کوئی وجہ اللہ
ہے؟ کوئی حجت اللہ ہے؟ کوئی اب بھی خلیفۂ خدا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا خدا نے اپنی کائنات سے
قطع تعلق کر لیا ہے۔ یا وہ ہمارا خُدا نہیں رہا۔ اگر ہے اور کائنات سے تعلق بھی ہے۔ تو درمیان میں
حجت اللہ بھی ہے جس کے ذریعہ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ یہ امام کا کلام ہے۔ (صلواۃ)

غرض گذارش یہ ہے۔ کہ آج میں کچھ اور چیز چاہتا ہوں۔ راستہ میں سوچتا آیا۔ گاڑی میں
بیٹھا ہوا کہ آج میں ایک چیز پیش کروں جس کا موقع مجھے نصیب نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی اُسی کی طرف سے
اشارہ ہو جاتا ہے اہلبیت کیا ہیں؟ اور اللہ کے نزدیک ان کا مقام کیا ہے؟ یہ دو چیزیں ہیں۔ کائنات اور
مخلوق میں ان کا مقام کیا ہے؟ اور اللہ کے نزدیک بھی دو صورتیں ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ کہ دنیا میں ان کا مقام
کیا ہے اور آخرت میں اللہ کے نزدیک ان کا مقام کیا ہے؟ تو دنیا کے مقام کو بتاؤں یا آخرت کے؟ اور
یہ بھی عرض کروں کہ مقام ہے کیا؟ مقام ہے فضیلت یعنی اُس سے مُراد ہے فضیلت تو کسی چیز کی فضیلت کب
ہوتی ہے؟ اس کے اصول کیا ہیں؟ فضیلت کے معیار کیا ہیں؟ لوگوں کے کام یہ معیار ہے؟ لوگوں کا ایمان
یہ معیار ہے؟ تو ہمیں نہ کاموں کے متعلق یعنی اعمال کے متعلق کچھ علم ہے۔ نہ ایمان کے متعلق اعمال و عقائد دو
ہی چیزیں یا ایمان کیا ہے لوگوں کا ہمیں نہیں معلوم۔ پوشیدہ چیز ہے۔ عمل جو لوگوں نے کیا تم نہیں سمجھ
سکتے کہ اس عمل کرنے والے کی نیت کیا ہے؟ یہ کس نظر سے عمل کر رہا ہے؟ تو اب نہ نیت کا ہمیں علم
ہے عمل کرنے والے کی نہ اس کے ایمان کا۔ قرآن کہتا ہے۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝
(پارہ ۳۰ سورہ غاشیہ) (ترجمہ) بہت زیادہ شدت سے عمل کرنے والے ایسے بھی ہیں جن کو جہنم کی آگ
میں جھونک دیا جائے گا۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ۔ (پارہ ۳۰) (ترجمہ) جہنم ہے نمازیوں کے لئے؟
یہ کون سے نمازی؟ یہ کونسے عمل کرنے والے ہیں۔ جو زیادہ عمل کرنے والے ہماری نظر میں بڑے

خوش آئند، بڑے پیارے، بڑے غازی لیکن اللہ کے نزدیک ان کی نیت کیا ہے۔؟ ان کا عمل کیسا ہے کیا کسی خوف سے عمل کر رہے ہیں۔ یا کسی طمع سے عمل ہو رہا ہے۔ یا کوئی اپنا ذاتی مقصد ہے؟ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں؟ تو یہ پتہ کیونکر لگے فضیلت کا؟ اس سلسلے میں ایک گذارش کروں گا۔ دیکھئے یہی اس کا معیار ہے۔ جو پیش کر رہا ہوں۔ معیار ہے تقربِ خدا۔ بس ایک معیار ہے تقربِ خُدا۔ جس کو زیادہ تقرب حاصل ہو گیا تو وہ معلول۔ علت تامہ کے نزدیک ہو گیا۔ اور علت تامہ ہے خُدا۔ اور جس قدر علت تامہ سے معلول قریب ہو گا۔ اتنا ہی کمال علت تامہ کا اس معلول میں ظاہر ہو گا۔ جو بھی معلول ہو۔ (صلوٰۃ)

یوں نہ سمجھاؤں۔ چلو اس طریقہ کو چھوڑتا ہوں۔ پہلے یہ بتائیے کہ قُرب سے مُراد کیا ہے؟ اللہ کا تقرب۔ روز آپ پڑھتے ہیں۔ قربۃً الی اللہ۔ تمام سُنّی شیعہ بھائی روز پڑھتے ہیں۔ قربۃً الی اللہ تقرب خدا۔ آپ کا مقصد کیا ہے۔؟ تقرب سے خدا کی نزدیکی؟ قُرب۔ خدا کہیں مکان میں رہتا ہے جہاں نزدیکی ہو جائے گی۔ اس قُرب سے کیا مُراد ہے؟ قُربِ مکانی؟ کہ خُدا کہیں ہے۔ ہم ذرا نزدیک ہو جائیں اس جگہ کے۔ تو خدا لامکان ہے۔ جب لامکان ہے تو قرب کیسا؟ قرب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب مکان ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ قرب سے مراد قربِ مکانی نہیں۔ پھر دوسری صورت ہے قرب سے مراد قرب زمانی کہ زمانے کے لحاظ سے۔ ہم زمانے میں ہوں۔ جس زمانے میں خدا ہو۔ تو اس کے لئے زمانہ نہیں۔ وہ لا زمان، لامکان۔ تو پھر قرب کیسے ہو؟ لہٰذا قرب سے مراد نہ قرب زمانی نہ قربِ مکانی جب یہ دونوں نہیں تو اس سے مراد کیا ہے۔ اللہ کا قرب۔ (صلوٰۃ)

توجہ رکھیئے گا۔ مشکل مسئلہ ہے۔ اور اس پر علماء گھبرا گئے۔ اس بحث کو لکھتے ہوئے۔ قرب مراد کیا ہے؟ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ مجدد مذہب شیعہ۔ غواص بحار اخبار آئمہ اطہار۔ انہوں نے ایک جیز پیدا کی۔ اور وہ صرف محدث ہی نہیں بلکہ وہ ایک روحانی عالم ہیں۔ ان میں روحانیت بھی ہے۔ ایک

تو احادیث کے جامع ہیں۔ ان کے کلام سے مجھے بہت کچھ ملا۔ انہوں نے بھی یہ بحث لکھی ہے۔ مُلا فیض کاشانی جو محقق ہیں ہمارے مذہب کے اصول دین کے انہوں نے بھی اس پر تبصرہ کیا ہے۔ لیکن آخری فیصلہ کیا ہے۔ اللہ کے قرب سے کیا مراد ہے؟ قربۃً الی اللہ۔ روز کہتے ہو۔ میں نماز پڑھتا ہوں میں وضو کرتا ہوں۔ میں یہ کام کرتا ہوں وغیرہ قربۃً الی اللہ۔ اس سے مراد کیا ہے؟ اللہ سے قریب کس طرح ہوں؟ مکان و زمانہ تو ہے نہیں۔ کہ کہیں اللہ کا وجود ہو۔ کہ ہم اس کے پاس چلے گئے۔ یا اس زمانے میں پہنچ گئے جس زمانہ میں خدا تھا۔ یا آئندہ زمانے کا یقین بھی نہیں۔ مکان کا بھی نہیں۔ پھر مراد کیا ہے؟ اس کے معنی آئمہ طاہرین اگر نہ بتاتے تو خدا کی قسم دنیا میں کوئی نہ سمجھتا۔ وہ معراج کو کہتے ہیں قرب خدا میں گئے۔ کیا خدا وہاں بیٹھا ہے۔ اور نیچے نہیں ہے؟ قرب میں گئے نزدیک ہو گئے۔ اُدْنُ مِنّی۔ اور قریب ہو جا۔ اور قریب آجا۔ اور قریب آجا۔ وہ کہیں کسی مکان میں یا حجاب میں بیٹھا تھا؟ وہ تو خدا نہیں ہے اور پھر دیکھنے کیا گئے؟ کیا سرکارِ دو جہاں خدا کو دیکھنے گئے؟ جب حضور معراج سے واپس تشریف لائے۔ تو کچھ اصحاب نے پوچھ لیا۔ حضور اللہ کو کیسا پایا؟ یعنی یہ ایک عقیدہ چلا ہے کہ ایک تخت ہے۔ اس پر ایک کرسی ہے۔ اور خدا کرسی پر بیٹھا ہے۔ اور اتنا وزن ہے۔ کہ کرسی چرچر کرتی ہے کرسی بولنے لگتی ہے۔ خدا جانے اور کیا کیا من گھڑت باتیں لوگ لکھتے ہیں۔ تو یہ لوگ قرب کے معنی یہ سمجھتے رہے۔ آج میں آپ کو انشاء اللہ یہ مسئلہ سمجھاؤں گا۔ اور میرا دل چاہ رہا ہے۔ کہ یہی مسئلہ سمجھاؤں۔ رستہ میں خیال آگیا تھا۔ (صلوٰۃ)

جب آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ نے خدا کو دیکھا۔؟ آپ نے اپنے خدا کو کیسا پایا۔ تو آپ کو غصہ آیا اور فرمایا کہ تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں خدا کو دیکھنے گیا۔ میرا وہ خدا نہیں ہے۔ جو کسی مقام پر محدود ہو میں تو آیتِ خدا کو دیکھنے گیا تھا۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا۔؟ خدا فرماتا ہے۔

"سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

سُبحان کے معنی وہ ذات جو ہر عیب سے مُنزہ و مُبرا جس میں کوئی عیب اور نقص نہ ہو۔ اس کو سُبحان کہتے ہیں۔ بے نقص و بے عیب۔ (اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ) جو لے گیا اپنے عبد کو (اسریٰ) اپنے عبد کو لے گیا رات کو۔ خُدا کہتا ہے۔ میں لے گیا۔ اب تو سوال ختم ہو گیا۔ کیسے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ زنجیر دہلتی رہی۔ بستر گرم رہا اور پانی وضو کا بہتا رہا۔ گئے اور آگئے۔ اتنی جلدی کیسے گئے اور آگئے۔ اگر بشر کہے کہ حضور اتنی جلدی گئے اور آگئے۔ تو مجھ سے کہو کہ کیسے گئے اتنی جلدی مجھ سے پوچھو کہ، کیسے گئے۔ اور اگر حضورؐ فرمائیں کہ مَیں اتنی جلدی گیا تو حضورؐ سے پوچھو کہ حضورؐ آپ اتنی جلدی کیسے گئے پھر سرعت حرکت۔ یہ کہاں سے پیدا ہوئی۔؟ یہ تو عقل میں بھی نہیں آتی؛ اس قسم کی کوئی باتیں کر سکتا ہے؛ اگر قرآن کی آیت میں ہوتا کہ حضورؐ گئے یا مَیں کہتا کہ حضورؐ گئے یا حضورؐ فرماتے کہ میں گیا۔ یہ لفظ ہی نہیں قرآن میں۔ خدا فرماتا ہے کہ میں اپنے عبد کو لے گیا۔ تو اتنی جلدی کیسے گئے۔ جتنی اس میں طاقت ہے۔ اس کی طاقت کی حد نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے ...... مَیں لے گیا۔ تو۔ تُو کیوں کہتا ہے۔ کہ اتنی جلدی کیسے گئے۔ اگر اللہ تجھ سے سوال کرے۔ کیا تو ایمان نہیں لایا ہے۔ کہ مَیں عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہوں۔ تو تجھے شک کیوں ہے آنے جانے میں محمدؐ کے؟ کیوں شک ہے میں خود لے گیا (صلواۃ)

اب تو بہت کچھ راز کھل گئے ہیں۔ یہ میزائل۔ راکٹ وغیرہ اور سیارے اور کیا کیا چیزیں لوگ چاند پر جا رہے ہیں۔ اچھا چلیئے ان چیزوں کو چھوڑیئے۔ مَیں نے تو ایک اصول اپنے اساتذہ سے سیکھا ہے۔ کہ کبھی حدیث پڑھ کے آپ یہ نہ کہنا کہ سائنس کی تحقیق ہے۔ یہی امام نے فرمایا ہے۔ میرے اساتذہ کا ارشاد تھا۔ جو آپ کو بھی بتا دُوں۔ میرے ان علمائے اعلام۔ مجتہدین کرام۔ اساتذہ نے کہ جن

Saleem Bakhsh Khan Talpur

سے میں نے لکھنؤ میں پڑھا تھا۔ انہوں نے یہ مجھے سمجھایا جب تر ذیج کے لیے مجھے سند دیکر باہر بھیجا تو یہ فرما کر کہ دیکھو دنیا کی جتنی تحقیقات ہیں۔ اور انکشافات ہو رہے ہیں۔ تم یہ کبھی نہ کہنا کہ آج جو یہ ایک تحقیق ہوئی ہے یہ ہمارے امام نے چودہ سو سال پہلے بتائی تھی۔ کیونکہ یہ اکتسابی علم ہے۔ ر رنہ بدلے گا اور جب بدل گیا تو تم نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے امام نے بھی کہا تھا۔ جو آج کی تحقیق ہے پھر کل تحقیق بدل گئی اور نئی تحقیق آگئی تو امام کا کلام کہاں جائے گا؟ یہ کبھی نہ کہو کہ آج جو تحقیق ہے امام نے یہ فرمایا تھا۔ ہرگز نہ کہو کیونکہ حقائق اشیاء کو خدا جانتا ہے جو خالق الحقائق ہے وہ تبدیلی بھی کرتا ہے حقائق میں یا وہ جانتا ہے کہ جس کو علم دیا گیا۔ لہٰذا ہم اُن چیزوں کی مطابقت نہ کریں کہ انگریز نے فلاں سائنس دان نے یہ کہا۔ ہمارے امام نے بھی یہی کہا۔ وہ سائنس دان غلط گو ہو جائے یہ تحقیق غلط ہو جائے اور اس سے بلند ہو جائے۔ اور اس سے بلند ہو جائے تحقیق تو امام کے کلام کو کہاں لے جاؤ گے۔ لہٰذا آپ یہ نہ کہا کریں۔ (صلواۃ)

اب مَیں وہ بات پیش کر رہا ہوں کہ حضور سرکار دو جہاں صلعم تشریف لے گئے اور آپ کیوں گئے، آیت سُن لی آپ نے۔ ہم اپنے عبد کو آپ لے گئے۔ آپ کیوں لے گئے تاکہ اس کو اپنی بعض آیت دکھائیں اپنی آیت۔ قرآن کی آیت نہیں۔ یہ گول گول دائرے نہیں۔ یہ گول گول دائرے۔ یہ آیتیں نہیں اللہ اپنی آیت دکھانے لے گیا۔ تو گویا آیت اللہ کو دکھانے لے گیا۔ آیتِ خدا کو دیکھنے گئے۔ نہ کہ خدا کو۔ اللہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔ سب کچھ سنتا بھی، اور دیکھتا بھی ہے۔ یعنی جو دیکھنے والی چیزیں ہیں۔ دیکھنے سے جن کا تعلق ہے۔ مُبصرات انکا بھی عالم ہے۔ اور جن کا تعلق سماعت سے انکا بھی عالم ہے نہ یہ کہ کانوں سے سنتا ہے۔ اور آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ عالم ہے مسموعات کا بھی۔ اور عالم ہے مُبصرات کا بھی۔

اب اس آیت نے کیا بتایا۔ آیت بتا رہی ہے۔ کہ حضور صلعم خدا کی آیت کو دیکھنے گئے۔ اور آگئے اب بحث شروع ہو گئی۔ کیسے گئے۔ کیسے آئے۔ ہماری یہ بحثیں ختم ہو گئیں کیوں؟ کیونکہ خالق کائنات

نے کہاں لے گیا جس نے یہ خُلا پیدا کیا۔ جس نے یہ زمین و آسمان پیدا کئے۔ وہ کہتا ہے میں لے گیا اپنے عبد کو۔ تو اب یہ اعتراض ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی جلدی گئے اور آگئے۔ لہذا روحانی معراج ہوئی۔ جسم نہیں جا سکتا۔ کُرات سے نہیں گزر سکتا وہ بحث چھوڑتا ہوں۔ ایسی الجھنوں میں نہیں پڑھنا چاہتا۔ میں تو مسلمانوں سے بات کر رہا ہوں غیر مسلموں سے گفتگو نہیں ہے۔ (صلوٰۃ)

اپنے دونوں بھائیوں سنی۔ شیعہ سے کہہ رہا ہوں کہ اس سرعت حرکت کی وجہ سے انکار کیا۔

ہمارے بعض مسلمانوں نے علی گڑھ کے ایک بزرگ گزرے ہیں سر سید احمد خان۔ انہوں نے بھی کہہ دیا کہ نہیں۔ بس خواب دیکھا تھا۔ اور ثبوت کیا دیا ایک ام المومنین بی بی عائشہ کی حدیث ہے اور وہ صدیقہ ہیں انہوں نے فرمایا ہے شب معراج میں۔ میں اور رسول اللہ ایک ہی جگہ تھے۔ اور وہ مجھ سے جُدا نہیں ہوئے بستر پر رہے۔ حضورؐ کا جسد مبارک۔ جسم مبارک مجھ سے جُدا ہوا ہی نہیں۔ لہذا خواب دیکھا ہوگا، روحانی معراج ہوگی۔ یہ لوگوں نے کہہ دیا۔

مگر افسوس انہوں نے روایت کو دیکھا۔ درایت کو نہ دیکھا۔ میں کہتا ہوں کہ کسی نے یہ ہماری ام المومنین پر تہمت لگائی ہے۔ یہ صرف اہلسنت ہی کی تو ام المومنین نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقی تو ہماری ہیں۔ کیونکہ ہم اپنے کو مومنین میں شامل کیا کرتے ہیں۔ مُسلمین کا لفظ ہم کہتے ہی نہیں۔ ہم تو مومن ہی کہتے ہیں۔ تو وہ ہماری ام المومنین ہیں۔ ان کے متعلق لوگوں نے غلط تصور پیدا کیا ہے۔ (صلوٰۃ)

بشیر ایک بات اور کہتا ہے۔ کہ یہ ہرگز انہوں نے نہیں کہا۔ کبھی نہیں کہا یہ راوی نے جھوٹ بولا۔ اتہام لگایا ہے بی بی پر کہ مجھ سے رسول اللہ کا جسم جدا ہی نہیں ہوا شب معراج۔ اس لئے غلط ہے کہ ثابت ہے معراج کی مکی۔ معراج ہے مکہ میں۔ اور بی بی کے ساتھ شادی ہوئی مدینے میں۔ دیکھئے آنکھ بند کر کے کہہ دینا کہ بی بی سچی ہیں۔ صدیقہ ہیں۔ لہذا حضور کو روحانی معراج ہوئی ہوگی خواب دیکھا ہوگا لیکن

یہ سوچا کہ بی بی پر کسی نے اتہام لگایا۔ کیونکہ ان کی شادی تو ہجرت کے بعد مدینے میں ہوئی۔ اور معراج مکہ میں ہو چکی۔ ایک بستر کیسا۔ قطعاً غلط ہے۔ الزام ہے۔ آپ حضرات ان چیزوں کی اصلاح کرتے رہیں۔ آپ حضرات کو معلوم ہو کہ جو عقیدہ آل محمدؐ نے بتایا وہ جسمانی معراج ہے۔ وہی صحیح ہے اور جتنے غلط طریقے معراج کے سلسلہ میں ہیں۔ وہ سب باطل ہیں۔

اچھا جناب تو حضور سرکار دوجہاں صلعم تشریف لے گئے آیت اللہ کو دیکھنے۔ دیکھی تھی آیت اللہ یا نہیں؟ اللہ کی نشانی۔ آیت کے معنی جانتے ہو۔ چلیئے آیت کے معنی بتا دوں۔ دیکھئے آیت اللہ۔ ہم علماء کو بھی کہنے لگے۔ پہلے نہیں کہا جاتا تھا۔ اب کہنے لگے ہیں۔ ہم بہت ہی "وہ" ہوتے جا رہے ہیں۔ اب آیت اللہ جس کے ذریعہ خدا کی معرفت حقیقی حاصل ہو وہ آیت اللہ ہے۔ صرف وہ ہے کہ جس کے ذریعہ خدا کی صحیح اور حقیقی معرفت حاصل ہو جو ذریعہ معرفت خدا وہ آیت اللہ اور وہ۔ وہی ہو سکتا ہے جس سے غلطی سرزد نہ ہو۔ غلطی کا کوئی امکان یا شائبہ تک نہ ہو۔ وہ آیتِ اللہ ہے۔ جو معصوم ہوتا ہے۔ حدیث معصومین ہے۔ "نَحنُ اٰیاتِ اللہ" ہم ہیں خدا کی آیات۔ باقی جو آیات کا لفظ ہے۔ جو قرآن میں ہے۔ کہ ہر ایک چیز اللہ کی نشانی ہے۔ آیت اللہ۔ ہر شے۔ اس سے مراد معرفت خدا نہیں۔ ان آیات یعنی زمینوں میں دیکھو۔ آسمانوں میں دیکھو۔ تو یہ سب اللہ کی نشانیاں۔ کیا معنی۔ وجود خدا کی دلیلیں ہیں۔ وجود خدا اور ہے معرفت خدا اور ہے۔ اس معنی سے تو جمادات بھی آیت ہیں اور حیوانات بھی یہ سب مخلوق دلیلِ وجود خالق ہیں۔ ہر مخلوق آیۃ اللہ ہے۔ (صلوٰۃ)

بہر حال اللہ حضور صلعم کو لے گیا۔ کہاں؟ ایک ایسے مقام پر۔ اب میں وہ تمام چیزیں چھوڑتا ہوں۔ کبھی موقع ہوا تو پیش کروں گا۔ یہ تو لفظ قریب کی تحقیق میں ایک مضمون شروع ہو گیا۔ یہ شروع ہوا ہے۔ بے ساختگی میں کوئی ارادہ نہ تھا۔ جو آج آگیا یہ مضمون۔ لیکن یہ بھی چونکہ متنازعہ فیہ چیز ہے۔ آپس میں

تو میں چاہتا ہوں کہ اب اس کا بھی تصفیہ آپ کے سامنے ہو جائے۔ اور آپ کے عقیدے مضبوط ہو جائیں۔ ایمان میں روشنی پیدا ہو جائے۔

خدا کی معرفت حقیقی کا وسیلہ جس کو ہم کہتے ہیں۔ آیت اللہ۔ اچھا جناب تو حضور گئے آیت اللہ کو دیکھنے پھر دیکھی یا نہیں؟ خدا کو دیکھنے نہیں گئے۔ قرآن نے بتایا کہ آیت اللہ کو دیکھنے گئے پھر آیت اللہ دیکھی یا نہیں اب میں آیتیں پڑھتا ہوں۔ آیت اللہ ثابت کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضور جب پہنچے ایک ایسے مقام پر جہاں برکتیں ہی برکتیں تھیں۔ میں ان کی تصویر کشی نہیں کر سکتا اور نہ وہ جگہ بتا سکتا ہوں۔ خدا یہ کہتا ہے کہ ہم لے گئے ایک مقام پر راتوں رات۔ کہاں لے گیا۔ ایسی جگہ کہ جس کے چاروں طرف برکتیں ہی برکتیں تھیں۔ اور کچھ نہ تھیں۔ ہمیں اتنا پتہ لگا کہ جبریلؑ ساتھ ساتھ تھے۔ لیکن جیسے جیسے قریب ہوئے اس مقام مبارک سے جہاں برکتیں ہی برکتیں تھیں ایسے مقام پر پہنچے تو جبریل نے عرض کی میری حد ختم ہو گئی ہے اب میں آگے نہیں جا سکتا۔ اگر ایک انگشت آگے بڑھوں گا تو جل کر خاک ہو جاؤں گا۔ میں نہیں جا سکتا۔ آپ نے فرمایا ایسے مقام پر آ کر ساتھ چھوڑتے ہو۔ تو جبریل نے کہا کہ میں تو جناب حاضر ہوں لیکن جب جاؤں گا۔ تو میں نہ رہوں گا۔ فنا ہو جاؤں گا۔ ان تجلیات میں۔ میرے نور میں یہ قوت نہیں کہ ان تجلیات کو برداشت کر سکوں۔ اس نہر نور کے پار کیا ہے؟ جبریلؑ عرض کرتے ہیں۔ جبریل کے لفظ "دُونَكَ مَقَامٌ لَمْ يَطَئْهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ" یا رسول اللہ! آگے وہ مقام ہے کہ جس کو نہ کبھی کسی مرسل نے طے کیا۔ اور نہ کسی ملک مقرب نے طے کیا۔ یہاں تک نہ نبی مرسل پہنچا نہ ملک مقرب۔ یہ تو آپ کی جگہ ہے۔ اور کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ آپ کا مقام ہے۔ تشریف لے جائیے۔ جب حضورؐ نے قدم رکھا تو نہر نور سامنے تھی۔ نہر نور کی موجوں نے قدم بوسی کی۔ لہروں نے دست بوسی کی۔ حضورؐ گزر رہے ہیں جبریل اس طرف۔ حضورؐ اس پار۔ اُدھر پہنچ گئے۔ نہ جلے نہ داغ لگا۔ موسیٰؑ کوہ طور پر غش کھا گئے

یہ گزر گئے۔ اور اس پار پہنچ گئے۔ جبریلؑ دیکھ رہے ہیں۔ (صلوٰۃ)

قرآن مجید کہتا ہے۔ حضور جب اس بلندی سے واپس آئے۔ تو دوبارہ جبریل کو دیکھا۔ کہاں تھے جبریل؟ سدرۃ المنتہیٰ پر کہ وہ ان کی انتہائی بلند جگہ کہ جہاں حد ہے وہ وہیں ہیں اُن کو پایا۔ یہ قرآن نے بتایا۔ تو اب گزارش کر دوں۔ کہ وہ جب وہاں پہنچ گئے تو کیا دیکھا؟ آج یہ سمجھیے کہ کیا دیکھا جو پہلے نہیں دیکھا۔ کیا نہیں دیکھا تھا۔ عرش نہیں دیکھا۔ وہ تو ان کے سامنے بنا۔ لوح و قلم نہیں دیکھے وہ خود ان کے ذوات مقدسہ ہیں۔ آسمان و زمین سب ان کے ذریعہ سے بنے ان کی باتوں سے قرآن مجید بنا۔ یہ آیتیں ہیں خدا کی۔ یہ الگ ایک موضوع ہے۔ تو سب کچھ تو ان کے سامنے بنا ہے۔ ان کے ہاتھوں سے بنا ہے۔ تو پھر دیکھنے کیا گئے؟ قرآن مجید بتاتا ہے۔ توجہ! حضور نے دیکھا جس کو بھی دیکھا۔ گئے کیوں؟ آیت اللہ کو دیکھنے یہ یاد رکھیے گا۔ آیت اللہ کو دیکھنے اور جب دیکھا اللہ کو نہیں۔ آیت اللہ کو جب دیکھا۔ "لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" (سورۂ والنجم) لام تاکید۔ ضرور۔ تحقیق۔ ضرور۔ بالتحقیق دیکھا۔ کیا دیکھا۔ جس کو بھی دیکھا۔ تو اب لفظ میں پڑھتا ہوں۔ قرآن کے "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" آنکھوں نے دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ یعنی آنکھوں نے پہنچان لیا۔ کہ وہی ہے۔ کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ وہی ہے۔ خوب پہنچانا۔ غلط نہیں دیکھا۔ صحیح دیکھا۔ پہچان گئے۔ مگر خود جب پہنچے اور اتنی جلد پہنچے تو پھر جب دیکھا اس آیت اللہ کو دل میں آ سکتی تھی بات کہ میں اتنی جلدی پہنچا تو یہ کیسے پہنچا؟ آیت اللہ کے بارے میں جس کو دیکھا یہ دل میں آ سکتا تھا۔ دل کی بات بتاتا ہے خدا۔ آنکھ سے غلطی نہیں ہوئی۔ آنکھ نے صحیح دیکھا۔ "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" اور دل نے بھی نہیں جھٹلایا۔ قبول کر لیا۔ قرآن کی تصدیق۔ دل نے بھی مان لیا کہ ہے وہی۔ اور آنکھ نے بھی پہچان لیا کہ ہے وہی۔ تو تھا کیا وہ۔ اب اس کے لئے لفظ آتے ہیں۔ کہ وہ تھا کیا۔ قرآن بتا رہا ہے اللہ کی آیت کبریٰ کو دیکھا۔ اللہ کی آیت کبریٰ

معلوم ہوا۔ آیت اللہ دو قسم کی۔ آیت صغریٰ اور آیت کبریٰ۔ آیت صغریٰ۔ چھوٹی آیتیں معرفت تو کراتی ہیں مگر اس درجہ کی نہیں وہ آیت صغریٰ ہیں۔

اب جو سب سے زیادہ اللہ کی معرفت کی دلیل وہ آیت کبریٰ۔ تو حضورؐ نے دیکھا کیا۔؟ آیت کبریٰ کو۔ اللہ کی آیت کبریٰ کو۔ قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ اللہ کو نہیں بلکہ اللہ کی آیت کبری کو جو سب سے بڑی آیت ہے سب سے بڑی دلیل معرفت۔ لفظ آیت۔ جو مونث ہے۔ اس لئے کبریٰ و صغریٰ ہے۔ اس کا مذکر اکبر و اصغر ہے۔ تو آیت دیکھی ہے سب سے بڑی۔ یہ آیت اکبر ہے۔ عربی میں آیت کبریٰ۔ سب سے بڑی۔ اس سے بڑی کوئی نہ ہو۔ جس سے بڑی دنیا میں اللہ کی کوئی نشانی نہ ہو۔ سب سے بڑی آیت اللہ۔ آیت کبریٰ تو سب سے بڑی آیت اللہ کی۔ حضور خود ہیں۔ کیونکہ آپ سے بہتر اور افضل کون ہے۔ جو معرفت حقیقی خدا کرا دے۔ آپ سے بہتر کون ہے۔ تو خود حضور بھی آیت کبریٰ۔ اللہ کی سب سے بڑی نشانی۔ اور حضور نے جس کو دیکھا وہ بھی آیت کبریٰ۔ قرآن کہتا ہے کہ آیت کبریٰ کو دیکھا۔ تو اب یوں کہئے کہ آیت کبریٰ نے آیت کبریٰ کو دیکھ لیا۔ (صلواۃ)

تو ماننا پڑے گا۔ کہ آیت کبریٰ جو حضور ہیں۔ آیت کبریٰ کو دیکھا۔ اللہ کو نہیں۔ اللہ کی سب سے بڑی آیت۔ جو بھی حضور کے بعد ہو سب سے بڑی آیت کبریٰ سب سے افضل ہوگا۔ اُس کو دیکھا۔ اب وہ نہ ملک ہوگا۔ ملک تو اِدھر رہ گیا۔ جل کے خاک ہو جائے گا۔ نہ نبی مرسل وہاں تک پہنچا۔ نہ ملک مقرب پہنچا۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ جو آیت کبریٰ ہے۔ اور جس نے دیکھا وہ بھی آیت کبریٰ۔ تو آیت اللہ ہے۔ اللہ نہیں۔ کوئی نبی مرسل نہیں۔ نبی و رسول تو طور پر غش کر گئے۔ فرشتہ بھی نہیں وہ تو رہ گیا نہر نور کے اس پار سدرۃ المنتہیٰ پر رہ گئے۔ کوئی اُمتی ہوگا۔ وہ تو جل کے خاک ہو جاتے ہیں طور پر۔ موسیٰؑ غش ہوئے وہ جل گئے

تو نہ کوئی اُمتی ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ نہ فرشتہ ہے اور نہ کوئی ملک مقرب۔ نہ خدا ہے۔ تو یہ تو آیت اللہ ہے۔ اور آیت کبریٰ ہے حضور بھی آیت کبریٰ۔ (صلواۃ)

تو بشیر کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ تو وہ ہو سکتا ہے۔ کہ جس کی جنس اور آپ کی جنس ایک ہو۔ جو رسول کی جنس ہو۔ وہی بعینہ اس کی بھی جنس ہو تو مجھے عالم اسلام بتائے کہ کس نے کہا رسول نے کہ میں اور وہ ایک نور سے ہیں؟ سرکار دوجہاں صلعم نے کہا کہ میں اور وہ ایک نور سے ہیں۔ اب جو لوگ ولایت مطلقہ کے قائل نہیں۔ وہ ایک ثبوت اور ولایت کا سمجھ لیں۔ تو کوئی ہے جس کو دیکھا۔ اور وہ آیت اللہ ہے۔ اور وہ کیوں بنایا گیا ہے۔ وہاں کیوں بلایا گیا۔؟ اور وہاں کیوں بلا کر فیصلہ کیا گیا۔؟ ایک دوسرے کو دکھایا۔ تم بھی دیکھ لو انکو۔ یہ بھی دیکھ لیں تمہیں۔ یہ دیکھنے والے آیت کبریٰ ہیں۔ دونوں موجود۔ گفتگو ہوئی۔ ماننا پڑے گا۔ کہ آج خدا نے ان دونوں کو بلا کر کوئی اپنا ذاتی فیصلہ دیا ہے۔ اگر شریعت کا فیصلہ ہوتا تو نبوت یا رسالت کے ذریعہ وحی ہوتی یا الہام۔ بلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ فرشتے کو الگ نہ کیا جاتا۔ امت سے جدا نہ لے جایا جاتا۔ تو اللہ نے ذاتی فیصلہ کیا اپنی ذات کا۔ کائنات کا تعلق نہیں۔ اور اللہ کی ذات کا فیصلہ وہ ایک ہی مرتبہ ہے جس کو اس نے خود بنایا۔ اس میں کسی کی شرکت نہیں کی۔ خدا نے وہاں بلا کر نبوّت کا فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ خدا کی ذات نبی نہیں۔ رسالت کا فیصلہ نہیں کیا۔ خدا رسول نہیں۔ خلافت کا فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ خدا خلیفہ نہیں امامت کا فیصلہ نہیں کیا۔ خدا امام نہیں ہے۔ تو پھر کس چیز کا فیصلہ کیا ہے؟ خدا نے فیصلہ کیا ہے، ولایت کا۔ کہ میں ولی تو ہوں۔ رسول و نبی خلیفہ و امام نہیں۔ (صلواۃ)

آج ولایت کا فیصلہ کیا ہے کہ جو میری مطلق ولایت ہے وہ محمدؐ تم بھی لے لو۔ اور اے علیؑ تم بھی لے لو۔ اور آیت آگئی۔ ولی مطلق۔ ولایت کا فیصلہ تھا۔ اللہ ولی ہے۔ تو اپنی ذاتی ولایت کے اختیارات ان دونوں کو دے دیئے۔ اور جب ان دونوں کو ولایت دے دی تو آیت آ گئی۔ اللہ ولی ہے۔ تو ذاتی ولایت دونوں کو دے دی۔ یہ بھی ولی اور خود بھی ولی۔ ولایت

کا فیصلہ کر کے ان دونوں کو اختیار دے دیا۔ کیا اختیار؟ آیت پڑھتا ہوں۔ اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے "اَلْقِیَا فِی جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ" گرا دے۔ جیسے موسیٰؑ سے کہا۔ اَلْقِ۔ گرا دے اپنی عصا، چھڑی۔ اَلْقِ۔ اَلْقِیَا۔ تم دونوں اور اَلْقُوْ تم سب۔ تو اَلْقُوْ نہیں ہے۔ قرآن میں نہ اَلْقِ ہے قرآن میں بلکہ اَلْقِیَا۔ تم دونوں کو اختیار دیتا ہوں کہ تم دونوں کے جو کوئی مخالف ہیں۔ ان کو جہنم میں ڈال دو۔ یہ فیصلہ دے دیا۔ اپنی ذات کا اختیار دے دیا تم دونوں ڈال دو جس نے تم سے کوئی دشمنی کی ہے۔ آج ڈال دو اس کو جہنم میں جسکو تم سے عناد ہے۔ پھر علی جائیں گے۔ اور دروازہ پہ کھڑے ہوں گے۔ جس کو تم پل صراط کا کنارہ کہتے ہو۔ علیؑ کھڑے ہوں گے نیچے جہنم ہوگا اوپر پُل صراط ہوگا۔ لوگ آنے والے وہاں آئیں گے۔ کچھ جانا چاہیں گے کہ ہم چلے جائیں ہار آواز آئے گی۔ روک لو ان کو کدھر جا رہے ہیں۔ نمازوں کے خیال ہیں۔ بڑے بڑے حج کر کے ان کو کیا خیال ہے جانے کا۔ روکو ان کو۔ ابھی ان سے سوال کرنا ہے۔ (صلوٰۃ)

اب بشیر ایک بات کہتا ہے۔ یاد رکھیئے گا۔ عمل کی جزا اور سزا منقطع ہوتی ہے کیونکہ عمل منقطع ہو جاتا ہے وقت کے ساتھ۔ عمل منقطع ہوتا ہے۔ عمل ختم ہو گیا۔ یعنی نماز پڑھی عمل منقطع ہو گیا۔ روزہ رکھا۔ حج کیا۔ عمل منقطع ہو گیا۔ پھر جب نماز، روزہ، حج وغیرہ ہر ایک امرِ خیر کیا۔ جب تک کیا اس وقت تک عمل رہا۔ اس کے بعد منقطع ہو گیا۔ معدوم ہو گیا۔ موجود و معدوم ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ایمان ہوتا ہے مسلسل۔ وہی عمل صحیح ہوگا جو ایمان صحیح کے ماتحت ہوگا۔ یہ ایک موضوع الگ ہے۔

اُس وقت میرے مولا ارشاد فرمائیں گے۔ کیونکہ دونوں کو اختیارات دیدیئے گئے ہیں۔ ذاتی اختیارات اور یہ کہہ دیا "اَلْقِیَا فِی جَھَنَّمَ" ڈال دو جہنم میں۔ اب علیؑ آئیں گے۔ یہ لفظ حدیث کے سنّی، شیعہ دونوں بھائیوں نے لکھے ہیں۔ پڑھتا ہوں۔

"لَا یَجُوْزُ اَحَدُ الصِّرَاطَ اِلَّا مَنْ کَتَبَ لَهٗ عَلِیُّ الْجَوَازَ" (صواعق محرقہ)

ترجمہ) کوئی شخص پل صراط سے پار نہیں جا سکتا جنّت میں جب تک علیؑ لکھ کر نہ دیں۔ یہ علیؑ کو کیوں مقرر کیا؟ کہ یہ لکھ کر دیں۔ نبی کو کیوں نہ مقرر کیا۔ نبی وہ ہے جو شریعت لے کر بندوں میں آتا ہے۔ اور ولی وہ ہے جن لوگوں نے شریعت کو مان لیا۔ انہیں خدا تک لے جاتا ہے۔ تو علیؑ کہیں گے جہنم سے یا جھنم ھذا لی حدیث کے جملے علیؑ کہیں گے۔ اے جہنم ھذا لی فذرا یہ۔ یہ میرا ہے چھوڑ دے اس کو وھذا لك فخذ یہ یہ تیرا ہے۔ لے لے اس کو۔ (صلوٰۃ)

کچھ حضرات نے پوچھا تھا یا رسول اللہ یہ جو آپ نے ہمیں بتایا ہے پل صراط۔ یہ پل صراط ادق من الشعر احر من النار احد من السیف۔" بال سے زیادہ باریک۔ آگ سے زیادہ گرم۔ تلوار کی دھار سے زیادہ تیز۔ یہ پل اور جہنم پر۔ اس سے گزرے گا کون۔ اس سے گزر کس طرح سکتے ہیں؟ یہ ایسا باریک پل تیز دھار گرم آگ سے زیادہ۔ جو جائے گا کٹ کے نیچے گر جائیگا۔ تو جنّت تو اک دھوکہ ہی وعدہ ہوا۔ نہ کوئی جائے گا نہ دیکھے گا۔ یہ کہہ دیا حضور سے کچھ لوگوں نے۔ حضور نے فرمایا جس نے پل بنایا ہے اس نے گذرنے کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا حضور وہ کیا ہے۔ تو پھر حضور نے یہ حدیث بتائی۔ کہ جس کو علیؑ لکھ کر دیں گے وہ قبالہ جنّت ہاتھ میں آئیگا۔ قبالہ جنّت۔ ٹکٹ کہہ لیجیئے مہر لگا کر اپنے دستخط سے دینگے۔ ادھر وہ ہاتھ میں آئے گا علیؑ کا تحریر کردہ قبالہ "یَجُوْزُ کَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ" تو بجلی کی طرح وہ پار چلا جائے گا۔ بجلی کی طرح جب چمک ہوتی ہے۔ تو آنکھوں میں چکا چوند ھ ہو جاتی ہے۔ اتنی تیزی سے وہ جنّت میں چلا جائے گا۔ (صواعق محرقہ) پڑھیئے۔

سنّی شیعہ دونوں کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی) اور اگر یاد غلطی نہیں کرتی تو صفحہ ۱۳۹ ہے۔ پہلی سطر مصر کی چھپی ہے۔ یہ لکھنو میں کبھی پڑھا تھا۔ اب کوئی انکو جھوٹا کہہ

سکتا ہے راوی کتنا بلند ہے حضرت ابوبکر جنکو صدیق کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی نہیں گذر سکتا پل صراط سے جب تک علیؑ لکھ کر نہ دیں۔ کوئی گذر سکتا ہی نہیں۔ راوی حدیث بھی نہیں گذر سکتا۔ لفظ تو یہی ہیں حدیث کے۔ اور جب لکھ کر علیؑ دیں گے۔ تو وہ بجلی کی چمک کی طرح گذر جائیں گے۔ (صلواۃ)

ولایت پر فیصلہ ہوا تقسیم آخر ولایت پر ہوئی۔ کیونکہ نبوّت صرف ۲۳ سال میں ۱۳ سال مکے، دس سال مدینے ہیں۔ ۲۳ سال میں شریعت پہنچائی گئی۔ نبوّت کی خدمت کا زمانہ صرف ۲۳ سال۔ اور اس کے بعد قیامت تک اس کا تحفظ و بقاء ولایت کا کام۔ تو اختیارِ آخرت کا ولایت کو ملا۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ روک لو نبوّت کے ماننے والوں کو ابھی سوال کرنا ہے۔ کہ جس نے دین بچا کر تمہیں دیا ہے اس کو بھی مانتے ہو یا نہیں؟

اب یہ ان سے پوچھا جائے گا۔ بہت ہی عمدہ بات کہی ہے (میرے بھائی نے میرے بھائی بیٹھے ہیں۔ امروہہ میں سولہ سال عشرہ پڑھا ہے۔ طالب علمی کا زمانہ تھا اربعین میں اور ۱۲ سال میں موروثی ہو جاتا ہے میں نے تو ۱۶ سال عشرہ پڑھا ہے۔ تو بھائی وہاں کے رہنے والے ہیں یعنی مولانا سید علی حسن صاحب نے بہت ہی صحیح بات کہی ہے۔ اوپر کے مصرعے چھوڑ کر صرف ایک شعر پڑھتا ہوں۔

نبوّت اور امامت کو شیر زہرا میں ۔۔۔ اگر ملا کے پلا دیں حسینؑ بنتا ہے

اللہ اکبر! اس میں نبوّت بھی اس میں امامت بھی اس میں شیر زہرا بھی۔ تو میں عرض کر رہا ہوں کہ جب آپ اس پار پہنچیں گے۔ وہ قبالۂ لیکر جنّت کا ٹکٹ علیؑ دیں گے۔ اور آپ اس کنارے پر پہنچیں گے۔ پل کا جب کنارہ ختم ہو گا۔ تو دروازۂ جنّت اور پل کے نیچے جہنّم۔ تو جب آپ گذریں گے اور پہنچیں گے دروازۂ جنّت پر تو کیا دیکھیں گے؟

درِ جنّت پر دو شاہزادے کھڑے ہوں گے۔ اور پوچھ رہے ہوں گے۔ بابا نے دیا ہے۔ قبالۂ جنّت؛ آؤ تمہاری جگہ یہ ہے۔ ایک ایک کو پہنچاتے جائیں گے۔ اِدھر بابا بھیج رہے گا۔ اور دونوں شاہزادے جگہ بتا بتا کے پہنچاتے رہیں گے۔ میں نے جب یہ حدیث پڑھی تو مجلس میں سوچتا رہا۔ کہ بابا علی قبالۂ جنت دیکر بھیجتے رہیں گے۔ اور یہ جگہ بتا بتا کے پہنچاتے رہیں گے۔ تو میرے دِل سے ایک بات نکل گئی۔

مولا! میرے مظلوم امام آپ نہ کھڑے رہیئے۔ کربلا کے تھکے ہوئے لاشیں اُٹھا اُٹھا کے میرے زخمی امام۔ میرے بھوکے پیاسے امام، میرے مظلوم امامؑ لاشے اُٹھا اُٹھا کے آپ تھک چکے ہیں ہم سب آپ کی اس مظلومی پر مر جائیں۔ آپ نہ کھڑے ہو جیئے گا۔ آپ زحمت نہ فرمائیے گا۔ ایک تو یہ میرے دل پر اثر ہوا۔ دوسرا جب میں نے یہ پڑھا۔ روزِ قیامت انبیاء اپنی اپنی امتوں کو لے کر کھڑے ہوں گے۔ میدان محشر میں جب کُل کے کُل کھڑے ہوں گے۔ تو ایک آواز آئے گی۔ جس کو اہل سنت و شیعہ دونوں بھائیوں نے لکھا ہے۔ اُسی صواعق محرقہ میں ہے۔ اور تمام کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے۔

اِس وقت ایک آواز آئے گی۔ آج آپ جتنے بھائی میرے سامنے موجود ہیں۔ اس آواز کو سُن لو۔ اور سُنکر دل میں رکھ لو۔ پھر وہاں انتظار کرنا قیامت میں جب آواز آئے تو اس آواز کا خیال رکھنا آواز آئے گی۔ کیا لکھا ہے۔ حضورؐ کی حدیث ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا۔ تو تمام انبیاء اور تمام ان کی اُمتیں کھڑی ہوں گی۔ تو آواز آئے گی؛ یا اہل المحشر۔ اے محشر والوں اور قیامت کے میدان والو! "غُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَنَکِّسُوْا رُؤُسَکُمْ حَتّٰی تَجُوْزَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ" اپنی آنکھوں کو بند کر لو۔ اور سروں کو جھکا لو۔ آنکھوں کو بند کرو۔ رسُول کی بیٹی فاطمہؑ کی سواری آ رہی ہے دیکھئے حدیث سُن چکے۔ خیال رکھیئے گا۔ ادھر آواز آئے۔ اُدھر آنکھیں بند کر کے سروں کو جھکا لینا۔

تمام نبی، رسول، ولی، ان کی اُمتیں سب آنکھیں بند کر کے سروں کو جُھکا کر میدانِ محشر میں کھڑے

ہو جائیں گے۔ اب بی بی آئے گی۔ اور پائے عرش کو پکڑ کر عرض کریں گی۔ پروردگار پہلے میرا فیصلہ
آواز آئے گی۔ اے فاطمہ کونسا فیصلہ چاہتی ہو۔ تو عرض کریں گی کہ ان سب کے سامنے کربلا کے شہیدوں
کا فیصلہ کر دے۔ میری اولاد بے جرم و خطا کیوں ماری گئی۔ میرے بیٹوں کو کیوں مثل گوسفند قربانی
کیا گیا پہلے ان کو بلا کے فیصلہ کر دے۔ جب یہ عرض کریں گی۔ تو جواب آئے گا۔ اچھا نبی زادی اپنے کر
کے شہیدوں کو کہہ دو کہ اپنے قاتلوں کا ہاتھ پکڑ کے میدان میں کھڑے ہو جائیں۔ تمام عالمین دیکھ
لیں قاتل کون ہے، مقتول کون ہیں۔ بی بی فرمائیں گی۔ شہدائے۔ اے شہدائے کربلا اپنے اپنے قاتل
پکڑ لو۔ اور پکڑ کر الگ کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ قیامت میں تمام دنیا دیکھ لے۔ حسین اپنے قاتل کو، عباس
اپنے قاتل کو۔ علی اکبر اپنے قاتل کو۔ عون و محمدؑ اپنے قاتلوں کو۔ اسی طرح جملہ شہید اپنے قاتلوں کو
لے کر الگ ہو جائیں گے تو پھر بی بی کہیں گی کہ پروردگارا ایک میرا ایسا بھی شہید ہے جو قاتل کے پکڑنے
کے قابل نہیں ہے۔ وہ چلنے کے بھی قابل نہیں ہے۔ میرا چھ مہینے کا شہید علی اصغر جو قاتل کو پکڑ
کر میدان میں نہیں لا سکتا۔ حکم ہوگا۔ بی بی تم اس کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لو۔ زمین لرز جائے گی۔
ارے یہ وہ بچہ ہے جس کو تیر ظلم سے مارا ظالموں اگر چند گھنٹے اور نہ مارتے تو آپ ہی بھوکا پیاسا مر جاتا
بے زبان شیر خوار مر رہا تھا۔ مارنے کی ضرورت نہ تھی۔ بی بی اس بچے کو دکھائیں گی۔ اور تمام عالمین بلک
کہتے آئیں گے۔ اور سب کہیں گے، قتل الحسین بلا جرم و خطا۔ وہ جو ہماری
آوازیں آج نوحوں، مجلسوں میں بلند ہو رہی ہیں۔ قتل الحسین مظلوما۔ تمام کائنات قبول کرے گی
کہ حسین بے جرم و خطا قتل کئے گئے۔

حضرات میں نے یہ واقعہ پڑھا۔ بس اپنے جذبات کا ایک آخری جذبہ پیش کرتا ہوں: میں
جب یہ واقعہ پڑھا کہ بی بی آئیں گی۔ اور اسوقت پائے عرش کو پکڑیں گی۔ آپ جس وقت تشریف لائیں گی
یہ لفظ ہیں۔ عرش کو پکڑ کر اپنی چادر کو اپنے سر سے ہٹائیں گی۔ تمام میدان حشر ارض و سما میں لرزہ پڑ جائے

اس وقت فیصلہ کرائیں گی۔ کہ فیصلہ کر دے میرے شہیدوں کا۔ تو میں اس کو پڑھ کر گھبرایا بھی۔ میں نے
خدا جانتا ہے۔ ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں۔

سادات کرام اور اے موالیان اہلبیت طاہرین ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں۔ ہر مذہب کی
مگر اسلام کی کسی کتاب میں مجھے ایک حدیث نہیں ملی۔ خدا کی قسم نہیں ملی۔ ایک یہ آواز سب نے لکھی ہے
کہ قیامت میں آواز آئے گی۔ آنکھیں بند کر لو۔ سر جھکا لو۔ سب نے لکھا ہے۔ لیکن مجھے ایک حدیث یا آواز
نہ ملی بہت تلاش کیا۔ خدا کی قسم بہت ڈھونڈھا۔ مگر نہ ملی کہ کسی نے بھی بازارِ کوفہ میں یہ نہیں کہا۔ کہ آنکھیں
بند کر لو۔ سر جھکا لو۔ زینب بنت علی آ رہی ہیں۔ رسول کی بیٹی آ رہی ہے۔ کہیں کسی نے نہیں کہا۔

شامیان بستند بازو زینب و کلثوم را   اے فلک آں ابتلا ایں انتہائے اہلبیت

جس وقت گزر رہی تھیں یہ بی بیاں اپنے اونٹوں پر اور چھوٹے چھوٹے بچے رسیوں میں ہاتھ
بندھے ہوئے اس وقت سہل ابن سعد کہتا ہے۔ کہ میں آیا اور میں نے دیکھا۔ بی بیاں برہنہ سر گذر
رہی ہیں اور ایک سر گھوڑے کی گردن میں لٹکا ہوا ہے۔ تمام سر نیزوں پر، مگر ایک سر گھوڑے کی
گردن میں خولی کا گھوڑا اس کی گردن میں ٹکا ہوا وہ کہتا ہے۔ میں خولی کے پاس گیا اور کہا۔ خولی! یہ کس کا
سر ہے؟ جو گھوڑے کی گردن سے کیوں باندھا ہے۔ یہ کس کا سر ہے۔ جو چاند کی طرح چمک دمک رہا ہے؟
اس نے کہا کہ پیچھے پیچھے ایک ساربان آ رہا ہے مہار پکڑے ہوئے اس سے دریافت کرو۔ جب امام زین
العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے گذرے تو اس نے دریافت کیا کہ یہ گھوڑے کی گردن میں کس کا سر ہے۔
آپ نے فرمایا میرے چچا عباس کا سر ہے۔ کئی مرتبہ نیزے پر رکھا گیا مگر نہیں رکا گر جاتا ہے۔ دریافت کرنے پر
فرمایا کہ میں جب نیزہ پر جاتا ہوں۔ تو زینب و ام کلثوم کے سر برہنہ نظر آتے ہیں میں دیکھ نہیں سکتا میں
نے انتظام پردہ کا وعدہ کیا تھا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) خداوند عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میرے حبیب تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے "فَاتَّبِعُوۡنِیۡ" تم میرا اتباع کرو۔ میری پیروی کرو۔ میرے نقشِ قدم پر چلو۔ اگر ایسا کرو گے تو "یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ" خدا تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا۔ وہ بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی۔ (صلو

پروردگار عالم نے حضور کے اتباع میں توحید کو مضمر رکھا ہے۔ محبتِ خدا ممکن نہیں جب تک خدا کا کوئی امتیازی تصور نہ ہو گا۔ اگر خدا کو پہنچانا ہی نہیں تو پھر اس سے محبت کرنے کے کوئی معنی نہیں جس سے محبت ہو۔ اس کا تعین ہونا چاہیے اور یہ تعین چاہتا ہے امتیاز ماسوا کو یعنی اپنے سوا سے ممتاز ہو جائے۔

کائنات میں جس قدر اس کے غیر ہوں۔ وہ تمام الگ ہو جائیں اور اس کی ذات الگ ممتاز تو یہ ہے معرفتِ خدا معرفت خدا کا مطلب یہ نہیں کہ اُس کی حقیقت کا انکشاف ہو آپ اُسکی ماہیت کو تلاش کریں۔ وہ تو ناممکن ہے۔ بلکہ اُس کی حقیقت تک پہنچنا کیسا اس کی ماہیت کو سمجھنا کیسا۔ اسکے بارے میں صرف اس کا ذکر بھی مشکل ہے۔ اس کے بارے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں

اے خدا! اگر تیرا امر نہ ہوتا۔ کیا امر؟ کہ میرا ذکر کرو۔ اگر یہ تیرا امر نہ ہوتا تو میں تیری ذات کو ذکر سے بلند رکھتا تو ہمارے ذکر سے بلند ہے تیرا ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ تو ذکر سے بالاتر ہے کیونکہ

میں ذکر کروں گا تو ذکر میری مقدار بھر ہو گا۔ تیری مقدار بھر نہیں ہو گا۔ تو ہمارے ذکر سے بالاتر ہے ذکر میں کیا کچھ لایا جائے ہم ذکر کرتے ہیں صرف اس لئے کہ تو نے امر کیا ہے ذکر کرنے کا اسلئے ذکر کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں تو ہمارے ذکر سے بالاتر ہے۔ منزّہ و مُبرّا ہے (صلوٰۃ)

اس کے بعد دوسری عرض پیش کی گئی ہے۔ اے میرے مالک اگر تیرا حکم نہ ہوتا کہ دعا کرو۔ یعنی اگر دُعا کے لئے تیرا امر نہ ہوتا تو مَیں دُعا کرنے کو تیری رضا میں مداخلت سمجھتا۔ اَللّٰہُ اکبر!

اے میرے مالک جو تیری رضا ہے اس پر ہم راضی ہیں۔ جو تو چاہے کر۔ اس رضا میں دعا کر کے میں دخل کیوں دُوں تو جو چاہے کر میں کون دخل دینے والا کہ یا اللہ یہ کر دے۔ وہ کر دے۔ یوں کر دے، یہ دخل ہے تیری رضا میں۔ مَیں یہ مداخلت کبھی نہ کرتا۔ اگر تیرا امر نہ ہوتا کہ مجھ سے دُعا مانگا کرو۔ یہ ہے بلندی و عظمتِ معرفتِ خدا۔ اور یہ تصوّر آئمہ کے سوا آپ کو کہیں نصیب نہ ہو گا۔ (صلوٰۃ)

آپ حضرات معرفتِ توحید کو یوں سمجھیں۔ ایک ہے ماہئیت خدا۔ اور ایک ہے حقیقتِ خُدا ماہئیتِ خدا۔ یعنی اس کی ذات جیسی ہے۔ اُس کا سمجھنا یہ عقول کا کام نہیں ہے۔ میرے مولا امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام ہے "کہ کوئی بلند سے بلند پروازِ فکر اس کی حد تک نہیں پہنچ سکتی۔ کتنے ہی پر پرواز بلند ہوں۔ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اور زیرکی کی انتہائی گہرائیاں اس کی حد تک نہیں جا سکتیں۔ وہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ بلکہ اور صاف کر دیا یہ فرما کہ دعائے مشلول میں میرے مولا نے اللہ کے دربار میں "یَا ھُوَ۔ اے وہ کہ کوئی نہیں جانتا کیا ہے وہ کیسا ہے وہ۔ کہاں ہے وہ کس حیثیت میں ہے وہ۔ مگر جانتا ہے وہ۔ (صلوٰۃ)

یہ ہے میرے مولا کا کلام اور حضور سرکارِ دوجہاں نے دربارِ الٰہی میں یہ عرض کیا ہے "اے میرے مالک ہم نے تجھے نہیں پہنچانا جو پہنچاننے کا حق ہے۔ کیونکہ پہنچاننے کا حق تو یہ ہے کہ کسی چیز

کی حقیقت کا پتہ ہو تیری حقیقت ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم سے حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔

جب آپ حضرات اس مسئلہ کو سمجھ چکے کہ اس کی ذات اور حقیقت و ماہیئت کا علم ناممکن ہے۔ اور اتنا سب کو معلوم ہے کہ خُدا ہے۔ کوئی موجد ہے۔ کوئی بنانے والا ہے۔ یہ فطری چیز ہے۔ فطرت میں ہر ایک کی خدا نے رکھ دیا کہ وہ اقرار کرے کہ کوئی بنانے والا ہے۔ اس کی تخصیص میں یا تعین میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کے تصور میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اب میں قرآن مجید پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں دلیل عقلی پیش کر دوں مگر کیسے پیش کروں ہم سے تو آئمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ تم کبھی بھی اپنے علم کے ذریعہ کسی سے مناظرہ نہ کرنا۔ کیونکہ ممکن ہے تم اپنے علم کے ذریعہ کوئی دلیل پیش کر دیا کوئی ثبوت پیش کرو۔ اور وہ ثبوت غلط ہو جائے۔ کوئی تم سے بڑا عالم اس کو غلط ثابت کر دے۔ تو تم نے ہمیں تکلیف پہنچائی۔ ہماری عظمت پر تم نے عیب لگا دیا۔ چنانچہ روک دیا ہے ہمیں مناظرہ سے۔

ہر ایک کو یہ حق نہیں کہ فتوے دینے لگے۔ مسئلے بیان کرنے لگے سب سے بڑا ظالم وہ ہے جسے مسائل شرعیہ کا علم نہ ہو اور وہ مسائل جو اہلبیت طاہرین کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ وہ ان کو جانتا نہ ہو۔ اور اپنے قیاس سے فتوے دینے شروع کر دے۔ اور ہر ایک چیز بیان کرنے لگے۔ کبھی یہ کہے کہ میرے خیال میں یہ ہوگا کبھی کہے کہ میری عقل میں یہ آتا ہے۔ کہ ایسا ہوگا۔ تو امام فرماتے ہیں۔ کہ اس سے بڑا ظالم دنیا میں کوئی نہیں البتہ ان بزرگواروں کے ذریعہ جو دلائل و حقائق پہنچے ہیں۔ ان کو مناظرہ میں پیش کر سکتا ہے۔ (صلواۃ)

اب میں صرف ایک کلام معصوم کا پیش کرتا ہوں۔ معصوم نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک دہریہ

نے اثبات خدا کی دلیل طلب کی۔ کہ کیا ثبوت ہے کہ اللہ ہے۔ دہریہ بھی منکر خدا نہیں تھا۔ انکار خدا اُس کو بھی نہیں تھا۔ وہ دہر کو موجد مانتا تھا۔ دہر کا قائل تھا۔ کہ یہی ہے۔ بنانے والا تو موجد کو تو مانتا تھا عقل مجبور کرتی تھی کہ کوئی اثر بغیر موثر نہیں ہو سکتا۔ کوئی مصنوع بغیر صانع نہیں ہو سکتا کوئی مخلوق بغیر خالق نہیں ہو سکتا۔

آپ نے فرمایا۔ خود تیرا وجود۔ تو خود آپ دلیل ہے کہ اللہ ہے۔ وہ حیران ہو کر پوچھتا ہے کس طرح؟ تو آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا بتا دے کہ تو نے خود اپنے کو بنایا ہے۔ یا کسی اور نے بنایا ہے؟ تو وہ کہنے لگا۔ کہ کسی اور نے بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا وہ بھی تیری طرح ہے جس نے تجھے بنایا ہے۔ یہ سلسلہ جس پر ختم ہو گا۔ وہ ہے جس کو کسی نے نہیں بنایا۔ اور اس نے سب کو بنایا ہے وہی خدا ہے۔ مخلوق سے خالق۔ مصنوع سے صانع کو پہنچاننا۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔

میں نے اتنے نظائر و امثال پیش کر کے دلائل سے یہ عرض کر دیا۔ کہ خدا کا وجود ماننا ہمارے لئے فطری ہے طبائع میں داخل ہے۔ طبائع کے معنی یہ نہ سمجھیے کہ معاذ اللہ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ کس نوعیت کا ہے؟ یہ محال ہے۔ بس اتنا کہ ہے اس سے زیادہ نہیں۔ (صلواۃ)

چنانچہ اب میں آیتیں پڑھنا شروع کرتا ہوں اور ایک مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ پروردگار عالم سرکارِ دوجہاں صلعم سے فرماتا ہے۔ اے میرے حبیبؐ اگر تم ان لوگوں سے جو کافر ہیں اور بتوں کی پرستش کر رہے ہیں۔ دریافت کرو گے۔ کہ بتاؤ کس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے؟ تو یہ بول اٹھیں گے دفعتہً بول اٹھیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ یہ قرآن فرماتا ہے۔ اور دلائل عقلی کہتے ہیں۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کافر بھی مشرک بھی اس بات کے قائل تھے کہ زمین کا بنانے والا اللہ ہے جس نے آسمانوں زمینوں کو بنایا ہے۔ یہ قرآن مجید کی میں نے آیت پڑھ دی جو مسلمان کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔

لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ۔

(ترجمہ) یعنی اگر اے رسول تم کافروں سے سوال کرو گے۔ کہ زمین و آسمان کو کس نے بنایا تو وہ یقیناً بول اُٹھیں گے۔ کہ اللہ نے بنایا ہے۔ (صلوٰۃ)

جب یہ طے ہو چکا کہ وہ لوگ اللہ کو مانتے تھے۔ خواہ مکہ کے ہوں۔ خواہ مدینہ کے ہوں، خواہ حجاز کے ہوں، خواہ کل دنیا کے اللہ کو مانتے تھے کہ وہی خالق ارض و سماوات ہے تو پھر یہ بتوں کی پرستش کیسی؟ یہ بتوں کو کیوں پوجتے تھے؟ توجہ رکھیئے گا۔

آج یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور ہم پر جو الزامات ہیں ان کا بھی جواب ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ کافر جو بتوں کے پجاری ہیں۔ ان سے دریافت کرو گے کہ کس نے بنایا آسمانوں اور زمینوں کو تو یقیناً یہ کہیں گے اللہ نے! تو پھر وہ بتوں کو خدا نہیں کہتے ہیں۔ انہوں نے بتوں کو کبھی خدا نہیں کہا۔ وہ بھی انسان تھے۔ عاقل بھی تھے۔ ان میں بڑے بڑے ماہر تھے۔ اور خصوصاً شاعر جو فطرت کے مطابق اتنی طویل نظم کہہ گئے جو آبِ زر سے لکھ کر کعبہ میں لٹکائی گئی۔ سبع معلقات جس میں نہایت بلند خیالات۔ اللہ کا اسمیں بھی تذکرہ۔ پھر ان کو کافر کیوں کہا گیا۔؟ وہ ایسے نہ تھے۔ توجہ۔ (صلوٰۃ)

حضرات! یہ نہ تھا کہ خود بنا کر پوجتے تھے۔ نہیں، وہ خدا نہیں مانتے۔ انہوں نے پتھروں سے بنایا۔ تراشا۔ مورتیں بنائیں، اور جہاں رکھ دیا رکھے گئے۔ جس جگہ بٹھایا بیٹھ گئے۔ مگر انہوں نے یہ بت کیوں بنائے؟ کیا وجہ تھی؟ ان بتوں کے تراشنے کی؟ جبکہ ہرگز ان کو خدا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بت، کبھی لکڑی پتھر کبھی تانبہ، سونے چاندی کے یہاں تک کہ تاریخ بتاتی ہے کہ حلوے کے بھی بت بناتے تھے۔ اور جیب میں رکھ لیتے تھے۔ سفر کرتے تھے۔ جیب میں بت ہوتا تھا۔ جب زیادہ بھوک لگی کھا لیتے تھے جب دل چاہا بنا لیا۔ جب چاہا کھا لیا۔ تو وہ ان کو خدا نہیں سمجھتے تھے۔ حلوہ خود بنایا۔ خود پکایا۔ اس کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ میرا خالق ہے۔ اُسے تو آپ بنا رہے ہیں۔ وہ تو خود ان بتوں کے خالق ہیں۔ تو انہوں نے کبھی خدا نہیں کہا۔ قرآن بتا رہا ہے کہ انہوں نے بتوں کو خدا نہیں کہا۔ چونکہ ان کی عادت چلی آ

رہی تھی کہ ایسوں کو مانو کہ جو نہ روکیں نہ ٹوکیں یہ عادت تھی۔ جو چاہو جرم کرو کوئی نہ روکے نہ ٹوکے اور ان بتوں کو بھی عادت تھی۔ کہ جہاں بٹھا دو بیٹھ گئے جہاں رکھ دیئے گئے۔ رکھ گئے۔ ان کو خاموش رہنے کی عادت تھی۔ اگر انہیں میدان جنگ میں رکھ دیتے تو بت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے مگر بھاگتے نہیں۔ بتوں کی بھی عادت تھی۔ اور ان کی بھی عادت تھی۔ ایسوں کو مانوں کہ نہ روکیں نہ ٹوکیں۔

سرکار دو جہاں صلعم نے اِس عادت کو بدلوایا۔ اور بدلوا کے رہے۔ اپنی زندگی میں سب کچھ سمجھاتے رہے۔ کہ یہ عادتیں الگ ہو جائیں۔ حضور نے اس عادت کو چھڑایا زندگی بھر چھڑایا۔ مگر حضور دنیا سے جانے لگے تو فرمایا۔ دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک اللہ کی کتاب۔ دوسری اہلبیتی عترتی۔ دو چیزیں قرآن و اہلبیت۔ کتاب اللہ خاموش بولتی نہیں۔ ٹوکتی نہیں، روکتی نہیں، کچھ نہیں کہتی، پھینک دو نہیں بولتی نیزے پر چڑھا دو نہیں بولتی، آگ میں جلا دو نہیں بولتی جو چاہو کرو نہیں بولتی۔ تو جن کی عادت تھی۔ کہ پیشوا اس کو بناؤ جو نہ بولے، نہ روکے، نہ ٹوکے، وہ کتاب اللہ لیکر الگ چلے گئے۔ اہلبیت کو چھوڑ گئے اور اہلبیت، یہ اہلبیت تو بولتے ہیں، روکتے ہیں۔ ٹوکتے ہیں، یہ یقیناً بولیں گے، روکیں گے ٹوکیں گے، تو جن کی عادت تھی تعمیل حکم کرنا انہوں نے کتاب اللہ بھی لے لی اور اہلبیت کو بھی، اہلبیت روکنے، ٹوکنے اور بولنے والے تھے۔ ان کو مع قرآن کے جنہوں نے لیا وہ حکم خدا اور رسول کے ماننے والے تھے۔ کہ ان کے حکم پر چلیں گے۔ حضور صلعم مقام اہلبیت بتا کر چلے گئے کہ اہلبیت، کتاب اللہ کے ساتھ ہیں (صلوٰۃ)

توجہ رکھیئے گا۔ مَیں نے حدیث پڑھ دی۔ اُسی صحت کیساتھ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ثقلین، ثقل کے معنی وزنی چیز، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے اہلبیت ثقلین ہیں ثقلین تثنیہ ہے ثقل کا یعنی وزنی چیز۔ ثقلین یعنی دو وزنی چیزیں، جب دونوں کا وزن برابر ہو، تثنیہ جانتے ہو کیا ہے رَجُلین، ایک رَجُل یعنی مرد۔ جب رَجُلین کہیں دو مرد۔ تو ثقلین دو وزنی چیزیں

اور جب دونوں کو وزنی کہا تو قرآن کا بھی وزن دیکھیے اور اہلبیت کا وزن دیکھیے۔ دونوں کا وزن بتایا۔ یہ بھی بھاری۔ وہ بھی بھاری۔ یہ کتنی بھاری؛ اللہ فرماتا ہے۔ اگر ہم قرآن کو نازل کر دیتے پہاڑ پر تو تم دیکھتے کہ پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ جاتے۔ اس میں طاقت نہیں ہے کہ کتاب اللہ کو برداشت کر سکے اتنا وزن ہے۔ تم دیکھتے کہ ڈرتا بھی ہوتا اور ٹکڑے ہو ہو کے اس کو برداشت نہ کرتا۔ تو یہ ہے قرآن۔ یہ جو قرآن ہم نے لکھا، ہمارا چھاپا ہوا یہ پچاسوں رکھ دیجیے پہاڑ پر جتنے چاہے رکھیے نہ پہاڑ ٹوٹے گا نہ اس میں لرزہ پیدا ہو گا!

وہ کونسا قرآن ہے کہ وہ اگر آتا پہاڑ پر تو پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ وہ یہ قرآن نہیں ہے، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس کو آپ حفظ کر لیتے ہیں، سینوں سے لگا رہے ہیں۔ گلے میں لٹکا رہے ہیں مسجدوں میں رکھا ہے، جھوٹی قسم کھانے کے لیے سر پر اٹھا لیتے ہیں، اور عدالتوں میں حلف کے واقعات و مناظر دیکھنے میں آتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ وہ قرآن نہیں آپ پچاس ہزار قرآن کی جلدیں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رکھ دیجیے کچھ بھی اثر نہ ہو گا۔ معلوم ہوا کوئی اور قرآن ہے۔ جس کے لئے خدا کہتا ہے کہ ہم اگر پہاڑ پر اتار دیتے تو جبل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، کانپنے لگتا، ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

تو یہ قرآن کہاں اُترا؟ پہاڑ پر تو اُتر نہیں سکتا۔ وہ تو ٹکڑے ہو جاتا۔ اللہ فرماتا ہے۔ اے محمدؐ! وہ قرآن تمہارے دل پر اُترا۔ اور دل کے ٹکڑے نہیں ہوئے۔ اگر پہاڑ پر آجائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور حضورؐ کے دل پر آگیا۔ کوئی لرزہ نہیں، کوئی اثر نہیں، تو ماننا پڑے گا۔ پہاڑ طاقت نہیں رکھتا اس قرآن کے وزن کی جو اسمیں وزن۔ اور اس وزن اور ثقل کی طاقت حضور صلعم کے دل میں ہے۔ حضور کے دل نے اٹھا لیا۔ کوئی اثر نہ ہوا تو وہ قرآن کیا ہے۔ جس کے ساتھ اہلبیت ہیں؟ یہ تو وہ قرآن نہیں ہے۔ یہ قرآن تو نقل ہے۔ اور یہ

نقل ہم نے حضورؐ سے لی ہم نے وہ قرآن سنا جو حضور کے دل میں تھا۔ حضور نے وہ قرآن سنایا۔ ہم نے سُن سُن کر لکھ لیا۔ لکھتے چلے آئے آج تک۔ لکھتے ہیں نقل در نقل۔

اصل قرآن حضورؐ کے دل میں ہے اللہ نے جو کہا ہے ہم نے اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو کیا اس قرآن کی جو ہم نے نقل کیا؟ اگر یہ قرآن وہ ہوتا تو نہ اس کو کوئی جلا سکتا، نہ پھاڑ سکتا، نہ نیزے پر چڑھایا جاتا۔ نہ جھوٹی قسم کھائی جا سکتی تھی، نہ کیڑے کھا سکتے۔ اگر اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کیا ہوتا۔؟

اللہ کی حفاظت میں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس قرآن کی کاپی ہے نقل ہے جو حضورؐ پر اُترا۔ جو پڑھا گیا اور سُنکر لکھا گیا۔ بعینہٖ یہ وہ نہیں۔ اس کی کاپی یعنی نقل ہے نقل۔ وہ اصل ہے جو حضور صلعم کے سینے میں تھا۔ اُس کی نقل آج تک ہمارے ہاتھوں میں ہے ہم پڑھ رہے ہیں۔ مگر اس نقل کو بھی جب ہم لکھ چکے تو حکم آتا ہے۔ دیکھو! یہ جو تم نے لکھ لیا ہے۔ کوئی اس کو بغیر طہارت ہاتھ نہ لگائے چھوئے نہ۔ بغیر وضو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ وضو کر کے ہاتھ لگاؤ، حرفوں کو مُنہ سے چُوم لو۔ آنکھوں سے لگائیں۔ سر پر رکھیں۔ لیکن قدم نہ لگائیں۔ اگر قدم رکھ دیا تو کافر ہو جائیں گے۔ حالانکہ لکھا ہم نے، قلم ہم نے بنایا۔ کاغذ ہم نے بنایا۔ تحریر ہم نے کیا، پریس ہم نے بنایا، پتھر پر کاپی ہم نے جمائی، مشین ہم نے بنائی اور چلائی، مشین سے ہم نے چھاپا۔ اور جب چھپکر تیار ہوا۔ اور ہم نے جلد باندھ لی۔ تو ہمیں آواز دی۔ کہ دیکھو ہمیں نہ چھونا اور اگر چھونا چاہتے ہو تو جاؤ وضو کر کے آؤ اور بوسہ دو۔ آنکھوں سے لگاؤ ہاتھوں سے اٹھاؤ۔ مگر قدم نہ لگانا۔ پیروں سے نہ روندنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔ یہ نقل کے لئے کہتا ہے یہ ہمیں حکم دیا جا رہا ہے نقل کے لئے۔ اور جو خدا نے لکھا قلبِ

رسول پر تمام جسم پر قرآن ہی قرآن چنانچہ تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسول اللہ قرآن کی آیت۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ۔ یہ بھی آیت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہ بھی آیت، محمدٌ رسول اللہ یہ بھی آیت۔ اللہ نے یہ آیتیں خود لکھیں قلمِ نور سے جسدِ رسول پر۔ دوشِ رسول پر۔ دونوں کاندھوں پر لکھیں۔ مُہر بن گئی نبوت کی بجائے کاغذ، دوشِ رسول اُس پر لکھی ہوئی آیات اور حضور حکم دیتے ہیں۔ کہ اے علیؑ قدم رکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ (صلواۃ)

سرکارِ دوجہاں صلعم فرما رہے ہیں کہ اے علی تم قدم رکھ کے کھڑے ہو جاؤ۔ اور علیؑ نے اصل پر قدم رکھے۔ اس پر جو اصل ہے جس کا کاتب خدا، قلم نور، وہاں علیؑ کو حکم کہ قدم رکھ کے کھڑے ہو جاؤ۔ اور جب علی دوشِ رسول پر قدم رکھ کر کھڑے ہوئے تمام مسلمانوں نے لکھا ہے کہ علی نے دوشِ رسول پر چڑھ کر اوپر کے بتوں کو جہاں ہاتھ نہیں جا سکتا تھا توڑا۔ بتوں کے توڑنے کا یہ تو سامنے کا فوٹو تھا حضور کھڑے ہیں۔ علی دوش پر بت توڑ رہے ہیں۔ یہ سب نے لکھ دیا۔ کوئی انکار نہ کر سکا۔

جب حضور نے فرمایا کہ اے علی آؤ اور تم دوش پر سوار ہو کر ان بتوں کو توڑ دو تو کچھ حضرات جن کے قد ذرا طویل تھے۔ لمبے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے بہت آسان ہے کہ ہم ایک دوسرے کے کاندھوں پر چڑھ کے بُت توڑ دیں۔ حضور نے فرمایا۔ وہ نہیں توڑ سکتا جو ان کو پُوج چکا ہو۔ جو ان کو پوجتا رہا وہ ان کو نہیں توڑ سکتا یہ تو حضور ہی بتائیں۔ کیوں نہیں توڑ سکتا۔ حضور جانتے ہیں۔ کہ شاید ان کو خیال آ جائے کہ یہ تو وہی ہیں جن کی ہم پرستش کرتے تھے۔ ہاتھ ہی نہ پڑے، توڑ ہی نہ سکیں۔

چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں، علی تم آؤ اور دوش پر قدم رکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ حضور فرماتے ہیں۔ اے علیؑ! آج تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ علیؑ نے کہا یا رسول اللہ میں اپنے کو اتنا

بلند پاتا ہوں کہ چاہوں تو عرش کو پکڑ لوں۔ یہ علیؑ نے کہا۔ اب اِسی واقعہ کو بعض نے اس نظریہ سے دیکھا کہ اتنی بلندی پر جب چلے گئے کہ کہتے ہیں کہ عرش کو چھو لوں تو جب نیچے اُترے تو چوٹ نہ لگی؟ تو کسی نے حضور سے پوچھ ہی لیا۔ کہ اتنی بلندی سے اترے چوٹ نہیں لگی۔ حضور نے ایک ہی جملہ کہا۔ چڑھایا میں نے تھا۔ اُتارا جبریلؑ نے۔ جبریلؑ نے کیوں اتارا؟ وجہ یہ ہے کہ وہ ملک تجویز کیا گیا علیؑ کو لیکر اتارنے کے لئے کہ جو قرآن لے کر اُترا۔ دونوں کا ثقل برابر کوئی اٹھا نہ سکتا تھا جس طرح قرآن لے کر آئے۔ اتنا وزنی کہ پہاڑ پر آئے تو ٹکڑے ہو جائے۔ ثقلین ہیں نا۔ دونوں ہم وزن۔ (صلواۃ)

کتاب روضۃ الاحباب علامہ جمال الدین محدث کی اس کتاب کی سند پیش کرتا ہوں حضرت امام المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی نے اپنی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشری میں اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ کتاب صحیح اور معتبر ہے۔ جس کا حوالہ میں پڑھ رہا ہوں۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ کتاب کا نام روضۃ الاحباب ہے۔

جب حضور نے حکم دیا اور علی بُت توڑنے لگے اور پھینکنے لگے۔ حضور نے فرمایا "یا علیؑ خوشا حالِ تو کہ کارِ حق می کُنی۔ و خوشا حالِ من کہ بارِ حق می کشم" (ترجمہ) یا علیؑ تمہارا کیا کہنا حق کا کام کر رہے ہو۔ اور میرا کیا کہنا کہ حق کا بوجھ اٹھا رہا ہوں۔

جب امام شافعیؒ نے ایک قصیدہ لکھا ہے اس میں ایک بہترین شعر ہے جس کو میں پڑھتا ہوں "علی قدم رکھے ہوئے تھے، علی اپنے دونوں قدم کس جگہ، ایسی جگہ، ایسے محل میں کہاں رکھے ہوئے تھے، علی اس جگہ آج قدم رکھے ہوئے ہیں۔ جہاں شبِ معراج خدا نے اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وَعَلِیٌّ وَاضِعٌ اَقْدَامَہٗ فِیْ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰہُ یَدَہٗ۔ یہ ہے امام شافعی کا کلام۔ ایک تعجب نظر آ رہا ہے، کہ علی اُس جگہ قدم رکھے ہوئے تھے کہ جہاں شبِ معراج خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ تو میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اے امام شافعیؒ مبارک ہو۔ (صلواۃ)

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعریف لکھی۔ مگر ہم نے ہاتھ اور قدم کو پہنچانا اور اللہ کے قدم اور ہاتھ کو پہچانا۔ جب اللہ کے ہاتھ، انگلیاں، گوشت پوست نہیں تو ہم تو اللہ کا ایسا ہاتھ نہیں مانتے بلکہ ایک ہی ہستی کو مانتے ہیں۔ جب ادھر گیا ہاتھ بن گیا خدا کا۔ اور دوش رسول پر قدم رکھ دیا قدم بن گیا اس ہستی کو یداللہ کہتا ہوں۔ کبھی ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ شب معراج، کبھی کعبہ میں قدم رکھ دیتا ہے

(حضرات اب گذارش کروں گا۔ ذرا ایک محبت بھری صلوٰۃ پڑھ لیجئے)

ایک ایرانی شاعر کہتا ہے۔ (شعر)

آنی تو کہ معراج تو بالاتر شد یک قامت احمدی ز معراجِ نبی،

تو وہ ہستی ہے اے علیؑ! کہ تیری معراج۔ نبی کی معراج سے احمد کے قد کے برابر زیادہ بلند ہو گئی۔ جتنا نبی کا قد ہے۔ اتنی تیری معراج بلند ہے کہ حضور کے یہ شانے جہاں تک بلند ہیں۔ تیری معراج وہاں تک بلند ہے۔ کیونکہ تو نبی کے شانے کے اوپر ہے۔ (صلوٰۃ)

جناب شیخ سلیمان حنفی بلخی قندوزی فرماتے ہیں۔ کہ جس کو معصوم اپنے دوش پر ان لکھی ہوئی آیتوں پر اٹھا لے وہ معصوم ہو گا۔ کیونکہ کوئی گناہگار جس کی روح نجس ہو وہ ان آیتوں پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ حضور نے سب کو اٹھایا۔ علیؑ کو اٹھایا بت شکنی کے لئے۔ خاتون قیامت کو اٹھایا حسنؑ، حسینؑ کو اٹھایا۔ کبھی کاندھے پر اٹھا کر مسجد تک لائے، بازار تک لے گئے۔ سب کو اٹھایا مگر حسینؑ کو جیسا اٹھایا ایسا کسی کو نہیں اٹھایا۔

حسین کو کب اٹھایا؟ خاتم النبیینؐ آخری رکن سجدے میں تھے۔ اول نماز، پھر نماز میں درجات ہیں۔ قیام سے افضل رکوع، رکوع سے افضل سجود، خدا فرماتا ہے۔ کہ جب میرا بندہ سجدہ میں جا کر مجھ سے دعا کرتا ہے۔ تو میں ضرور قبول کرتا ہوں۔ بندہ کہتا ہے۔ اے مالک اب میں اس سے زیادہ کیا جھکوں میں تو زمین پر پڑا ہوں۔ اس سے زیادہ کوئی نیچا ہو ہی نہیں سکتا۔ اپنے کو

زیادہ پست کر نہیں سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ سجدے کا مقام افضل ترین مقام ہے۔ وہاں حسینؑ آ گئے اور پشت پر سوار ہیں۔ حضورؐ اٹھائے ہوئے ہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهٖ۔ تین مرتبہ کہہ چکے۔ حسینؑ ابھی پشت پر ہیں۔ حضور نے ارادہ کیا سر اٹھانے کا۔ جبریلؑ آئے، بازو پکڑا اور کہا۔ اے اللہ کے حبیب! اسی طرح اپنی جگہ پر رہو۔ سجدے سے سر نہ اٹھانا۔ جب تک حسینؑ خود سے اتر نہ جائیں۔ حتیٰ کہ حضور سرکار دو جہاں صلعم نے ستر۷۰ مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهٖ کہا۔ ستر مرتبہ کہہ چکے، اکہتر۷۱ مرتبہ کہہ رہے تھے کہ حسینؑ اتر گئے۔ تب رسول نے سر اٹھایا۔

معلوم نہیں اکہتر۷۱ اور بہتر۷۲ کا لفظ کیوں حسینؑ کو پسند تھا؟ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ اکہتر۷۱ لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لائیں گے۔ اور بہترویں۷۲ خود ہوں گے۔ کوئی لاش اٹھا نہ سکے گا۔ پروردگار عالم کو اتنا پسند آیا۔ اللہ نے حضور کو بتا دیا کہ یہ وہی سجدہ دینے والا ہے۔ جلتی ریت پر اپنی زخمی پیشانی رکھے گا۔ نماز کی اہمیت کو بتائے گا۔ ایک طرف بچے آوازیں دے رہے ہیں اَلْعَطَش، اَلْعَطَش، مولا پانی، مولا پانی پیاس نے ہمیں ہلاک کر دیا ہے۔ پیاس نے مار دیا۔ یہ حالت ہو رہی ہے۔ مائیں بچوں کو بہلا رہی ہیں۔ بچے سکون میں نہیں آتے۔ بچے تڑپ رہے ہیں پیاس کی وجہ سے۔ حضرات!

یہ تمام بچے جو پانی مانگ رہے تھے۔ میں نے ان کی حالت، ان کے واقعات پر گہری نظر ڈال کر دیکھا چھیالیس۴۶ بچے تھے۔ حسین سے بار بار پانی مانگنے آتے تھے۔ کبھی خالی کوزے لیکر سکینہ کے پاس آتے تھے۔ ہمیں پانی منگوا دو۔ تم اپنے چچا جان سے منگوا دو۔ تمہارے چچا ہمیں پانی لا کر پلا دیں۔ یہ چھیالیس۴۶ بچے آتے تھے۔ پانی مانگتے تھے۔ کچھ اہلبیت کے بچے، کچھ اصحاب حسین کے بچے، کوئی کہتا تھا ان بچوں میں بابا پانی، کوئی کہتا تھا ماموں پانی۔ کوئی کہتا تھا چچا پانی، کوئی کہتا مولا پانی، یہ بچے پانی مانگتے تھے۔

اے بچو! آج ہم تمہیں یاد کر رہے ہیں۔ رو رہے ہیں۔

جب تک حسین زندہ رہے۔ بچے آتے رہے، پانی مانگتے رہے، لیکن جب ان بچوں نے آواز سن لی: "اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْن" ہائے حسین قتل ہوگئے۔ پھر ان بچوں نے کبھی پانی نہیں مانگا پیاسے مر گئے۔ اونٹوں سے گر کر مر گئے مگر پانی کا نام نہ لیا۔

کیا کہنا تمہارا بچو! اے چھوٹے چھوٹے بچو! تم نے کمال کر دیا۔ اور وہی تو بچے تھے جو حسینؑ کے ساتھ تھے۔ اور خیموں میں مائیں ان کو تیار کرتی تھیں۔ تیار کر کے بھیجتی تھیں۔ ان میں سے ایک بچہ حضرت قاسم ابن حسن تیرہ سال کا یتیم بچہ گریبان پھٹا ہوا جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا کھڑا تھا حسین لشکر کی صف بندی کر رہے ہیں۔ یہ بچہ کھڑا ہوا ہے۔ سب سے پہلے علم لا کر بیچ میں گاڑ دیا عباس کو بلایا۔ یہ علم ہے لو عباس آ گئے علم لے کر کھڑے ہو گئے۔ پھر بلایا علی اکبر آؤ اپنے چچا کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ اے زہیر قین آؤ۔ تم عباس کے دوسرے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ۔ ایک اہلبیت سے بلایا ایک اصحاب سے بلا کر صف بنا دی، صف مکمل بن چکی لیکن حسن کے لال کو نہ بلایا۔ اس یتیم کو نہ بلایا قاسم دیکھ رہے ہیں۔ صف بندی ختم ہوگئی مقامات بتا دیئے گئے۔ تم اس جگہ کھڑے ہوگے۔ تم اس جگہ کھڑے ہوگے۔ آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے چچا کے پاس آئے اور اپنے چچا کے دونوں ہاتھوں کو چومنے لگے۔ چوم کر کہا چچا جان کیا شہیدوں میں میرا نام نہیں ہے۔ اے چچا جان کیا شہیدوں کی فہرست میں میرا نام نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یَا بُنَیَّ اِنِّی اُحِبُّکَ! یا قاسم! اے بیٹا تو مجھے بہت پیارا ہے۔ میرے بھائی کی نشانی ہے۔ تجھ سے مجھے بیحد محبت ہے۔ قاسم عرض کرنے لگے۔ کیا شہیدوں میں میرا نام نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا تجھے دیکھ کر مجھے اپنا بھائی حسن یاد آجاتا ہے۔ اُس بچے نے بازو سے ایک تعویز کھولا اور کہا: اے چچا جان! یہ پڑھ لو۔ میرے بابا لکھ کر دے گئے ہیں۔ کہ جب تیرے چچا پر مصیبت کا وقت آئے تو میری طرف سے جان دے دینا۔ اگر میں زندہ ہوتا۔ تو میں اپنے بھائی کی مدد کرتا اب تو میرے بجائے ہے اے قاسم تم اپنی جان دینا۔ پھر شہزادہ پوچھتا ہے۔ چچا جان مجھے جلدی بتا دیجئے کیا میرا نام شہیدوں میں نہیں

ہے۔ امام نے بوسہ دیکر سینے سے لگا لیا۔ اور فرمایا۔ اے بیٹا تیرا نام بھی شہیدوں میں ہے اور علی اصغر کا بھی نام ہے۔ جب یہ لفظ سنا۔ کہ علیؑ اصغر کا نام بھی ہے۔ تو اتنا سنکر قاسم نے کہا۔ اے چچا جان کیا علی اصغر کا بھی نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں بیٹا علی اصغر کا بھی نام ہے تو ایک مرتبہ قاسم اپنے چچا کا بازو پکڑ کر ہلا کر کہتے ہیں۔ کیا ظالم لوگ خیمے کے اندر آ جائیں گے؟ ہائے علیؑ اصغر کا نام شہیدوں میں۔ ارے چچا جان علی اصغر اس قابل نہیں کہ لڑنے جائیں۔

قاسم کو معلوم نہیں کہ یہ بی بیاں ابھی درباروں میں، بازاروں میں بھی ننگے سر جائیں گی۔ ان بی بیوں کے متعلق نہیں جانتے کہ ان کے ہاتھوں میں رسیاں باندھی جائیں گی۔ اور یہ درباروں میں بے مقنع و چادر اسیر ہو کر خطبے بھی پڑھیں گی۔

قاسم کو یہ علم نہیں کہ درباروں میں کھڑے کھڑے تھک جائیں گی۔ اور سکینہ بار بار اُٹھے گی بیٹھے گی۔ اور یہ ظالم شراب و کباب میں مست ہوں گے۔ بچی تھک کر کھڑی ہوتی ہے۔ پھر بیٹھتی ہے۔ یزید پوچھتا ہے۔ اے سکینہ! تم چھوٹی ہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ تم بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر کھڑی ہوگئیں۔ پھر بیٹھ گئیں۔ یزید کی پھر نگاہ پڑی تو کہا میں نے تو کہا تھا تم بیٹھ جاؤ۔ پھر کھڑی ہوگئیں، پھر تھوڑی دیر بیٹھیں پھر کھڑی ہوگئیں۔ یزید نے پھر دیکھا تو کہا تم بار بار کیوں کھڑی ہوتی ہو؟

آپ نے فرمایا اے یزید! تو نہیں دیکھتا کہ میں کس طرح بیٹھوں۔ جو رسی میرے گلے میں بندھی ہے وہی رسی میرے بھائی، بیمار بھائی زین العابدینؑ کے گلے میں بندھی ہے۔ جب میں بیٹھتی ہوں تو میرے بھائی، زین العابدینؑ کو جھکنا پڑتا ہے۔ ہائے میرے بھائی کو جھکنا پڑتا ہے۔ سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس رسی کو نکال دے۔ ہائے مجھے اٹھنا پڑتا ہے تو میرے بیمار بھائی کو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک رسن ہے۔ اور آلِ رسولؐ کے گلے سختی سے باندھے گئے ہیں۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) ارشاد رب العزت ہے۔ اے رسول تم اعلان کر دو یعنی یہ کہہ دو لوگوں سے یہ ہماری طرف کا بیان ہے۔ تمہاری بات نہیں ہے۔ کیا کہہ دو۔ اے لوگوں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ بس تم میرا اتباع کرو یعنی میرے نقش قدم پر چلو۔ اگر ایسا تم کر لوگے۔ تو خود اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ وہ بخشنے والا بھی ہے۔ اور رحمت والا بھی۔ (صلواۃ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا ذریعہ حضور کو قرار دیا ہے۔ یعنی اتباع رسول ہی دلیلِ محبت خدا ہے۔ حضرات ایک ہے اثباتِ خدا۔ اور ایک ہے معرفت خدا یہ دو موضوع جدا جدا ہیں۔ اثباتِ خدا۔ یعنی کوئی موجد ہے۔ کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی خلقت میں یعنی پیدائش میں یہ مفہوم رکھ دیا ہے۔ کہ جو بھی مخلوق ہے۔ وہ اپنے موجد کا معترف ہے۔ ارشاد خدا ہے۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ـ

(پ۳۔ آیت ۸۳۔ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) سب کے سب اسی کی قدرتِ قاہرہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ خواہ آسمان والے ہوں۔ خواہ زمین والے۔ اسی طرح ارشاد رب العزت ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ

(پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴)

(ترجمہ) ہر ایک شئے اُس کی تسبیح کرتی ہے۔ کوئی ہو جس کو شئے کہہ سکیں۔ وہ تسبیح کرتی ہے ہر ایک آسمان و زمین والے۔ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

نیز ارشاد رب العزت ہے۔

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (سورہ نور پ ۱۸۔ آیت ۴۲)

(ترجمہ) جتنے پرندے اڑ رہے ہیں۔ تمام پرندے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ ان پرندوں کو اپنی نماز کا بھی علم ہے۔ اور اپنی اپنی تسبیح کا بھی۔

قرآن مجید یہ بتا رہا ہے۔ کہ یہ فطرت ہے۔ جیسا کہ کل میں نے عرض کیا تھا۔ آج اس کے ثبوت میں دو تین آیات پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک فطرت ہے۔ کہ موجد ہمارا ایک خدا ہے جس نے ہمیں بنایا۔ یہ تو ہے اثبات توحید۔ جو فطری چیز ہے۔ جو فطرت کی طرف سے تخلیق میں ودیعت کی گئی ہے تو پھر انبیاء کیوں تشریف لائے؟ یہ موضوع میں نے کل شروع کیا تھا۔ کہ تمام کافر جن کو خداوند تعالیٰ نے حضور کا مخاطب قرار دیکر یوں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (سورہ لقمان آیت ۲۵۔ پ ۲۱)

(ترجمہ) اے میرے حبیب اگر تم ان سے سوال کرو گے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ تو یہ بے دھڑک دفعتاً بول اُٹھیں گے کہ اللہ نے۔ تو اب اللہ کو یہ مانتے ہیں۔ یہ اپنے بنائے ہوئے بت جن کو انہوں نے چاندی، سونے، پتھر، دھات، مٹی وغیرہ سے تراش کر بنایا ہے۔ ان بتوں کو وہ خدا نہیں کہتے۔ قطعاً نہیں کہتے۔ قرآن مجید نے بتا دیا کہ وہ عقل رکھتے تھے۔ بڑے بڑے قابل ادیب و بلیغ ان میں تھے۔ انہوں نے جب بتوں کو خدا نہیں کہا۔ تو پھر خدا نے اُنہیں

مشرک وکافر کیوں گردانا؟

اب یہ ایک سوال ہے۔ یہ کل رہ گیا تھا۔ آج اس کو پیش کر رہا ہوں۔ جب انہوں نے بتوں کو خدا کہا ہی نہیں بلکہ خود بنایا ہے۔ حتیٰ کہ حلوے تک کے بت بنائے تھے۔ جو جیب میں رکھتے تھے جب بھوک لگی کھا لیا۔ تو کیا وہ ان کو خدا سمجھ کر کھاتے تھے۔ اگر ان کافروں اور مشرکوں سے دریافت کیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (پ ۲۳۔ سورہ زمر آیت ۳)

(ترجمہ) جن لوگوں نے اللہ کے سوا کو اپنا سرپرست بنا لیا۔ یعنی تصور خدا اور محبت خدا میں بت بنا لئے تھے۔ لیکن بغیر اللہ کی مرضی کے یہ کیوں ان کو بناتے ہیں۔ کس لئے ان بتوں کو انہوں نے مانا۔ تعظیم کی اکرام کیا۔ ان کے سامنے دستِ ادب باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کو معظم ومکرم سمجھتے ہیں۔ بتوں کو خدا مان کر نہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی تعظیم وعبادت اس لئے کرتے ہیں۔ کہ یہ بت اللہ کا تقرب حاصل کرا دیں۔ یعنی ان کے ذریعے سے خدا کے نزدیک ہو جائیں۔ یہ ہمیں اللہ تک پہنچا دیں۔ یعنی ان بتوں کو وہ اس لئے معظم ومکرم سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بت اللہ کے تقرب کا وسیلہ ہیں۔ اللہ نہیں سمجھتے بلکہ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (سورہ زمر)

(ترجمہ) قربت خدا کی چاہتے ہیں۔ ان بتوں کے ذریعے اور ان کی جتنی تعظیم وتکریم ہے وہ قُرْبَةً اِلَى اللّٰهِ ہے وہ کہتے ہیں کہ اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا سے نزدیک کر دیں یہ لوگ قربتِ خدا چاہتے ہیں۔ ان بتوں کے ذریعے اللہ پاک کی نزدیکی چاہتے ہیں۔ کافروں نے ان کو خدا تسلیم نہیں کیا۔ یعنی درجہ الوہیت نہیں دیا۔ بلکہ وسیلۂ تقربِ خدا سمجھا۔ اور اسی ذریعے کے لئے وہ کچھ تصویریں یعنی مجسّمے اس قسم کے بنا لیتے تھے۔ کہ یہ بت اس شکل والا رزق زیادہ کراتا

ہے اس کو رزق کا وسیلہ بناؤ اللہ تک پہنچنے کے لئے۔ اور کسی کو اولاد کے لئے وسیلہ بنایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر ان کو اللہ نے کافر ومشرک کیوں کہا۔ جب وہ خدا انہیں مانتے۔ بلکہ وسیلہ تقربِ خدا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس مسئلہ کو حل فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (پ ۲۰ سورہ قصص آیت ۶۸)

(ترجمہ) اے میرے حبیب تیرا رب جس کو چاہے پیدا کرے۔ اور چن لے۔ خود پیدا کرے خود چنے جس کو چاہے۔ ان کو اختیار نہیں ہے۔ یعنی لوگوں کو اختیار نہیں دیا ہے سبحان اللہ (صلوٰۃ) اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ اور اللہ ان کے شرک سے بلند ہے۔ (صلواۃ)

معلوم ہوا کہ اللہ کی نظر میں یہ شرک تھا۔ کہ وسیلہ خود بنائیں۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ تو حق میرا ہے کہ جس کو چاہوں پیدا کر کے چن لوں۔ یہ میرا حق ہے۔ ان کو کیا حق ہے۔ کہ یہ چن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ اس شرک سے بلند ہے۔ یعنی ان لوگوں کے شرک سے وہ مبرا ومنزہ ہے۔ (صلواۃ)

معلوم ہوا کہ نظرِ قدرت میں خدا تک پہنچنے کا خود وسیلہ بنانا شرک ہے۔ خود وسیلہ بنانا اور تقرب کا ذریعہ سمجھ لینا۔ اس کو خدا نے شرک کہا ہے۔ کیونکہ جس کا وسیلہ تم بناتے ہو۔ اس کو تم جانتے نہیں۔ اس کی ذات سے تم واقف نہیں۔ تو جس کے لئے وسیلہ بنا رہے ہو جب اس کی معرفت ہی نہیں تو وسیلہ کیسے بناؤ گے تمہیں وسیلہ مقرر کرنے کا حق تو تب ہو سکتا جب اس کی صحیح معرفت ہوتی اور معرفت کے بعد اس میں اتنی قابلیت ہوتی کہ وہ صحیح معرفت کرا سکے۔ اسی لئے اللہ نے اپنی معرفت کے لئے خود رسائل پیدا کئے۔ اور ہر وسیلہ کی تصدیق کے

لئے کمالات مافوق طاقت بشر عطا کئے۔ اور فرمایا۔ اس کا قول میرا قول ہے۔ اس کا فعل میرا فعل ہے۔ اس کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ اس کی بیعت میری بیعت ہے۔ تو جب تک اس وسیلے کے افعال۔ افعالِ خدانہ کہلائیں تو وہ وسیلہ نہیں بن سکتا۔ (صلواۃ)

ہمارے چُنے ہوؤں کے افعال بھلا افعال خدا کیسے ہوں گے۔ جن کو ہم نے چن لیا ہے ان کا کوئی قول و فعل خداوند عالم کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کا وسیلہ اس کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ (صلواۃ)

لہذا وسیلہ وہ ہوگا۔ کہ جس کو خود ہی خدا پیدا کر کے چن لے گا۔ یہی مقصد اس حدیث کا ہے۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ أُعْرَفَ۔

(ترجمہ) میں ایک پنہاں خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میری معرفت ہو۔ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے خاص مخلوق کو خلق کیا۔ تاکہ میں پہچانا جاؤں۔

اب جن کو خدا اپنی معرفت کا وسیلہ قرار دے گا۔ اس وسیلہ کی معرفت بھی کرانا خدا پر فرض ہے تاکہ اس کے ذریعے سے پہچانا جائے۔ اور اس میں ایسے کمالات ودیعت فرمائے کہ وہ ثبوت وسیلہ بن سکیں۔ اور دنیا کو یہ معلوم ہو سکے۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے وسیلہ ہے۔ اور اگر اس میں وہ کمالات نہیں۔ ایسی خصوصیات ہی نہیں جو وسیلے میں ضروری ہیں۔ تو جب وسیلے میں ایسی خصوصیات نہ ہونگی تو وسیلہ کی معرفت کیسے ہوگی اور جب وسیلہ کی معرفت نہ ہوگی تو خدا کی معرفت ممکن ہی نہیں لہذا وسیلہ میں خصوصیات الٰہی ہونا چاہیں: تاکہ ان خصوصیات کی وجہ سے وسیلے کی پہچان ہو۔ اور خدا کی معرفت ان کے ذریعے سے بالکل آسان ہوگی۔ اور یہی حضور نے فرمایا ہے۔

اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَ عِتْرَتِيْ اَهْلَبَيْتِيْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ

بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِيْ وَ اِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔

(ترجمہ) بے شک میں تمہارے درمیان کتاب اللہ اور اپنی عترت اہلبیت دو گراں بہا چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا۔ تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں آپس میں یقیناً جدا نہ ہونگے۔ یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں۔ (صلواۃ)

میں نے کل کچھ حصہ عرض کیا تھا۔ آج یہ حدیث مکمل پیش کرتا ہوں۔ یہ حدیث مقام اہلبیت کو بتاتی ہے۔ اور مقام اہلبیت کا ایسا تعارف کراتی ہے۔ کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضور نے پہلا لفظ فرمایا ہے۔ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ۔

یعنی میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ بنا نہیں رہا ہوں۔ بلکہ خدا کی بنائی کو چھوڑ رہا ہوں ثَقَلٌ کے معنی کل عرض کئے تھے۔ وزنی چیز ثَقَلٌ بر وزن حَسَنٌ ہے۔ ثِقْلٌ نہیں ہے، میں تم میں وزنی دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب۔ اور دوسرے میرے اہلبیت۔ اور اس میں تخصیص کر دی عترتی کی یعنی جو میرے اجزاء ہیں۔ (صلواۃ)

اجزاء کو عترت کہتے ہیں۔ اب اہلبیت کی تخصیص ہو گئی۔ کہ یہ اہلبیت گھروں والے نہیں۔ یعنی بیت سے مراد گھر نہیں کہ جو دیواروں اور چھتوں سے اینٹ گارے سے تیار ہوئے بلکہ آپ نے فرمایا کہ جو میرے اجزاء ہیں۔ عترت جز کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کے اجزاء اس کے عترت کہلاتے ہیں۔ تو اب یہاں پر پہلا لفظ ہے۔ اِنِّيْ تَارِكٌ

اب بشیر ایک استدلال کر رہا ہے۔ اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی راولپنڈی یا پنجاب میں آج تک پیش کیا ہو۔ بس پہلی مرتبہ یہ استدلال پیش کر رہا ہوں۔ اور وہ استدلال کیا ہے۔ توجہ رکھئے گا۔ نہ کتابوں میں دیکھا اور نہ بڑے بڑے نکتہ رس اس استدلال کی وضاحت کر گئے۔ میں نے بہر حال نہیں دیکھا یہ نقطہ کبھی کسی نے لکھا ہو۔ میں اس کو پیش کر رہا ہوں۔

آلِ محمدؐ علیہمُ السلام سے توسل رکھتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ جو کچھ ملتا ہے۔ اِسی در سے ملتا ہے۔ ایک سائل کی حیثیت سے ہمیشہ انہیں سے سوال کرتا ہوں کہ میرے علم میں آپ اضافہ کریں۔ آپ مجھے دیں۔ اور یہی مانگتا ہوں ان کے روضوں پر جاکر۔ نو مرتبہ مُشرّف ہوا۔ اس غلام نے ضریح پکڑ کر یہی مانگا کہ مجھے کچھ علم دیجئے۔ میں ایک جاہل ہوں کچھ میں پڑھنے لگوں۔ مجھے آپ ایسے ایسے داؤ پیچ بتا دیجئے کہ دشمن میرا مقابلہ نہ کرسکیں۔ اور جو کچھ دنیاوی چیزیں مانگنی ہوتی ہیں وہ...... امام حسین علیہ السلام سے مانگتا ہوں۔

علوم حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے مانگتا ہوں۔ میں حدیث کا حدیث سے تطابق کروں گا۔ انشاءاللہ آپ محظوظ ہوں گے۔ آپ کو وہ واقعہ یاد دلاتا ہوں جب ایک دربارِ خلافت میں خاتونِ قیامت نے ایک سوال کیا تھا۔ اور اپنا حق مانگا تھا۔ کہ میرا حق مجھے دو۔ اس ایک سوال میں تین مطالبے ہیں۔ ایک ہی وقت میں۔ لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ کہ ایک سوال کیا تھا۔ بلکہ تین مطلبے ہیں۔ یعنی۔ ہبہ۔ میراث۔ خمس۔

پہلا سوال یعنی پہلا مطالبہ متعلق ہے ہبہ نامہ سے۔ ہبہ کے ذریعے وہ تمام جائیداد جو حضور نے آپ کو ہبہ کر دی تھی۔ آپ لوگ اس کو باغ کہتے ہیں۔ وہ باغ نہیں بلکہ ایک علاقہ ہے۔ اتنا وسیع کہ کئی سو مربع میل کا وہ رقبہ ہے۔ اس میں باغات بھی ہیں۔ مزروعہ رقبہ بھی ہے۔ کچھ پہاڑیاں بھی ہیں۔ کچھ معدنیات بھی ہیں۔ وہ تمام رقبہ ایک شہر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اُس شہر کا نام ہے فدک۔ جس کے باغات بھی ہیں اور مزروعہ رقبے بھی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ وہ جائیداد تعلق رکھتی ہے۔ جس کا مطالبہ کیا تھا فدک خیبر اور مدینے کے درمیان دو منزلوں پر ہے۔ جب دو منزلیں طے کرلیں تو فدک آجاتا ہے۔ حُجاج آج بھی جاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ بی بی نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ کہ میرے بابا نے ہبہ کیا تھا۔ لو ہبہ نامہ پڑھو۔ ہبہ نامہ کیا ہے؟ جب حضور کو حکم ہوا تھا۔ فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ط (پ ۲۱۔ سورہ روم آیت ۳۸)

(ترجمہ)۔ اور دیدو صاحبِ قرابت کو اس کا حق اور مسکین و مسافر کو بھی صاحب قرابت کا حق دیدو جیسا کہ تفسیر دُرِّ منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۶ میں ہے۔ کہ علاقہ فدک بی بی کو ہبہ کرو۔ ان کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ یعنی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ماں ملکۃ التجار تھیں۔ جو کچھ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے پاس تھا۔ تمہیں دے دیا۔ اب تم پر وہ حق باقی ہے۔ اللہ نے تمہیں ایک عطیہ دیا ہے۔ یہ عطیہ کیا ہے آیت پڑھتا ہوں۔ سورہ حشر میں یہ آیت موجود ہے۔ صاف صاف بیان موجود ہے۔ کوئی گنجلک نہیں ہے۔

ارشاد ربّ العزّت ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(پ ۲۸ سورہ حشر آیت ۶)

(ترجمہ):۔ اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو ان (یہودیوں) سے دلوایا پس اے مسلمانوں تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں نے اس میں کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسُولوں کو خود جس پر چاہتا ہے خود مسلط کر دیتا ہے وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ (صلوات)

اللہ نے عطا کیئے یہودیوں کے وہ قریئے یعنی کئی چھوٹے چھوٹے مواضع اور اس شہر سے ملحق جو باغات تھے۔ کہیں چار چار پانچ پانچ گھر۔ کہیں دس گھر اس طرح قریہ۔ قریہ۔ چھوٹی چھوٹی آبادیاں۔ جن کا تعلق شہر فدک سے تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ وہ ہم نے اپنے رسول کو عطا کر دیا پھر لفظ کیا ہیں۔ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔

اس کے حصول میں نہ تمہارے اسپ سواروں نے کوئی کام کیا ہے اور نہ تمہارے شتر سواروں

نے کام کیا ہے۔ مال غنیمت جب بنے۔ جب تم جنگ کرکے لو۔ یہ مال غنیمت نہیں کہ تم نے جنگ کی ہو۔ یہ تو مال فئے ہے۔ یہ مال تو عطیہ ہے۔ اللہ کا۔ نہ پیادے آکر لڑے فدک میں نہ سوار۔ کس نے جنگ نہیں کی۔ کتنا صاف اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ مال ملا کیونکر؟ (صلوٰۃ)

ارادہ نہیں تھا اس چیز کے پیش کرنیکا لیکن ابھی ابھی یہ خیال آیا۔ نہ جانے کیا راز یہ خدا ہی کی طرف کا اشارہ ہے۔ پروردگار عالم یہ فرما رہا ہے۔ کہ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ د دیا ہے۔

حضور سرکار دوجہاں جب مدینے سے چلے اور خیبر کا محاصرہ کیا۔ کیونکہ یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔ معاہدہ ہو چکا تھا۔ یہودیوں سے کہ نہ وہ مسلمانوں کے خلاف قدم اٹھائیں گے۔ مسلمان انکے خلاف۔ یہودیوں نے ایک مسلمانوں کا شام سے آنے والا تجارتی قافلہ لوٹ لیا۔ اس حضور نے فرمایا۔ کہ اب معاہدہ ٹوٹ چکا ہے۔ لہٰذا ان کا محاصرہ کرو۔ تاکہ آئندہ پھر یہ حرکت نہ کریں

محاصرہ کیلئے آپ پہاڑی راستہ سے تشریف لے گئے وہ راستہ جو خیبر کو جاتا تھا۔ فدک اس کے درمیان آتا ہے۔ فدک کی طرف مدینے سے چلو تو فدک آتا ہے۔ فدک سے آگے خیبر ہے۔ حضو اس راستے سے نہیں آئے۔ اس لئے فدک راستے میں نہیں پڑا بلکہ حضور اُوپر اُوپر پہاڑی راستے سے تکلیف وہ راستے سے آئے۔ خیبر آگیا۔ حضور پہنچے اور محاصرہ کر لیا۔ فدک کے راستے سے نہیں آ جب جنگ شروع ہوئی۔ سرکار کی فوج کے بہادر سپاہی میدان جنگ میں جاکر لڑے۔ اور خوب لڑے۔ مگر بغیر فتح ناکام واپس آئے۔ یہ فقرے علامہ جلال الدین سیوطی کے ہیں۔ لڑنے والے گئے۔ اور جنگ کی مگر واپس آئے۔ دن گذرتے گئے۔ جنگ ہو رہی ہے۔ خیبر میں جہاں یہودی تھے۔ شہر فدک والے بھی یہودی تھے۔ روز خبریں سنتے تھے۔ اب کیا ہو رہا ہے۔ اب کیا ہو رہا ہے انکو پتہ لگتا تھا مسلمانوں کا فلاں سردار بھی میدان سے بھاگ گیا ہے۔ فلاں سردار بھی چلا گیا ہے۔ لشکر اسلام

یہ روز خبریں سنتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ جب وہاں سے شکست کھاکے مسلمان واپس آئیں گے۔ تو راستہ میں ہم خوب لوٹیں گے۔ ان مسلمانوں کے پاس جو کچھ ہوگا۔ ہم سب کچھ چھین لینگے۔ اس انتظار میں شہر فدک کے رہنے والے تھے۔ لیکن جب اُنہیں آخری دن یہ پتا لگا کہ ایک مرد آیا ہے۔ مرد کرار۔ غیر فرار اور اس نے اپنا علم پتھر میں گاڑ دیا ہے۔ خیبر کا در اکھاڑ دیا ہے مرحب کو پچھاڑ دیا ہے۔ اور ان کا قبضہ ساتوں قلعوں پر ہو چکا ہے۔ آخری قلعہ قموص میں جو تخت تھا۔ اس پر ان کا رسول بیٹھ چکا ہے۔ تو یہ فدک والے یہودی گھبرا گئے۔ انہوں نے گھبرا کے آپس میں بڑے بڑے نمبردار کہہ لیجئے۔ یا سفید پوش معزز مکرم سنجیدہ عقیل وفہیم صاحب الرائے کہہ لیجئے۔ یہ سب بڑے بڑے جمع ہوئے۔ دیہات تو تھا۔ یہ تو زمیندار قسم کے لوگ تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب مرحب جیسا مشہور ونامور پہلوان ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ عنتر جیسا جری نہ لڑ سکا۔ حارث جیسا بہادر پہلوان جو کتنے ہزار لشکر کا سردار تھا۔ وہ بھی قتل ہو گیا۔ ان کے تو قلعے تھے۔ وہ قلعہ بند ہو کر لڑتے تھے۔ ہم تو دیہاتی ہیں۔ ہمارے پاس نہ مورچہ ہے نہ حفاظت کی کوئی جگہ۔ ہم تو لشکر اسلام سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب وہ لشکر آئے گا۔ فتح کرکے تو جب راستے میں ہمارے شہر سے گذرے گا۔ تو ہمیں یقیناً لوٹے گا۔ نہ ہماری عورتیں بچیں گی۔ نہ ہمارے مرد۔ ہماری نسل بھی ختم ہو جائے گی۔ اور یہ سب ہماری جائیداد ان کے قبضہ میں چلی جائے گی۔

لہٰذا ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ہم کیا کریں۔ لڑائی تو کر نہیں سکتے۔ یہ آپس میں مشورہ کرکے انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب مل کر جو بڑے بڑے ہمارے نمائندے ہیں۔ اہل الرائے ان سب کو لے لو اس شہر فدک سے متعلق کئی گاؤں تھے۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں۔ ہر بستی کا نمائندہ چن لیا۔ اور اس بستی کے متعلق جس قدر جائیداد تھی۔ اس کی تعداد و تفصیل لکھی۔ اور سب تیار ہو کر راستہ میں ابھی

فدک سے لشکرِ اسلام دور تھا۔ یہ لوگ اپنے شہر کے حدود سے دُور چلے گئے۔ کہ راستہ میں رسول اسلام سے مل لو۔ اگر مان گئے تو فبہا ورنہ بدرجہ مجبوری قتل تو ہونا ہے۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو سات قلعوں کو فتح کر کے آ رہے ہیں۔ ہم کیا مقابلہ کریں گے۔ لہٰذا وہ راستہ میں رسول اسلام سے ملے۔ حضور سے ملاقات کی اپنی آبادی کو چھوڑ کر کئی میل دُور جا کر جیسا کہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مُعتزلی میں ہے۔

یہودیوں نے حضور سے عرض کی کہ ہم سب اپنے شہر فدک اور اس کی متعلقہ بستیوں کے نمائندے ہیں۔ ہم سب نے متفقہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم سب آپ سے صلح کر لیں۔ اور صلح اس شرط پر کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہماری جائیداد ہے۔ کُل کی کُل جائیداد میں سے نصف آپ لے لیں۔ اور نِصف ہمیں چھوڑ دیں یعنی آدھی آپ کی ملکیتِ آدھی ہماری سب کی ملکیت۔ مگر مکان ہمیں دے دیں۔ کیونکہ یہاں ہم رہتے ہیں۔ جتنا مزروعہ غیر مزروعہ رقبہ، چشمے۔ باغات۔ وغیرہ کل جائیداد ہے۔ نِصف آپ کی اور نِصف ہماری۔ آپ اس کو منظور فرمالیں۔ یہ ہمارا سب کا مل کر فیصلہ ہے۔ اور یہ تحریر لکھ کر لائے ہیں۔ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔

حضور نے انتظار کیا کہ وحی خدا کیا کہتی ہے۔ پڑھتے سورہ حشر۔ لطف آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ ہم نے عطیہ دیا ہے۔ عطا کر دیا اپنے رسول کو۔ ان دیہاتیوں کا مال و جائیداد جو وہ دے رہے ہیں۔ وہ ہم نے عطا کیا اپنے رسول کو اور کس طرح عطا کیا۔

وَ تَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ○ (پ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲)

(ترجمہ) اور اللہ نے انکے دلوں میں رعب داخل کر دیا۔) (صلواۃ)

ہم نے ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ یہ آیت بتا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیا ہے۔ چنانچہ وہ مرعوب ہو کر خود حاضر ہوئے۔ اور جائیداد حضور کو دے گئے

اسی کو اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ کہ ہم نے عطا کیا۔ پھر صاف یہ بھی کہہ دیا۔ اے مسلمانوں اس میں تمہارا کوئی حق نہیں کیونکہ نہ تمہارے اسپ سواروں نے کوئی لڑائی کی ہے۔ نہ شتر سواروں نے کوئی جنگ کی۔ لہٰذا نہ سواروں کا حق ہے۔ نہ پیادوں کا۔ یہ قرآن کا حکم ہے۔

(صلواۃ)

کتنا صاف صاف ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں سورہ حشر اٹھائیسویں پارہ میں فرمادیا کہ اے مسلمانوں تمہارے سواروں کا کوئی حق نہیں ہے نہ پیادوں کا کیونکہ نہ تم نے کوئی کام کیا ہے۔ بلکہ ان یہودیوں فدک والوں کے دلوں میں ہم نے رعب ڈال دیا تھا۔ یعنی ہم نے ان کو بھیجا تھا۔ کہ جاؤ ہمارے حبیب کو جائیداد پیش کر دو۔ اور جب یہ معاملہ طے ہو گیا۔ تو اگر مال غنیمت ہوتا۔ تو تقسیم کیا جاتا۔ یہ تو مال فئے ہے۔ اللہ کی طرف سے عطیہ ہے۔ جو حضور کے قبضہ میں رہا۔ یہ حضور کے قبضے میں کیوں رہا۔ یہی دلیل ہے۔ کہ مال غنیمت نہ تھا۔ بلکہ عطیہ پروردگار تھا۔

(صلواۃ)

حضرت عمر نے بھی فرمایا ہے۔ کہ فدک خالص ملکیت رسول ہے۔ اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۸ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۸۹ میں مذکور ہے۔ اور خصائص کبریٰ سیوطی جلد ۲ ص ۲۴۱ میں باسناد بخاری و مسلم و امام احمد حضرت عمر کا اقرار مذکور ہے۔ کہ فدک آنحضرت صلعم کی ملکیت ہے۔ اس میں کسی غیر کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ (صلواۃ)

جب سرکار دو جہاں کو مل گیا۔ اس حالت میں جس کو قران بیان کرتا ہے۔

وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى۔ (ترجمہ) اور تجھے اللہ نے تنگ دست پایا پس تجھے غنی کر دیا تو فقیر تھا۔ تنگ دست تھا۔ محتاج تھا۔ یتیم تھا۔ نہ باپ نہ ماں بالکل فقیر و محتاج تھا۔ ہم نے تجھے غنی بنا دیا۔ کس طرح تیری شادی خدیجہ سے ہو گئی تھی۔ جب خدیجہ تمہاری زوجہ بن گئی۔ تو جتنا مال و دولت ان کے

پاس تھا۔ وہ تو ملکۃ التجار تھی۔ سب سے بڑی تاجرہ۔ کہ وڑپتی تھیں وہ کل مال حضور کو مل گیا خدیجہ نے اجازت دے دی کہ۔ جہاں چاہو جس طرح چاہو خرچ کرو۔ اپنے دین کی تبلیغ میں خرچ کرو۔ چنانچہ وہی مال تھا۔ جو خرچ ہوتا رہا مسلمان آتے تھے۔ حضور ان کو کھلاتے تھے۔ جگہ دیتے تھے اخراجات پورا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو خدیجۃ الکبریٰ کے مال سے پالا پوسا پناہ دی۔

شعب ابوطالب میں کتنی مدت رہے۔ تمام درآمد برآمد بند تھی۔ وہ اموال جو حضور کو خدیجہ کے ذریعہ ملے تھے۔ وہ صرف ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہجرت کے بعد تک بھی اور جتنے مقابلے ہوتے رہے مدینہ جانے کے بعد بھی جتنا خرچ اخراجات تھے۔ وہ سب بی بی خدیجہ کے مال و دولت کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اسی کو خدا کہتا ہے۔ اور تمام تفاسیر میں یہ لفظ ہیں۔ تجھے ہم نے فقیر پایا کہ تو محتاج و فقیر تھا۔ تجھے اللہ نے غنی کر دیا۔ سب نے لکھا ہے۔ کہاں سے دولت آئی جو غنی بن گئے؟ سب نے لکھا ہے بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی دولت تھی اور غنی بنا دیا۔ ایک بات کہہ دوں۔ کہ جو میرے بھائی مولانا سیّد علی حسن صاحب امروہوی نے کہی تھی۔ انہوں نے نظم میں اور میں نثر میں پڑھتا ہوں آیت پڑھ کر سنا دوں۔ خدا فرماتا ہے:۔ (وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى) اور تجھے اللہ نے تنگ دست پایا پس غنی کر دیا)۔ اور ہم نے پایا غریب۔ محتاج، بے زر، تو ہم نے تجھے غنی کر دیا۔ اور تجھے کیا اللہ نے یتیم نہیں پایا؟ تو یتیم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے پناہ دے کر تربیت کی اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ط

مجھے بتا دو کہ تربیت کس نے کی؟ پالا کس نے؟ پناہ میں کس کی رہے۔؟ خدا کہتا ہے کہ ہم نے تربیت کی فعل کس کا ہے؟ نسبت کس کی طرف ہے؟ خدا غیر معصوم کے فعل کو کبھی اپنا فعل نہیں کہتا۔ لہٰذا کہنا پڑے گا۔ کہ ابوطالب کا فعل کہ بچانے والے وہ۔ تربیت کرنے والے وہ۔ پناہ دینے والے وہ تمام مسلمانوں نے بالاتفاق لکھا ہے۔ کہ ابوطالب نے پرورش کی۔ پناہ دی۔ سب کچھ ابوطالب کی گود میں ہو

تو ابوطالب پناہ دینے والے۔ تربیت کرنے والے۔ لیکن خدا کہتا ہے۔ کہ میں نے پناہ دی۔ میں نے تربیت دی تو اب آپ غور کر لیجئے۔ کہ فعل ابوطالب کو خدا اپنا فعل بتاتا ہے۔ لیکن خدا نے کبھی غیر معصوم کافر کے فعل کو اپنا فعل نہیں کہا۔

اب ایک بات کہتا ہوں۔ حضرت ابوطالب خدمت میں آئے جناب سرکارِ دوجہاں کی جب نبوت کا اعلان ہونے لگا۔ تو اپنے تمام وصایا اور تبرکات جو انبیاء علیہم السلام کی وصیتیں تھیں۔ کُل کی کُل اور ان کے تبرکات جو بزرگوں سے محفوظ چلے آ رہے تھے۔ وہ سب ابوطالب نے سرکار کو پیش کیے اگر یہ وصی نہ تھے انبیاء علیہم السلام کے تو یہ وصایا۔ اور نہ تبرکات حضور کو کیوں پیش کرتے؟ (حضرت ابوطالب کے علاوہ اگر کوئی اور وصی ہوتا۔ تو وہ یقیناً تمام امانتیں حضور کو پیش کرتا کیونکہ سرکار دوجہاں خاتم النبیین۔ سرتاج الانبیاء ہیں)

لیکن کل انبیاء علیہم السلام کے تبرکات اور وصیتیں حضور کو پیش کیے۔ تو اب معلوم ہو گیا۔ کہ ابوطالب کل انبیاء کے وصی تھے۔ اور یہ چیزیں پیش کیں۔ یہی بات لوگوں کو کھٹکتی ہے اس لئے حضرت ابوطالب پر حملے کئے جاتے ہیں۔ مگر کہاں تک جھٹلائیں گے۔ جبتک قرآن موجود ہے۔ تصدیق کرے گا۔

قرآن مجید نے صاف یہ بھی کہہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے حبیب میں کبھی گمراہوں کو تیرا مددگار نہیں بناؤں گا (وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا) اور نہیں ہوں میں گمراہوں کو قوت بازو بنانے والا۔ (صلوٰۃ)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اے علی۔ باپ نار میں یعنی باپ تو جہنم میں اور بیٹا قسیم النار والجنۃ۔ یعنی بیٹا جنّت و دوزخ کو بانٹنے والا۔ آپ نے فرمایا۔ منہ اپنا بند کر۔ منہ بند کر۔ اب نہ کہنا یہ لفظ اپنی زبان سے نہ نکالنا۔ تو میرے باپ کو نہیں پہچانتا

وہ نور سے بنے ہیں۔ اور اس وقت بنے ہیں۔ کہ جب حضرت آدم نہیں بنے تھے۔ دو ہزار سال پہلے آدم سے میرے باپ کو خدا نے نور سے بنایا۔ اور پیدا کیا عالم ارواح میں۔ نور سے پیدا کیا۔ وہ اس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے ہم نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ (صلوٰۃ)

اللہ نے اس زمانے میں ختم نبوت کی حفاظت کی ذمہ داری میرے باپ کو عطا کی تھی۔ آدم سے لے کر خاتم تک جتنے انبیاء گذرے ہیں۔ ان سب کی خدمتیں جو کچھ انہوں نے تبلیغ کی ان سب کو بچانے والا یعنی ختم نبوت کا بچانا۔ آدمؑ کا بچانا۔ خاتم النبین کا بچانا۔ نوحؑ کا بچانا۔ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا بچانا۔ ان سب کی خدمتوں کے بچانے والے یہ میرے بابا ہیں۔ (صلوٰۃ)

اللہ نے اس زمانے میں ختم نبوت کی حفاظت کی ذمہ داری میرے باپ کو عطا کی تھی۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں (میرے مولا کے کلمات)۔ میرا باپ وہ ہے۔ کہ روز قیامت تمام انبیاءؑ کی اُمتیں آئیں گی۔ اور انبیاءؑ آئیں گے۔ اس وقت اگر میرا بابا کل انبیاءؑ کی اُمتوں کی شفاعت کر دے تو خدا تمام اُمتوں کو بخش دے گا۔ (صلوٰۃ)

حضرت نے فرمایا وہ خود نور سے پیدا ہوئے خلقت نورانی ثابت اور وصی انبیاءؑ بھی ثابت۔ خدا نے ان کے فعل کو اپنے فعل کہا۔ عصمت ثابت۔ تو اب ان کے نام کے ساتھ شیعو تم پر فرض ہے۔ کہ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہ لینا یعنی حضرت ابو طالب علیہ السلام کہا کرو (صلوٰۃ)

یہ ہیں ہمارے عقائد یہی ہم دینیات چاہتے ہیں اسی کا مطالبہ ہے۔ (صلوٰۃ)

۔ اب بی بی فاطمہؑ نے جو مطالبہ فدک پیش کیا وہ آپ نے سمجھ لیا۔ فدک کا قصہ کیا ہے۔ وہ ہبہ نامہ جو عطیہ فدک کے نام سے موسوم ہے۔ جب بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضور کو تمام اموال سپرد کر دیئے اور آپ نے وہ خرچ کیئے مسلمانوں کی امداد پر تربیت وغیرہ اور جنگ پر۔ حضور کے پاس کچھ ذاتی مال نہ تھا۔ بلکہ سب کچھ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا تھا جس کو حضور نے خرچ کیا۔ تو قدرت نہیں چاہتی

میرے تمام مسلمان بھائی سنی، شیعہ بھائیوں سنو۔ اور غور سے سنو۔ قدرت نہیں چاہتی۔ کہ میرا حبیب کسی کا ممنون احسان ہو۔ یہ قدرت نہیں چاہتی۔ کہ میرے حبیب پر احسان ہو۔ اور بعد میں کہا جائے کہ ایک عورت کی جائیداد استعمال کر کے مسلمانوں کی مدد اور ان کی جھولی بھر دی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہودیوں کے دلوں میں رعب داخل کیا۔ اور وہ تمام علاقہ فدک کا جسکی آمدنی تھی چالیس ہزار دینار یعنی پونڈ۔ اتنی زیادہ آمدنی تھی وہ سب حضور کو عطیہ میں دے دیا۔ (صلوٰۃ)

اب نصف کے مالک یہودی شہر فدک کے رہنے والے اور نصف حضور کو مل گیا حضور نے قبضہ کر لیا۔ اللہ کی طرف سے آیت آگئی کہ اس نے مجھے عطا کیا ہے۔ لہذا میں لیتا ہوں حضور نے اپنی طرف سے ایک تحصیلدار مقرر کیا۔ کہ جس نے پہلے تقسیم کیا۔ تقسیم کے بعد نشاندہی ہوئی۔ اور پھر اس کی آمدنی تحصیلدار وصول کر کے حضور کو بھیجتا تھا۔ حضور کے پاس یہ روپیہ فدک کا آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ اب جائیداد تمہیں مل گئی ہے۔ اب صاحبِ قرابت کا حق ادا کر دو۔

وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَ الۡمِسۡكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ ط (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۶)

(ترجمہ) اور تم دے دو صاحب قرابت کو اس کا حق اور مسکین و مسافر کو بھی۔ یہ خدا نے حکم بھیجا۔ (صلوٰۃ)

(روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۰۰) (اور معارج النبوۃ) میں ہے کہ یہ آیت لے کر جبرئیل آئے تو حضور نے جبریل سے پوچھا کہ کیا دے دوں۔ وہاں پر یہ تھا۔ کہ دے دو۔ عطا کر دو۔ صاحب قرابت کو اس کا حق جبریل سے کہا کہ جاؤ۔ خدا سے تفصیل لاؤ۔ جبریل جا کر تفصیل لائے۔ اور کیوں یہ فرمایا۔ یہ گفتگو کیوں ہوئی۔ حضور کو تو علم تھا۔ جانتے تھے۔ کہ ساتھ والے ایسا نہیں سمجھیں گے۔ جیسا کہ میں ہوں۔ لہٰذا یہ فقرے فرمائے۔ جبریل آئے اور یہ فقرہ فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِعۡطِ فَاطِمَةَ فِدَكَ خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ علاقہ فدک جتنا تمہیں ہم نے عطا کیا ہے یہ فاطمہؑ کو بلاؤ اور

دیدو۔ کیونکہ اس کی ماں کی جتنی دولت۔ روپیہ۔ جائیداد وغیرہ تم نے صرف کی تھی۔ آج اُس کی بیٹی کو دیدو تاکہ تم پر احسان نہ رہے۔ (صلوٰۃ)

یہ ہے وہ فدک جس کو بیان نہیں کیا جاتا۔ بتایا نہیں جاتا۔ کہ وہ فدک ہے کیا؟ اب آپ حضرات نے یہ سمجھ لیا۔ حضور نے بی بی کو عطا کر دیا۔ ہبہ نامہ لکھکر دیدیا۔ ہبہ نامہ خاتونِ قیامت کے پاس رہا او یہی ہبہ نامہ دربارِ خلافت میں پیش کیا تھا۔ جس وقت حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ تو تحصیلدار وہی کام کرتا جو حضور کے زمانے کا تھا۔ اب چونکہ ہبہ نامہ بی بی کے نام تھا۔ وہ تمام آمدنی بی بی کی ملکیت ہو گئی۔ جس وقت حضور کی وفات ہو گئی۔ تو آمدنی بھی زیادہ توجہ رکھیئے گا۔ ایک بات ہے آج ممبر پہ کہہ رہا ہوں۔ آپ سوچیں اور غور کریں۔ میں نے اس لئے پیش کیا ہے۔ تاکہ آپ دونوں بھا سنی شیعہ سوچیں اور غور کریں۔ اہلسنت و شیعہ بھائی بھائی دونوں مل کر غور کریں۔ ان واقعات

چونکہ جائیداد ہبہ تھی۔ بی بی نے اس پر قبضہ لیا۔ اور عملہ درآمد ہو گیا۔ کیونکہ ہبہ میں قبضہ دینا ش ہے۔ مگر حضور کے بعد جب حکومت لوگوں کے قبضہ میں آگئی۔ اور تب جو حاکم بنایا گیا۔ جس کو حاکم بنایا نے اس ہبہ نامہ والی جائیداد فدک پر قبضہ کر لیا۔ فاطمہ کے تحصیلدار کو نکالدیا۔ اور اپنی طرف کا مقر دیا۔ بی بی کو معلوم ہوا۔ تو بی بی نے کہا یہ کیوں ہوا۔؟

اب بی بی نے مطالبہ کیا۔ یہ پہلا مطالبہ ہے دربارِ خلافت میں بنتِ رسول اللہ کا کہ یہ سار جائیداد ہبہ نامہ میں آچکی ہے۔ میرے بابا ہبہ کر گئے تھے یہ تو ہبہ تھی۔ تو انہوں نے کہا۔ گواہ لاؤ۔ کے گواہ مانگے گئے۔ میراث کے گواہ نہیں مانگے۔ کیونکہ میراث کے تو گواہ نہیں ہوتے کس کو نہیں تھا۔ کہ رسول کی بیٹی ہے۔ جو گواہ مانگے جاتے۔

یہ بات سمجھ میں آگئی کہ میراث کے گواہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ بی بی رسول کی بیٹی تھی۔ کل مسلمان مدینہ میں تھے۔ جو دربار میں موجود تھے۔ معلوم تھا کہ جناب فاطمہ رسول کی بیٹی ہیں۔ سارے مسلمانوں

کو معلوم تھا۔ کہ میراث میں بیٹے کا کتنا حق ہے۔ اور بیٹی کا کتنا۔ وہاں گواہ کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ہبہ نامہ کے گواہ کی طلبی تھی۔

بی بی نے اُم ایمن کو پیش کیا۔ حسن و حسین علیہم السلام کو پیش کیا۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو پیش کیا۔ لیکن یہ گواہی قبول نہیں ہوئی میں اس پر روشنی نہیں ڈالتا کہ کیوں نہیں قبول ہوئی میں کوئی بات مناظرہ کی نہیں کرنا چاہتا۔ کیا ہوا؟ کیا نہیں ہوا؟ آپ خود سمجھیے گا۔ میں ایک حقیقت پیش کر رہا ہوں۔ کہ بات کیا تھی؟

بی بی نے پیش کیا ہبہ نامہ تو گواہ مانگے۔ کس بات کے گواہ۔ کہ یہ رسول ہی نے لکھا ہے۔ یہ اُن کی مُہر ہے۔ یہ زندگی میں لکھ گئے تھے۔ یہ گواہ مانگے۔ تو گواہوں نے کہہ دیا۔ کہ ہاں حضور کی تحریر ہے اور مُہر ہے

اس پر دربارِ حکومت سے تحریر واپسی فدک وے دی گئی جس کو دربار حکومت کے ایک بڑے مُشیر نے چاک کر دیا۔ اور کہا کہ لشکر کا خرچ کہاں سے آئے گا۔ جیسا کہ انسان العیون جلد ۳ صفحہ ۴۰۰ میں مذکور ہے اور گواہوں کو ظاہری نصابِ شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔ حالانکہ خود خدا نے ان ہستیوں کو مباہلہ میں گواہ قرار دیا (ان ہستیوں پر اللہ اور ان کے ملائک فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں) مگر ان کے علاوہ اور دوسرے لوگوں کو ان کے بیان پر اموال دیتے رہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری مسلم میں ہے۔ کہ جابر بن عبداللہ کو بغیر گواہوں کے ان کے بیان پر مال دیدیا۔

جب ہبہ سے انکار کیا گیا تو پھر بی بی نے دوسرا دعویٰ کیا۔ کہ اچھا میراث دو۔ میراث ہبہ نہیں تو میراث دو۔ میراث میں نو بیباں وارث۔ ان کا حق اور ایک بیٹی وارث۔ اس کا حق کتنا بنتا ہے بیبوں کا آٹھواں حصہ ہے۔ آٹھواں حصہ یعنی آٹھ روپے میں ایک روپیہ نو بی بیوں کا اور سات روپے بیٹی کے یعنی بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے۔

جب میراث کہا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بابا تو یہ بتلا گئے ہیں ہمیں۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ۔

(ترجمہ) ہم گروہ انبیاء نہ وارث بنتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔ جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے
جو ہم چھوڑتے ہیں۔ جو بھی ہم ترک کرتے ہیں۔ صدقہ ہوتا ہے۔ اور جب صدقہ ہے تو تمام مال مسلمانوں
ہے وہ تمہیں مل نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ صدقہ ہے۔ جو کچھ حضور چھوڑ گئے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔

(یہ حدیث میں نے کبھی نہیں پڑھی آج پیش کر رہا ہوں؟)

جو کچھ ہم چھوڑیں یہ لفظ عموم پر دلالت کرتا ہے۔ جو کچھ ہم چھوڑیں۔ ترک کر دیں۔ وہ صدقہ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ وہ صدقہ ہوگا۔ جو کچھ ہم ترک کریں صدقہ ہے۔ تو اب یہ حدیث جو تمام نے لکھی حضور فرماتے ہیں۔ اِنّی تارِکٌ فیکُم الثقلین کتابَ اللہ و عترتی اہلبیتی۔

(ترجمہ) بالتحقیق میں تم لوگوں میں دو بیش بہا چیزیں ترک کر رہا ہوں۔ یعنی چھوڑ رہا ہوں ایک خدا کی کتاب اور دوسری میری عترت یعنی اہلبیت۔ (صلوٰۃ)

میں چھوڑ رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور عترت اہلبیت۔ تو کیا کتاب اللہ اور اہلبیت صدقہ ہیں۔ میرے سنی و شیعہ بھائیو! غور کرو۔ یہ کیا بات ہے۔ جہاں تک ہم سے ہو سکے۔ ان اختلافات دُور کریں جو کچھ حضورؐ نے چھوڑا یعنی قرآن و عترتی اہلبیتی اس کو آپ صدقہ بنانا چاہتے ہیں۔ کیا مسلمانو اہلبیت آپ کے لئے صدقہ ہو سکتے ہیں؟ خدارا ذرا ٹھنڈے دل سے انصاف و عقل کی ترازو میں تول کر مسلمانو! سنو اور ذرا غور سے سنو۔ بازارِ کوفہ میں اسیران اہلبیت کا قافلہ گزر رہا ہے۔ تماشہ دیکھنے والی عورتوں نے کھجوریں اپنے بچوں کے سروں سے صدقہ کر کے پھینکیں۔ حضرت اُم کلثومؑ نے کیا خطبہ تھا؟ بی بی نے کیا کیا لفظ کہے تھے؟

اے کوفہ و شام والو ہم پر صدقہ حرام ہے۔ بی بی نے وہ تمام کھجوریں واپس کوٹھوں پر پھینک دیں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جس وقت بی بی زینبؑ گذر رہی تھیں۔ بازار کوفہ سے اور ان کے بھائی کا سر قرآن رہا تھا۔ اور دو صحابی رسول کے ایک زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ یہ صحابی حضور کا موجود تھا۔ کوفہ میں اور دوسرا سہل ابن سعد

نہوں نے دیکھا لوگ دوڑ رہے ہیں اس نے روکا کہ اے مسلمانوں قیدیوں کا تماشہ نہ دیکھو میں نے رسول اللہ سے سُنا تھا۔ حضور نے فرمایا تھا۔ اے مسلمانوں کبھی تمہارے شہر میں قیدی آجائیں تم ان کا تماشہ نہ دیکھنا۔ حضور یہ تو نہ کہہ سکے کہ میری بیٹیوں کا تماشہ نہ دیکھنا۔ بس یہ فرما دیا کہ قیدیوں کا تماشہ نہ دیکھنا۔ اسکے بعد وہ آگے آیا۔ اس نے پوچھا یہ سر کس کے ہیں۔ جن کے نورانی چہرے۔ کوئی جوان ہے۔ اٹھارہ سال کا کوئی جوان ہے کتنی چمک دمک ہے۔ ان نورانی چہروں کی۔ کوئی کمسن ہے۔ کوئی بزرگ ہے۔ یہ تو کسی نورانی گھر کے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر جو قرآن کی تلاوت سنی تو کہنے لگا۔ کہ یہ تو اللہ کے ملنے والے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات ہیں۔ کتنا نور برس رہا ہے۔ ان کو کس جرم پر قتل کیا ہے؟ اور ایسی قرأت تو کبھی سنی نہیں گئی۔ جیسی تلاوت یہ کر رہا ہے۔ اس وقت زید ابن ارقم نے کہا کہ یہ طریقہ تلاوت صرف بنی ہاشم میں ہے۔ اور کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ۔ اس طرح قرآن دنیا میں کوئی پڑھ نہیں سکتا جس طرح یہ تلاوت ہو رہی ہے آگے بڑھا۔ بڑھتے بڑھتے کچھ دور نکلا مسلم جصاص نامی ایک شخص (جصاص کے معنی۔ راج معمار دیوار و مکان بنانے والا) کام کر رہا تھا اس نے جو شور و غل سنا۔ وہ مکان بنا رہا تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے مزدوروں نے کہا۔ کچھ شور و غل ہے۔ کچھ آوازیں رونے کی آ رہی ہیں۔ فریاد و فغاں بھی ہو رہی ہے مسلم جصاص کہتا ہے۔ کہ تم لوگ کام کرو میں دیکھتا ہوں۔ کیا واقعہ ہے۔ مزدوروں کو کام پر بٹھا کر وہ چل پڑا۔

جب بازار سے گذرا اُس نے یہ حالات دیکھے۔ اُس پر بڑا اثر ہوا۔ کہ یہ کون ہیں؟ کس جرم پر مارے گئے، یہ تو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ مسلمان بھی پابند شرع معلوم ہوتے ہیں۔ یہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ وہ چلتا چلتا خولی کے پاس آیا۔ اور خولی سے کہا خولی تجھے معلوم ہے۔ کہ یہ لوگ کون ہیں۔ خولی نے کہا ہمیں رُکنے کی اجازت نہیں ہے۔ چلتے چلتے کہا کہ پیچھے پیچھے ایک بیمار آ رہا ہے اسکے ہاتھ میں اونٹوں کی مہار ہے۔ ان اونٹوں پر بی بیاں اور بچے سوار ہیں۔ ان سے نام و نسب پوچھ لینا۔ وہ بتائے گا وہ ان کا رشتہ دار ہے جنکے یہ سر ہیں مسلم جصاص کھڑا رہا۔ اسی جگہ قافلہ گزرتا رہا سر گزرتے رہے جب قیدیوں کی باری آئی اور

امام زین العابدین علیہ السلام مہار پکڑے ہوئے ہاتھوں میں رسیاں بندھی ہوئی۔ گلے میں طوق خاردار، پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے۔ تو اس نے کہا کہ ذرا کچھ تھوڑی دیر میری بات سن لیجئے۔ آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ آپ کون ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہیں۔

جس وقت اس نے یہ پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص زیادہ دیر ہم سے بات نہ کرنا ہمیں اجازت نہیں ہے۔ کسی سے بات کرنے کی۔ اگر ہم نے بات کی تو شمرؑ آئے گا۔ اور تکلیف پہنچائے گا۔ ہم بات نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا مجھے جلدی بتائیے۔ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ کون ہیں۔ آپ نے کہا۔ اَنَا علی ابن الحسینؑ فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ ابن علیؑ۔ میں حسینؑ کا بیٹا ہوں۔ میرا نام علیؑ ہے۔

یہ گھبرا کے کہتا ہے۔ فاطمہؑ بنتِ رسول اللہؐ۔ وہ فاطمہؑ جو رسول اللہ صلعم کی بیٹی ہیں۔ کہا کہ ہاں میں انہی کا بیٹا ہوں۔ جب یہ سنا تو فوراً آگے بڑھ کر کہتا ہے۔ ارے کیا تم زین العابدینؑ ہو۔ اَنتَ زین العابدینؑ یہ جملے کہے اور آگے بڑھ کر ہاتھوں کو چومنے لگا۔ ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا۔ رو کر کہتا ہے۔ ہائے تم زین العابدینؑ ہو آپ نے کہا ہاں۔ میں ہی علیؑ ابن الحسینؑ ہوں۔ جس کو تم جانتے ہو۔ اس نے فوراً عرض کیا۔ مولا میں اسی شہر کوفہ کا رہنے والا ہوں۔

مولا میں نے سنا تھا۔ کہ اہلبیت کربلا میں آئے ہوئے ہیں۔ مگر مولا میں آپ کو کیا بتاؤں۔ شہر کی جتنی گلیاں ہیں۔ جتنے راستے۔ کوچے ہیں۔ ان سب پر فوج مسلط تھی۔ کوئی شخص گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ہمیں موقع نہ ملا۔ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ مولا میں ایک گذارش کرتا ہوں۔

آپ نے کہا تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ تو اس نے کہا۔ اگر کسی چیز کی آپ کو ضرورت ہو تو فرمائیے۔ اَنَا مِن شِیعَتِکَ۔ میں آپ کا شیعہ ہوں۔ آپ مجھے بتا دیجئے۔ میں چپکے سے چھپا کر دے جاؤں گا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو۔ جب یہ کہا تو آپ نے فرمایا۔ کہ ذرا ٹھہرو۔ میں اپنی پھوپھی سے پوچھ لوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہے؟ جب آپ نے یہ کہا کہ پھوپھی سے پوچھ لوں۔ تو وہ تڑپ گیا۔ سر و سینہ پیٹ کے کہا۔ کیا بی بی زینبؑ بھی آئی ہوئی ہیں

ہائے کیا بنتِ علیؑ و فاطمہؑ۔ بی بی زینبؑ بھی آئی ہوئی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں وہ سامنے دیکھ اونٹوں پر میری ماں بہنیں آ رہی ہیں۔ وہ بی بی زینبؑ و ام کلثومؑ اور اہلبیت رسولؐ آ رہے ہیں۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے جلدی سے بی بی زینبؑ کے پاس جا کر عرض کیا۔

پھوپھی جان ہمارا ایک شیعہ آیا ہے۔ مومن ہے۔ جو اسی جگہ کا رہنے والا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو چھپا کے چپکے سے لے آؤں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔

آپ نے فرمایا کہ پہلے تو اس شیعہ کو میرا سلام کہہ دو۔ علیؑ کی بیٹی تجھے سلام کہہ رہی ہے اور پھر اس سے یہ کہہ دو۔ اور تو ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو چند چادریں دے جا۔ سامنے بازار آ رہا ہے۔ ہم اپنے منہ چھپا لیں۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) ارشاد رب العزت ہے۔ اے رسول کہہ دو ہماری طرف سے یہ اعلان کر دو۔ کیا۔؟ اگر تم لوگ خدا سے محبت چاہتے ہو یا تم محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے تم میرا اتباع کرو۔ اگر میرا اتباع کیا تو خدا تم سے خود محبت کرے گا۔ خدا تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ وہ بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی۔ (صلواۃ)

حضرات کل میں نے یہ عرض کیا تھا کہ تصور توحید بہت مشکل ہے۔ اثبات توحید ممکن ہے۔ لیکن معرفت توحید بہت مشکل ہے وجود کی قائل تو دنیا ہے۔ یہ دوسری چیز ہے اثبات توحید اور وہ ماہیت شئے ہے لیکن معرفت توحید جو حقیقت شئے ہے وہ بہت ہی مشکل ہے۔ اسی لئے قدرت کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ ایسے وسائل پیدا کرنے ضروری ہوئے جو ذریعۂ معرفت خدا قرار پائیں۔ ان کو پیدا کرنا ضروری قرار پایا۔

چونکہ وہ اپنی معرفت چاہتا تھا اور براہِ راست یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی اس کو پہچان سکے لہٰذا اس نے اپنی معرفت کے وسائل کو پیدا کیا۔ اور وہ وسائل معرفت خدا کے لئے بنائے گئے یعنی یہ نہیں کہ پہلے پیدا ہو چکے پھر ان کو وسائل معرفت رفتہ رفتہ بنایا گیا۔ وہ پیدا ہی وسیلہ ہوئے وہ پیدائش میں وسیلہ تھے ان کی

معرفت خدا کے ذریعہ تھی کسی غیر خدا کے ذریعہ نہ تھی۔ (صلواۃ)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام عرض کرتے ہیں دربار الٰہی میں۔ الٰہی میں نے تجھے تجھ ہی سے پہچانا۔ غیر کو وسیلہ قرار نہیں دیا۔ تجھ کو تجھ ہی سے پہچانا اور بڑے علیؑ یعنی حضرت امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ اور یہ چھوٹے علیؑ یعنی امام زین العابدینؑ امام حسینؑ کے یہ دونوں حضرات قرشی ہیں ایک باپ اور ایک بیٹا یہ عرض کر رہے ہیں۔ تو نے ہی مجھے راہ دکھائی اپنی معرفت کی یعنی ان بزرگواروں نے اللہ کو اللہ سے پہچانا۔ اور دنیا نے اللہ کو غیر اللہ سے پہچانا۔ اور امام حسینؑ کے بابا امیرالمومنین دربارِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں۔ یَا مَنْ دَلَّ عَلٰی ذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ (دعائے صباح) اے وہ ہستی۔ اے وہ ذات جس نے اپنی ذات کی رہنمائی کی اپنی ہی ذات کے ذریعہ کسی غیر کو ہمارے لئے وسیلہ نہیں بنایا۔ (صلواۃ)

آج تھوڑا اسکا انکشاف کروں گا۔ اس کا طریقہ کیا ہے۔ دیکھئے درحقیقت خدا تک آپ پہنچ نہیں سکتے۔ ممکن ہی نہیں اور ماہیت کا تصور کسی بھی مخلوق کو نہیں ہو سکتا۔ ماہیت اور حقیقت میں ذرا سا فرق ہے۔ ماہیت نفسِ شئے اور حقیقت ہے شئے مع آثار۔

تو گذارش یہ ہے کہ جب تمام کائنات میں اس کو پہچاننا صرف بحیثیت دلیل اِنّی یعنی معلول کو دیکھا تو علت کو پہچانا۔ مخلوق کو دیکھا تو خالق کو پہچانا۔ مصنوع کو دیکھا تو صانع کو پہچانا اثر کو دیکھا تو موثر کو پہچانا تو یہ ذرائع کیا ہوئے؟ یہ تمام چیزیں غیر خدا ہیں۔ شمس و قمر کے ذریعہ پہچانا۔ ارض و سما کے ذریعہ پہچانا۔ آب و ہوا کے ذریعہ پہچانا۔ یعنی مخلوق کو ذریعہ بنایا معرفت خالق کا۔ مخلوقات ہے غیر اللہ تو غیر اللہ کو وسیلہ بنایا معرفت خدا کا اور آج کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ غیر اللہ کو کیوں وسیلہ بنایا۔ یہ اعتراض کرنے والے سوچیں گے کہ انہوں نے خدا کو کس طرح پہچانا۔ کیا خدا خود آیا تھا کسی شکل میں کہ میں خدا ہوں جو معترض نے پہچان لیا۔

میرے مولا حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام دربارِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں۔

یَا هُوَ یَا مَنْ لَّا یَعْلَمُ مَا هُوَ وَلَا کَیْفَ هُوَ وَلَا اَیْنَ هُوَ وَلَا حَیْثُ هُوَ اِلَّا هُوَ (دعائے مشلول)

(ترجمہ) اے وہ کہ کوئی نہیں جانتا کیا ہے وہ، کیسا ہے وہ، کہاں ہے وہ، کس حیثیت میں ہے وہ، مگر جانتا ہے وہ اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا۔ آج ذرا بلند توضیح پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے چند جملوں میں فرمایا۔ بِكَ عَرَفْتُكَ میں نے تجھے تجھ ہی سے پہچانا۔ حضرات تصورِ توحید جس طرح ان بزرگواروں نے ہمیں دیا۔ دنیا میں کوئی نہ دے سکا۔ دو جملے پیش کروں گا۔ اور چیلنج دیکر کہ کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا رہنما یہ معرفت جو میرے مولا نے پیش کی ہے۔ یا توحید کی عظمتوں کو جو امام نے بتائی ہیں۔ بڑے سے بڑا ہادی پیش نہیں کر سکتا نہ تاریخ میں ابھی تک کوئی لفظ مل سکا کہ کسی نے خدا کو اس طرح سے پہچانا ہو۔ (صلوٰۃ)

پہلا جملہ۔ حضرت عرض کرتے ہیں درگاہ الٰہی میں۔ اے میرے مالک اگر تیرا حکم نہ ہوتا کہ مجھے یاد کرو میرا ذکر کرو تو میں تجھے ذکر سے بلند رکھتا کیونکہ تو ذکر سے بالا اور بلند ہے۔ ذکر میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ میں ذکر کروں گا۔ تیرا تو اپنی مقدور کے مطابق نہ تیری مقدار کے مطابق میرا ذکر ناتو اپنے مقدور بھر ہوگا۔ تیری مقدار کے مطابق کر نہیں سکتا کیونکہ تو ہمارے ذکر سے بلند ہے۔

دوسری چیز۔ اے میرے مالک اگر تیرا حکم نہ ہوتا دعا کے لئے۔ تو نے اگر حکم نہ دیا ہوتا دعا کرنے کا۔ اے میرے مالک تو میں دُعا کو تیری رضا میں مداخلت سمجھتا۔ (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) (صلوٰۃ)

اگر تیرا امر نہ ہوتا دعا کے لئے تو میں کبھی دعا کر کے سبقت قولی نہ کرتا۔ اس دعا کو مداخلت سمجھتا جو تیری رضا ہے۔ مَیں اس میں دخل کیوں دوں۔ کہ یا اللہ یوں کر دے۔ یہ کر دے فلاں کام کر دے یہ دخل ہے تیری رضا میں اپنے قول کے ذریعہ یعنی یہ مداخلت قولی ہے۔ مگر تو نے حکم دیا ہے کہ

مجھ سے دُعا کیا کرو۔ اس لئے مَیں دُعا کرتا ہوں۔ ورنہ تو ہماری دعاؤں سے بالاتر ہے۔ حضرات آپ سمجھے یہ ہے "مقامِ توحید"۔ جب تک یہ معرفت حاصل نہ ہوگی خدا کس طرح محبت کرے گا۔ پھر تیسرے یہ کہ چھٹے امام نے یہاں تک کہہ دیا۔ جب لوگوں نے کہا۔ مولا ہماری تو دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ ہم روز مانگتے ہیں۔ قبول ہی نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ تم اُس سے مانگتے ہو جس کو تم پہچانتے نہیں تم تو اسم کو پکارتے ہو مسمیٰ تو تمہارے دلوں میں اترا ہی نہیں۔ اللہ، اللہ کرتے ہو۔ مگر اس کے مسمیٰ کو نہیں پہچانتے ہو۔

تم تو لفظیں بول رہے ہو جس کا نام اللہ ہے وہ دلوں میں اترا ہی نہیں ہے "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ" پہلے اپنے رب کو اپنے نفس میں لاؤ۔ پہلے دل میں اتارو۔ اس کے بعد پکارو زبان پر اللہ اللہ مگر دل میں تمہارے اللہ نہیں ہے۔ غرض یہ چیزیں ہر روز پیش کر رہا ہوں۔ روزانہ کچھ حصہ میرے بیان کا توحید پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد آج یہ بتانا ہے۔

پروردگار عالم نے جن کو اپنی معرفت کا دسیلہ بنایا ان کو وسیلہ پیدا کیا یعنی ان کی معرفت انکی خلقت میں پیدا کی۔ خلقت میں انہیں علم دیا۔ ہم عالم ہوتے ہیں۔ لیکن علم حاصل کر کے عالم بنتے ہیں علم ہم سے الگ ہوتا ہے۔ ہم الگ۔ علم پڑھ کر حاصل کرتے ہیں یا تربیت وغیرہ سے یا دیکھنے یا کسی کے بتانے وغیرہ سے علم لیتے ہیں جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔ پہلے جاہل تھے جب علم لیا عالم بن گئے اور جب علم بھول گئے جاہل بن گئے تو ہم کیا ہیں جاہل سے عالم بن جاتے ہیں اور عالم سے جاہل بن جاتے ہیں یہ ہمارا علم ہے۔ اور یہ بزرگوار یعنی محمدؐ و آل محمدؐ یہ خود علم ہیں۔ ان کو جب پیدا کیا تو ان کی خلقت میں علم دے دیا۔ (صلوٰۃ)

ان کی تخلیق علم میں ہوئی۔ اس طرح پیدا کیا کہ ان کے سامنے کائنات منکشف ہو۔ کشف ہی کشف علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ شرح تجرید میں تحریر فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے نہ جاننے کا سبب مادہ ہے مادہ کشف کو روکتا ہے۔ مانع کشف مادہ ہے۔ مادہ سامنے آجائے تو اب مادہ کے پیچھے والی چیز منکشف نہیں ہوگی

نظر نہیں آئے گی مانع کشف مادہ ہے۔ اور یہ حضرات مادہ سے پہلے بنائے گئے۔ اور جب مادہ سے پہلے کشف تھا۔ اور کشف تھا تو علم تھا۔ ان کو عالم ہم اصطلاح کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں ورنہ یہ علم ہیں۔ کیونکہ علم بدلتا نہیں اور جو بدل جائے وہ جہل ہو گا کبھی علم نہ ہو گا۔ اور جو علم ہو گا وہ کبھی جہل نہ ہو گا۔ عالم جاہل بنے گا اور جاہل عالم مگر علم کبھی جہل نہیں بنتا۔

حضرت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں پیدا کیا تو روح علم ہمیں ودیعت کر دی۔ یعنی پیدائش میں ہم معرفت خدا کے خزائن ہیں۔ ہم نے معرفت سیکھی نہیں بلکہ ہماری پیدائش میں معرفت ہے۔ اسی لئے ہمارا جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پیدا ہوتے ہی خدا کی گواہی دیتا ہے ہمارا ہر بچہ معرفت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے (صلوٰۃ)

حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ نے ہماری روح کو بنا کر نور میں داخل کیا نور میں ساکن کرنے کے بعد فانطقنا ہمیں نطق عطا کیا۔ ہم اس کی حمد و ثنا کرنے لگے۔ یہ دو جملے میں نے پیش کر دیئے۔

آج تین یوم ہوئے ایک صاحب نے یہ کہا ہے کہ کیا نبی اور امام غیب بھی جانتے ہیں انہیں علم غیب ہے؟ جی ہاں جسے علم غیب نہ ہو وہ نبی ہے نہ امام۔ ثبوت پیش کرتا ہوں جو علم غیب نہیں رکھتا وہ نبی ہے نہ امام بغیر علم غیب نبی، نبی نہیں۔ امام۔ امام نہیں۔

کیا خدا علم غیب رکھتا ہے یا نہیں؟ پھر خدا عالم الغیب ہے یا نہیں۔ مانتے ہیں آپ سب کہ خدا عالم الغیب ہے۔ تو خدا سے کیا چیز پوشیدہ ہے۔ آپ خدا کو عالم الغیب کیوں کہتے ہیں؟ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ سب اُس کے سامنے پھر عالم الغیب کے کیا معنی؟

خدا کو عالم الغیب کیوں کہتے ہیں؟ خدا تمام چیزوں کو جانتا ہے وہ تو بنانے والا ہے اس سے کیا چیز پوشیدہ ہے اس کو تم عالم الغیب کیوں کہتے ہیں؟ اللہ کو کس معنی میں عالم الغیب کہتے ہو؟ اللہ کو کیوں عالم الغیب کہتے ہو؟ اس کے لئے تو غیب ہے ہی کچھ نہیں۔ ہر شئے پر شاہد ہر شئے

اس کے سامنے۔ ہر شئے اس کی بنائی ہوئی تو وہاں کہاں ہے غیب کہ جس کا عالم ہو خدا۔ پھر خدا کو عالم الغیب کیوں کہا۔؟

صرف اس لئے کہ وہ بالذات ہر شئے کا عالم ہے کوئی غیب اس کیلئے غیب نہیں بلکہ جو چیز ہمارے لئے غیب ہے خدا اس کا عالم ہے۔ خدا ہماری نسبت سے جو غیب ہے۔ جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں۔ ان کا وہ عالم ہے کیونکہ اس سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں لہٰذا عالم الغیب کے یہ معنی ہوتے جو دوسروں سے پوشیدہ چیزیں ہوں۔ ان کو بھی جان لے وہ عالم الغیب ہے یہ درست ہے یا نہیں؟

جو چیزیں پوشیدہ ہوں غیروں سے۔ جو اس کو جان لے وہ اس کے مقابلہ میں عالم الغیب ہے تو خدا کے لئے کوئی چیز پوشیدہ نہیں جو ہم سے پوشیدہ تھیں ان کا خدا عالم۔ لہٰذا عالم الغیب ہمارے غیب کا عالم نہ کہ اپنے غیب کا۔ غالباً بات سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ ہمارے غیب کا عالم ہے جو چیزیں ہم سے غائب ہیں ان کا وہ عالم ہے اپنے غیب کا نہیں۔ تو اب کتنی چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں وہ ان کا عالم۔ لہٰذا ہماری نسبت خدا عالم الغیب۔

اب نبی کیوں آتا ہے؟ نبی آپ کو وہ چیزیں بتانے آتا ہے جو آپ سے پوشیدہ ہیں نبی کے آنے کی غرض یہی ہے جو چیزیں ہم سے غائب ہیں وہ ان کا عالم ہے، بتانے تو وہی آتا ہے۔ جو تم سے پوشیدہ ہیں۔ خدا تو غیب الغیوب ہے۔ یعنی سب سے زیادہ غیب خدا ہے۔ اور چیزوں کی مثالیں ہیں وہ بے مثال ہے۔ لہٰذا وہ غیب الغیوب ساری چیزوں میں سب سے زیادہ غیب خدا ہے۔ خدا غیب الغیوب ہے۔ اس کے علاوہ قیامت جو آئے گی۔ وہ بھی غیب الغیوب ہے۔ سب سے زیادہ غائب اور قیامت یعنی معاد غیب الغیوب ہے۔

خدا مبدا، غیب الغیوب یعنی ادھر مبدا غیب الغیوب اُدھر معاد غیب الغیوب بیچ میں کیوں آیا؟ اُسکو بھی بتانے اور اس کو بھی بتانے یعنی خدا اور قیامت کو بتانے۔ اگر وہ خود مبدا، اور معاد کو نہیں جانتا تو

بتانے کیا آیا ہے ؟ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام نے اپنے اپنے کمالات دکھا کر دنیا کو توجہ دلائی ہے کہ جب ہمیری یہ شان ہے تو جس نے مجھے بنایا اور یہاں تک پہنچایا وہ کیسا ہوگا؟ بس یہ ہے معرفت خدا کہ کیسا ہوگا۔ ؟ اس سے زیادہ آپ کبھی اس کی حد بندی نہ کیجیئے گا۔ نہ معنی خلق کو جانتے ہیں نہ معنی رزق کو جانتے ہیں۔ نہ معنی علم کو جانتے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ خدا کے لئے معنی علم کیا ہیں؟ اسکے علم کے کیا معنی ہیں؟ وہ تو عین علم ہے علم اور اُس کی ذات ایک ہے۔ جُدا نہیں جب صفات عین ذات ہیں تو ذات کی طرح ان کی حقیقت کا جاننا محال ہے۔

لہذا اب آپ خدا کو یہ کہیئے میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ آپ دُعا کیا کریں۔ جب پکارا کریں۔ تو یہ کہا کریں اے محمدؐ عربی کے خدا۔ اے علی ولی کے خدا۔ اے جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کے خدا، یارب فاطمہؑ یارب الحسنؑ والحسینؑ خدا وہی ہے جو ان کا خدا ہے۔ اور تمہارے دماغوں میں جو تصور توحید خدا ہے وہ تو یہ ہیں۔ جہاں تک جاؤ گے حد بندیاں کرتے جاؤ گے وہ یہی ہوں گے۔ اسی کو پانچویں امام نے بتایا۔

ہمارے وہ درجات ہیں اللہ کے دربار میں ان حالات میں ان مراتب میں وہ ہم بن جاتا ہے اور ہم وہ بن جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ۔ وہ ہے اور ہم۔ ہم ہیں۔ کیونکہ لوگ تصور توحید جو مقرر کر لیتے ہیں اپنے دماغ میں تصور توحید جو پانی برساتا ہے وہ ہے خدا۔ جو اولاد دیتا ہے وہ ہے خدا۔ جو مُردوں کو جلاتا ہے وہ ہے خُدا۔ تو جس کو لوگوں نے سمجھا ہے وہ تو ہم ہیں، ہم مُردے زندہ کر دیتے ہیں۔ پانی اشاروں میں ہم برسا دیتے ہیں تو جس کو تم وہ سمجھتے ہو وہ تو ہم ہیں۔ وہ، وہ ہے اور ہم، ہم ہیں۔ (صلواۃ)

توحید کی معرفت بغیر وسائل ممکن نہیں اور تمام انبیاء۔ کائنات کے وسائل بلکہ وسیلہ صرف نور اوّل ہے جس کو توحید حاصل کرنی ہو۔ اس کو ان سے ملے گی وہی توحید خالص ہوگی اور خدا سے محبت ہوگی۔ وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ اور جس نے اپنے قیاسی خدا سے محبت کی جیسا کل میں نے عرض کیا تھا۔ اللہ کا وعدہ

آپ لوگوں سے نہیں ہے بلکہ حجت اللہ کا وعدہ آپ لوگوں سے ہے۔ خدا نے چونکہ اپنی طرف سے اپنے بجائے جس کو بھیجا ہے ہم اس کو حجت اللہ کہتے ہیں۔ وہ اللہ کے بجائے خلیفۃ اللہ ہے (پانچ مرتبہ درود) میں اس وقت آپ کو کل کا بیانِ فدک یاد دلاتا ہوں۔ جو دعویٰ خاتون قیامت نے کیا تھا۔ ہبہ کا تھا یاد ہیں ناوہ مسائل۔ پہلا دعویٰ ہبہ، دوسرا دعویٰ میراث، تیسرا دعویٰ خمس۔

اور جب میراث میں وہ کہا گیا کہ انبیاء جو چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جو چھوڑیں وہ تو ہے صدقہ۔ تو کیا قرآن واہلبیت صدقہ ہیں۔؟ کل کی تقریر ختم۔ (ایک صلواۃ پڑھیں)

اب جبکہ میراث بھی نہ ملی تو بی بی نے دعویٰ کیا خُمس کا۔ آیت پڑھی خُمس دو۔ انہوں نے خُمس بھی نہ دیا۔ یہ تین دعوے الگ الگ ہیں۔ ایک نہ بنایا کیجیے۔ تین دعوے ہیں۔ یہ ملکیت وہ مال فے ہے۔ جو جنگِ خیبر کے بعد ملا۔ اور خدا نے عطیہ دیا۔ اور جنگ خیبر کے بعد یہ مال ملا ہے اور جنگ خیبر سے جو مال غنیمت مسلمانوں کو ملا تھا جس نے یہ جنگ فتح کی اس کا شکریہ تمام اصحاب رسول اور امہات المومنین نے ادا کیا ہے۔ کہ جس نے یہ فتح کیا تھا۔ یہ لفظ ہیں (صحیح بخاری شریف) ہم نے پیٹ بھر کے شکم سیر ہو کر کبھی کھجوریں بھی نہیں کھائی تھیں۔ آپ غربت کا اندازہ کر لیجیئے کہ جہاں خرمہ ہی خرمہ۔ کھجوریں ہی کھجوریں ہوں وہاں پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملے تو اب اس طرح سمجھیئے کہ آپ کہا کرتے ہیں کہ ملتان اور اس کے باغات میں آم بہت ہوتا ہے اتنا ہوتا ہے کہ دوسری جگہ جا کر بکتا ہے۔ تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگر وہاں کا رہنے والا یہ کہے کہ میں نے کبھی آم شکم سیر ہو کر نہیں کھایا تو وہ کتنا غریب ہوگا

ایک عرب کا رہنے والا یہ کہے کہ ہمیں جنگ خیبر سے پہلے کھجوریں بھی شکم سیر ہو کر نہیں ملیں اتنے فقیر تھے لیکن جب اونٹ کی کھال بھر کر سونا ملا۔ ان قلعوں سے جن کو علی نے فتح کیا۔

اور زرہ وجواہرات ملے۔ اسلحہ ملا۔ کل سامان لشکر اسلام کو مل گیا تب حصے میں وہ تقسیم ہوا ہے۔ حصے ملے ہیں تو ایک ایک کو نوّے نوّے من کھجوریں ملیں۔ اس قدر ملا کہ جو فقیر تھے وہ امیر

ہو گئے جو غریب تھے وہ غنی ہو گئے یہ سب کچھ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی اس فتح کا نتیجہ تھا۔ (صلوٰۃ)

اسی کو قرآن مجید نے ایک خاص طریقہ پر بیان کیا ہے جو آج پیش کر رہا ہوں۔ مقام اہلبیت کے موضوع کے تحت۔ میں نے کبھی آپ کو توجہ دلائی ہو گی کہ پروردگار عالم نے وعدہ کیا تھا کہ یہ جنگ خیبر ... ہو گی اور مسلمان فاتح ہوں گے اور یہودی شکست کھائیں گے یہ اللہ نے قرآن میں وعدہ کیا ہے۔ اگر بھول گئے ہوں تو چوتھا پارہ پڑھیئے۔ سورہ آل عمران میں دیکھ لیجئے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ میرے دونوں مسلمان بھائی سنی و شیعہ اس پر غور کریں اور اس کی طرف توجہ کے ساتھ اپنا فیصلہ خود کریں کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے
وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (ترجمہ) اگر یہودی ایمان لے آتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ مومن ہو جائیں گے مگر اکثریت فاسق ہی رہے گی تمہیں کوئی ضرر نہیں پہونچا سکیں گے۔ مگر صرف اذیت دیں گے اور اگر تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی (صلوٰۃ)

توجہ اہل اسلام! خدا کا وعدہ اور اگر یہ تم سے جنگ کریں گے تو پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے اور ان کی کوئی نصرت نہیں ہو گی یہ شکست کھائیں گے۔ یہودی بھاگ جائیں گے یہ اللہ کا وعدہ۔

جب مسلمانوں کا یہودیوں سے تصادم ہو گا تو یہ بھاگ جائیں گے۔ یہ اللہ نے پیشنگوئی فرمائی ہے اور جب پیشنگوئی اللہ نے فرمادی۔ توجہ۔ تو اب اللہ نے کہا مقابلہ میں مسلمانوں کے یہودی بھاگیں گے جب قرآن میں آیت آگئی تو قرآن نے وعدہ کر لیا۔ اور جب حضور نے پڑھ کر آیت سُنا دی تو حضورؐ کا وعدہ ہو گیا تو کہیئے کہ اب اسلام کا وعدہ ہو گیا۔ اور اسلام کا کیا بلکہ خدا کا وعدہ، رسول کا وعدہ، قرآن کا وعدہ

لہٰذا اسلام کا وعدہ ہو گیا۔

وعدہ کیا ہے کہ جب مقابلہ ہو گا تو یہودی بھاگیں گے مگر بقول جب انتالیس[٣٩] دن مقابلہ ہوتا رہا یہودی بھاگے نہیں ٣٩ دن (انتالیس) بعض نے پچیس[(٢٥)] دن کی بھی روایت کی ہے نہیں بھاگے تو اللہ کا وعدہ، رسول کا وعدہ، اسلام کا وعدہ پورا نہیں ہو رہا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا۔؟ موقع ملا یہودیوں کو یہ کہنے کا کہ کہاں ہے وہ خدا تمہارا، وہ رسول اور وہ قرآن الہامی کتاب جس میں وعدے ہیں؟ اور وہ پورے نہیں ہوئے تو حضورؐ پر کتنا اثر پڑا۔؟ کیونکہ مسلمانوں پر بھی تو ایک اثر ضرور پڑا کہ وعدہ تو یہ تھا ہمارے خدا و قرآن و رسولؐ کا کہ یہودی بھاگیں گے۔ ہم آگئے واپس۔ تو ان کو بھی تو خیال تھا اور بعضوں نے کہہ بھی دیا۔ قرآن کہہ رہا ہے "مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ اللہ نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا۔ یہ بھی کہنے لگے۔ اب آپ فرمائیے کہ ایسے وقت جب توحید خطرہ میں ہو جس کا وعدہ سچا نہ ہو وہ خدا نہیں۔ جس کی پیشین گوئی میں صداقت نہ ہو وہ رسولؐ نہیں۔ اور جس کا وعدہ پورا نہ ہو وہ الہامی کتاب نہیں۔ اور جس دین میں سچائی نہ ہو وہ دین بھی حق نہیں تو اسلام کو، قرآن کو۔ رسولؐ کو اور خدا کو اس کو اس وعدہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایک مرد کی ضرورت تھی؟

قرآن کی روشنی میں پتہ لگا کہ ضرورت تھی ایک مرد کی کہ وہ مرد آئے اور یہودیوں کو بھگائے خیبر کا در اُکھاڑے۔ مرحب کو پچھاڑے اور یہ ثابت کر دے کہ میرے خدا کا وعدہ سچا ہے۔ میرا نبی سچا ہے۔ میرا قرآن سچا ہے میرا اسلام سچا۔ ضرورت تھی نا ایک مرد کی کہ وہ آئے۔ (صلوٰۃ)

تو بشیر ایک بات کہتا ہے۔ اللہ کیا خیبر میں نہیں تھا۔ تھا لا الٰہ الا اللہ اور حضور محمدؐ رسول اللہ تھے یا نہیں۔ کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ بھی تھا اور محمد رسول اللہ بھی تھا۔ وعدہ پورا نہ ہوا جب تک علیؑ ولی اللہ نہ آئے۔ خیبر فتح نہ ہوا یہودی نہیں بھاگے۔ خیبر کا در نہ اُکھڑا مرحب کا

سر جدا نہ ہوا۔ خدا اور رسول قرآن و اسلام سب کا وعدہ پورا ہو گیا۔ صرف ایک ذات علی بن ابیطالبؑ کی جنگ سے۔ (صلوٰۃ)

قرآن مجید کی روشنی میں ہمیں اتنا تو معلوم ہو سکا کہ یہ تمام مواعید جو اللہ کے تھے وہ وا[قع] میں ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ انتظار عمر ہا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وعدہ غلط تھا۔ وعدہ سچا۔ خدا کا وعدہ سچا نبی کا و[عدہ] سچا۔ مگر آج اتنا معلوم ہو گیا کہ وعدے تو اللہ کے سچے ہیں مگر وہ مشروط ہیں اگر کسی اور کو سردار بناؤ[گے تو] کوئی وعدہ نہیں اور علیؑ کو بناؤ گے تو تمام وعدے سچے ہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ کے جتنے وعدے ہیں و[ہ] مشروط ہیں بہ ولائیت علی بن ابیطالب علیہ السلام۔ (صلوٰۃ)

جب تک علیؑ کی ولایت کے قائل نہیں ہو گے اللہ کا تم سے کوئی وعدہ ہے ہی نہیں۔ نہ جنت کا و[عدہ] نہ حوروں کا وعدہ۔ کوئی وعدہ نہیں ہے۔ جب تک علیؑ کی ولایت کے آگے سر تسلیم خم نہ کرو گے

(صلوٰۃ)

یہی ہمارے معصومین کے احادیث ہیں جو میں نے قرآن سے پیش کیے۔ یہی معصومین نے فرمایا ہ[ے] حدیث متفق بین الفریقین۔ مقام اہلبیت کیلئے ہے۔ کیونکہ اتنی حدیثیں ہیں کہ خود مجھ سے رضوی صاحب نے کہا۔ میں نے کہا بہت ہیں۔ بیشک میں کہاں تک پڑھ سکتا ہوں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی یہ نہ کہ[ے] کہ حدیث ضعیف تھی۔ کتاب معتبر نہ تھی۔ بس یہ عذر کر دے گا۔ قرآن کو تو نہ کہے گا۔ کہ معتبر نہیں قرآن [کی] آیت ہے۔ تو اب تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ولایت علی میں اتنا وزن ہے۔

میں نے ایک بزرگ کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر اسرائیل کو شکست دینا ہے تو ایک بار نع[رہ] حیدری لگا کر علیؑ، علیؑ پکار کر دیکھ لو۔ اگر اسرائیلی یہودی ہمت نہ ہار کر بھاگ جائیں تو میں ذمہ دار۔ ج[س] نے علیؑ کو پکارا تھا بھارت کی جنگ میں سب نے دیکھ لیا۔ کون بھاگا؟ کون فاتح ہوا؟ تو اسی طرح جہاں [پکار]یں گے وہ مدد کریں گے۔ اپنے خیالات تعصب کے ساتھ جو مخلوط ہو چکے ان کو چھوڑ دو (صلوٰۃ)

اللہ نے علیؑ کو پیدا کیا ہی ہے مدد کے لئے۔ ان کی غرض خلقت ہی مدد ہے۔ نبی کے ذریعہ شریعت ملے گی۔ علیؑ کے ذریعہ مدد ملے گی۔ جب انبیاء کو مسائل شرع کی ضرورت ہوئی جتنی جتنی حد میں ان کو نبوت دی گئی وہ مرکز نبوت محمدؐ عربی سے ملی۔ جتنے نبیوں کو نبوت ملی اور جتنی جتنی ملی وہ حضورؐ کے ذریعہ سے اور جن جن کو کچھ کچھ ولایت کے قطرات نصیب ہوئے وہ علیؑ کے ذریعہ ملے۔ تو جب انبیاء کو مسائل شرع کی ضرورت ہوئی یا اپنی اپنی نبوتوں میں کوئی الجھاؤ ہوا تو وہ ملتا تھا حضور کے ذریعہ اور جب انبیاء کو کوئی مصیبت آجائے۔ کہیں کشتی طوفان میں آجائے یا کسی کو کنوئیں میں ڈال دیا جاتے۔ یا کہیں قید میں گرفتار ہو جائے یا کسی کو باتیں کرنا ہوں تو پھر وہ علیؑ کو پکارتا تھا۔ (صلوٰۃ)

علی بن ابیطالبؑ کو سلیمان پیغمبر نے پکارا۔ قرآن پڑھیئے۔ میری کتاب حقائق الوسائط پڑھیئے اور اس کے بعد ایک بہترین کتاب آپ کے سامنے آگئی جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ نے لکھدی ہے اور آقائے سید محسن حکیم نے لکھدیا ہے کہ یہ پڑھنا درست ہے۔ یا محمدؐ یا علیؑ یا علیؑ یا محمدؐ یا صاحب الزمان ادرکنی ادرکنی۔ (صلوٰۃ)

یہ دعا ہے جو شیخ مفید علیہ رحمۃ کے زمانے میں بھی پڑھی جاتی تھی۔ شیخ مفید علیہ رحمۃ نے لکھی ہے آپ پہچانتے ہیں شیخ مفید علیہ رحمۃ کو؟ میں نے کئی مجالس میں ان کی شخصیت کو نمایاں کر کے بتایا ہے کہ کتنے بڑے بزرگ تھے پرچہ لکھ کر ڈال دیتے تھے۔

سیّد سے گفتگو تھی۔ سیّد کہتا تھا کہ یہ قبا نجس ہے اور یہ کہتے تھے کہ پاک ہے۔ کیونکہ تم ایک گواہ ہو اور مال میرا ہے۔ تو لکھ کر ایک پرچہ روضۂ اقدس میں مولائے کائنات علی بن ابیطالبؑ کے ڈال دیا۔ ادھر گرا اور جواب لکھا ہوا آگیا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے جواب دیا کہ الحق مع ولدی حق میرے بیٹے کے ساتھ ہے۔ یعنی

سیدمرتضیٰ کے۔ والشیخ معتمری اور شیخ میرا معتمد ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہتا۔ سیدنے دیکھا ہے نجس ہوتے ہوئے اس لئے وہ حق کہہ رہا ہے اور میرا شیخ معتمد ہے۔ کیونکہ نجس کہنے کیلئے کسی کے مال کو دو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب مولا نے لکھدیا تو شیخ نے وہ عبا اتار کر پھینک دی کہا کہ اب یہ نجس ہے ایک بیٹے کی گواہی ایک دادا کی گواہی۔ وہ شیخ مفید علیہ رحمہ اس دعا کو پڑھتے تھے۔ اور آج یہ سات گمراہ مُلّا کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا شرک ہے وہ سب مرزا صاحب کی کتاب میں دیکھ لینا۔ اس کا نام ہے۔ حقائق العقائد۔ دعا کا نام ہے۔ دعائے فرج۔ (صلواۃ)

غرض آپ علی کو مددگار مانیئے۔ انشاء اللہ وہی ہمارا پرانا چودہ سو سال کا عقیدہ علیؑ ہمارے معین و مددگار۔ علیؑ ہماری گھُٹّی میں علی ہمارے رگ و ریشے میں۔ انہیں علیؑ کی وجہ سے تو ہم الگ ہوئے ورنہ ہم کہاں نمایاں ہوتے۔ ہم جو نمایاں ہیں انہیں ایک علیؑ کی وجہ سے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مولا علی پہنچے اور فتح کیا۔ ایک دفعہ عرض کر چکا ہوں کہیں کہ خواب دکھایا گیا اس بھارت کی جنگ کے موقع پر اور حضورؐ کا خواب میں بتانا۔ ہمارے تمام روزناموں میں آیا۔ خواب مدینہ طیبہ کے بزرگوں نے دیکھا کہ ہمیں حضور خواب میں آئے ہیں اور فرمایا ہے کہ آج کل میں مدینہ میں نہیں ہوں میں پاکستان کے مسلمانوں کی مدد کے لئے پاکستان جا چکا ہوں۔ میرے ساتھ علیؑ ہیں حسنؑ حسینؑ ہیں۔

میں اپنے مسلمانوں کی مدد کے لئے پاکستان آگیا ہوں جنگ بھارت سے ہو رہی تھی۔ یہ خواب مدینے والے نے دیکھا تھا اور خواب میں شیطان کبھی رسول کی شکل میں آ نہیں سکتا۔ یہاں اخبارات میں سب نے پڑھا ہو گا تو میں نے پڑھ کر ایک نقطہ سوچا۔ میں نے اپنے دل کے مطابق اپنی نوعیت کے مطابق اپنے اعتقاد و جذبات کی وجہ سے یہ سوچا یا رسول اللہؐ آپ آئے مسلمانوں کی مدد کرنے بھارت کے مقابلہ میں مدینہ طیبہ سے تشریف لائے اور مدد کے وقت مولائے کائنات آقائے نامدار۔ رسول مختار آپ اتنا تو بتائیے کہ آپ نجف سے علی کو لے کر کیوں آئے

نجف ہے عراق میں اور مدینہ ہے حجاز میں۔ دونوں ملک الگ الگ تو یا رسول اللہ اتنی دُور سے علیؑ کو لائے مدد کے لئے؟ اور بھی تو تھے آپ کے نزدیک مدینہ میں کسی اور کو کیوں نہیں مدد کے لئے لے آئے؟

اب آپ اندازہ کر لیجئے کہ امیر المومنین صرف مدد کیلئے بنائے گئے۔ قدرت نے ان کو مدد کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک ایرانی نوحہ خواں اس نے ایک بزرگ کے کچھ اشعار پڑھے تھے ان کا ترجمہ صرف ایک شعر کا پیش کرتا ہُوں۔ انہوں نے ایک بات لکھی ہے حضرت امیر المومنین سے خطاب کہ اے کُل کائنات کے مددگار نجف سے کربلا دُور تو نہ تھی۔ ساٹھ میل بھی نہیں۔ اس سے بھی کم۔ مولا زینب پہرہ دے رہی ہیں۔ بی بیوں کے پہرے دے رہی ہیں۔ یہ آپ نے پڑھا ہو گا واقعہ۔

بی بی زینب نے پہرہ دیا۔ رات بھر بچّوں کا پہرہ دیتی رہیں کچھ رات گزرنے کے بعد بچے سو گئے بی بیاں آرام کرنے لگیں۔ لیکن جناب زینب ایک جلی ہوئی چوب قنات ہاتھ میں لیکر پہرہ دے رہی ہیں اتنے میں دیکھا کہ ایک اسپ سوار گھوڑے کو تیز بڑھاتا ہوا آ رہا ہے۔ بی بی نے آواز دی۔ ٹھہر جا۔ رک جا۔ ہمارے بچّوں نے ابھی آرام کیا ہے۔ ابھی ابھی ڈر ڈر کے سو گئے ہیں۔ اگر لوٹنے کا ارادہ ہے تو پھر کل صبح ہو گی۔ ہم بھاگ نہیں جائیں گے۔ ہم تمہاری حراست میں ہیں۔ تم کل صُبح لُوٹ لینا۔ مگر وہ سوار نہ مانا۔ آگے بڑھتا ہوا چلا آیا۔ جب بالکل نزدیک پہنچا تو شیر خدا کی بیٹی نے اپنے ہاتھ گھوڑے کی باگ پر ڈالدئے اور کہا کہ اے شخص میں تجھ سے کہہ رہی ہوں آگے قدم نہ بڑھا۔ ابھی ہمارے بچے سو گئے ہیں۔ بی بیاں تھکی ہوئی کچھ آرام کرنے لیٹ گئیں۔ یہ جو بی بی نے کہا تو سوار نے نقاب الٹ دی اور کہا۔ بیٹی نہیں پہچانا بیٹی میں نجف سے آیا ہُوں۔ تم آرام کرو۔ میں پہرہ دوں گا۔

ان تمام بی بیوں کو صبح کے وقت اسیر کیا گرفتار کر کے کوفہ لے گئے۔ کوفہ پہنچے۔ کوفہ میں دربار سجایا گیا۔ ان بی بیوں اور بچوں کو قیدیوں کی طرح رسیوں میں جکڑے دربار میں لایا گیا ایک

جگہ ان کو بیٹھا دیا گیا۔ بی بیاں حلقہ بنائے ہوئے رسیوں میں بندھی ہوئی: بیچ میں جناب زینب بیٹھی ہوئی ہیں۔

جناب زین العابدین بیمار کربلا ان سے آگے کھڑے ہوئے۔ ابن زیاد نے کچھ گفتگو کی اور اس نے یہ لفظ پڑھے۔ میں وہ جملے ادا کرتا ہوں مگر ایک جملہ میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا کہ اللہ نے حق کو فتح دی باطل پر اور امیر المومنین یزید کو فتح عطا کی اور اس کے بعد ایک لفظ کہا۔ اس جگہ حسین کا لفظ نہیں کچھ اور کہا...... کچھ ایسے جملے کہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عفیف قبیلہ بنی اسد کے وہ کھڑے ہو گئے یہ نابینا تھے۔ ایک آنکھ جنگ جمل میں مولا علیؑ کے ساتھ رہے اس میں تیر لگا ضائع ہو گئی دوسری آنکھ جنگ صفین میں ضائع ہو گئی۔ یہ بڑے عابد و زاہد شیعہ اور اسی مسجد اعظم یہی مسجد کوفہ میں جہاں دربار لگا ہوا ہے۔ اسی میں ہمیشہ رہتے تھے۔ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ رات رات گذار دیتے تھے یہ وہاں موجود تھے دونوں آنکھوں سے معذور ہو کر نابینا ہو چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا یہ کون آئے ہیں؟ سب نے بتایا کہ یہ اہلبیت ہیں جنکو قید کر کے لایا گیا ہے اور جب ان کو پتہ لگ گیا کہ یہ تو میرے پیشوا آل محمدؐ حرم رسول ہیں۔ انہوں نے اُٹھ کر کہا۔ اس نے جو میرے مولا حسینؑ کے لئے کہا تھا۔ میں نے ادا نہیں کیا۔ یہ عبداللہ بن عفیف نے جواب میں کہا۔ الکذاب بن الکذاب۔ تو جھوٹا تیرا باپ جھوٹا۔ جس نے تجھے گورنر بنایا وہ بھی جھوٹا اُس کا باپ بھی جھوٹا۔ تو میرے مولا کو یہ لفظ کہتا ہے۔

غصہ میں آگئے اور جوش میں آ کر کہتے ہیں کہ او تجھے شرم نہیں آتی مومنین کے ممبر پر یہ باتیں اولاد رسولؐ کو قتل کر کے بیان کرتا ہے یہ کہہ کر اس نے ایک آواز دی۔ ہائے کدھر ہیں مہاجر و انصار و بتائیں اس کو کہ یہ ذریت کون ہیں۔ او ظالم تو او کذاب تو ان کو قتل کرے۔ جنکی طہارت کی گواہی قرآن دے۔ آیۂ تطہیر نازل ہو۔ وہ پاک اولاد و ذریت کو تو قتل کرتا ہے۔ اور میرے سامنے فخر کرتا ہے۔

جس وقت یہ لفظ کہے تو عبید بن زیاد جو گورنر تھا۔ اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ جو ہم سے اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ عبداللہ بن عفیف نے کہا۔ او خدا کے دشمن وہ میں ہوں۔ میں ہوں عبداللہ بن عفیف جب یہ لفظ کہے تو ابن زیاد نے حکم دیا۔ اس کو گرفتار کر لو اور میرے پاس لاؤ کچھ لوگ دوڑے گرفتار کرنے جب گرفتار کرنے لگے تو فوراً ان کے قبیلے کے نزدیکی ان کے چچا کی اولاد وہ سب جمع ہو کر آگئے اور کہا او ابن زیاد یہ ہمارے قبیلے کا ہے یہ نابینا ہمارے قبیلے کا ہے۔ ہم اس کو قتل نہیں ہونے دیں گے۔ اس کو چھڑا لیا اور گھر پہنچا دیا۔

لیکن گورنر عبیداللہ بن زیاد پرانا تھا۔ اس نے شب میں لشکر جمع کیا اور کہا کہ جاؤ عبداللہ بن عفیف کو گرفتار کر کے ہمارے پاس لاؤ۔ لشکر تیار ہو کر گیا۔ محمد بن اشعث کی سرکردگی میں لشکر گیا۔ دیکھیئے آپ یہ بھی پڑھیئے گا اور غور کیجئے گا کہ جو لشکر لے کر گیا گرفتار کرنے وہ کس کے نواسے اور پوتے ہیں۔

جس وقت محمدؐ بن اشعث لشکر لیکر گیا تو وہاں بنی ازرق یعنی عبداللہ بن عفیف کے قبیلے کے لوگ بھی آ چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قبیلے کے نابینا کو قتل نہیں ہونے دیں گے۔ دوسرے کے ہاتھوں میں دے دیں یہ نہیں ہونے دیں گے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ شدید جنگ ہوئی۔ کچھ یمنی مومنین وہ بھی ساتھ دینے لگے عبداللہ بن عفیف کا۔

اُدھر سے وہ لشکر جو مصر سے منگوایا گیا تھا شدید جنگ ہو گئی یہ کم تھے وہ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ آخر ان کو شکست ہو گئی۔ یہ قبیلے کتنے سو یا ہزار تھے وہ قتل ہو گئے۔ جب قتل ہو گئے تو لشکر ابن زیاد کو موقع ملا کہ اب چلو گرفتار کرو۔

عبداللہ بن عفیف نابینا کو گرفتار کرنے ہزاروں پیدل اور گھوڑوں پر سواروں نے آ کر گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جب دروازہ پر انہوں نے لات ماری اور توڑا۔ تو عبداللہ بن عفیف کی ایک چھوٹی بچی جو سات سال کی تھی اس نے کہا بابا دشمن آگئے بابا گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آ رہی ہے۔ بابا دشمن اندر آگئے

جب وہ اندر داخل ہونے لگے۔ تو عبداللہ بن عفیف نے کہا کہ بیٹی گھبراؤ نہیں میری تلوار مجھے لاکر دو۔ بیٹی تلوار لاکر دیتے ہی بولی کہ لو بابا کہا کہ دیکھ بیٹی تو مجھے بتاتی رہنا کہ داہنی طرف سے آرہے ہیں یا بائیں طرف سے سامنے آرہے ہیں یا پیچھے سے بیٹی بتاتی جاتی تھی اور یہ جنگ کرتے جاتے تھے۔ بیٹی بتا رہی ہے۔ کہ بابا بائیں طرف سے آگئے اُدھر بڑھ کر حملہ کیا۔ عبداللہ بن عفیف رجز پڑھتے جاتے تھے اور حملہ کرتے جاتے تھے۔ اس وقت ان کی بیٹی بار بار کہہ رہی تھی۔ بابا کاش میں آج مرد ہوتی تو ان دشمنان اہلبیت فاسق وفاجر گروہ سے یادگار قتال کرتی۔ غرض بیٹی بتاتی جاتی تھی اور عبداللہ بن عفیف تلوار کو چاروں طرف گھماتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کاش میری آنکھیں سالم ہوتیں تو ان ظالموں کو جنگ کا مزا چکھا دیتا پھر بھی ۳۳ پیادوں اور پچاس سواروں کو قتل کیا۔ ظالموں نے چاروں طرف سے حملہ کرکے عبداللہ بن عفیف کو گھیرے میں لے لیا اور پکڑ کر باندھ لیا پھر ان کو اٹھا کر ابن زیاد کے دربار میں لے گئے۔

ابن زیاد نے ابن عفیف کو جکڑا ہوا گرفتار دیکھ کر کہا الحمد للہ الذی اخزاک یعنی اس خدا کی حمد جس نے تجھے ذلیل کیا۔ عبداللہ بن عفیف نے کہا اے دشمن خدا اگر میری آنکھیں سلامت ہوتیں تو میں تجھے بتادیتا کہ کس طرح جنگ کی جاتی ہے۔ اور کس طرح تو گرفتار کرسکتا ہے خدا نے تجھے خود ذلیل کیا ہے۔ کہ معذوروں پر ظلم کر رہا ہے۔

ابن زیاد نے کہا تمہارا عثمان بن عفان کے متعلق کیا خیال ہے۔ عبداللہ بن عفیف نے جواب دیا اے ابن مرجانہ عثمان سے تیرا کیا واسطہ انہوں نے اچھا کیا بُرا کیا خود اللہ ان کا اور قوم کا فیصلہ کرے گا اگر کچھ دریافت کرنا ہے تو اپنے باپ اور اپنے بارے میں دریافت کر یزید اور اس کے باپ کے بارے میں سوال کر۔ ابن زیاد نے کہا کہ میں تجھ سے کچھ نہیں پوچھتا تجھے موت کا مزہ چکھاتا ہوں۔ یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف نے کہا الحمد للہ رب العالمین میں نے اپنے رب سے عرض کی تھی کہ مجھے درجہ شہادت

عطا کر دے۔ یہ اُس وقت دُعا کی تھی جب تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور میں نے دربارِ الٰہی میں عرض کی تھی۔ کہ ملعون ترین دُنیا کے ہاتھوں مجھے شہادت نصیب کر مگر جب میری آنکھیں ضائع ہوگئیں تو میں شہادت کی سعادت سے مایوس ہوگیا۔ مگر خدا کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مایوسی کے بعد میری دُعا قبول فرمائی۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ جلد اس کی گردن اُڑا دو۔ جلاد آگے بڑھا اور عبداللہ بن عفیف کا سر گردن سے جدا کر دیا بیٹی ہائے بابا ہائے بابا بابا بے ناصر و مددگار بابا میرے معذور بابا کرتی رہ گئی اور اسیران اہلبیت بی بیوں اور بچوں میں شامل ہوگئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

یہ مجلس اہلبیت کے شان میں اور اہلبیت کی وضاحت کے بارے میں ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱۔ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) :۔ پروردگار عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔ اے رسولؐ کہہ دو۔ یہ بیان کر دو۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ پس تم میرا اتباع کرو۔ جب تم میرا اتباع کرو گے تو اس کا نتیجہ اس کا ثمر۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اللہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔ غفور اور رحیم کے معنی میں بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان کہنا ممنوع ہے یہ لفظ شرعاً درست نہیں ہے اللہ کے لئے یہ لفظ کہنا بڑا مہربان، بڑا بخشنے والا۔ کیونکہ یہ لفظ بڑا۔ تصور چھوٹے کا کراتا ہے لہٰذا اللہ کے باب میں کمی اور زیادتی، بڑا اور چھوٹا، کسی کمال کیلئے یہ تصور بھی غلط ہے۔ اللہ کے بارے میں بس بخشنے والا ہے۔ بڑا کہا تو کس کے مقابلے میں بڑا ہے۔ درحقیقت وہ بخشنے والا ہے۔ اس طرح یہ بھی نہیں کہنا چاہئے اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ بڑا جاننے والا ہے۔ کیا اس کے معنی ہم چھوٹے جاننے والے اور مقابلے میں ہمارے وہ بڑا جاننے والا۔ یہ درست نہیں ہے۔ اسی لئے ترجمہ میں ہم نے یہ لفظ کہا ہے۔ کہ اللہ بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔ (صلوٰۃ)

پروردگار عالم نے ایہ وانی ھد ایہ میں اتباع رسولؐ کی طرف توجہ دلادی ہے۔ اور اتباع رسولؐ کے معنی کیا ہیں؟ حضرتؐ قدم بقدم بانقش قدم پر چلنا یا پیروی کرنا۔ تو حضورؐ کے قول و عمل یعنی دونوں

کے بارے میں پیروی اس کو اتباع رسولؐ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے جن جن بزرگواروں کیلئے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کو قبول کرنا اتباع اور اس میں شک کرنا کفر۔ جو کہہ دیا جس کے بارے میں اس کا اتباع ثابت ہو گیا تو اللہ سے محبت ثابت ہو گئی پھر اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ تو محبوب بھی بن گئے اور محب بھی بن گئے۔ تم اللہ کے دوست بن گئے لہٰذا حضورؐ نے جو کچھ کہا اور جس کے بارے میں کہا اس کو اس طرح مان لینا جیسا کہ فرمایا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہ کرنا یہ ہے اتباع۔ (صلوٰۃ)

اور اگر کہہ دیا کہ یہ کنبہ پروری یا رشتہ داری تھی۔ تو پھر نہ اتباع رسولؐ ہے نہ محبت خدا ہے۔ تو اب حضور سرکار دو عالم نے جن کے بارے میں فرمادیا۔ ھو لاء اھلبیتی۔ ان کو اہلبیت ماننا ایمان ہے جن کے بارے میں کہا۔ اَللّٰھُمَّ ھٰوٗلَاءِ اَھۡلِبَیۡتِیۡ۔ کیوں کہا۔؟ کہہ دیتے لوگوں سے یہی ہیں۔ میرے اہلبیت۔ یہ آپ کو معلوم ہے کب کہا تھا۔ یہ واقعہ یاد دلاؤں تفصیل میں جاؤنگا۔ تو اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ جب چادر میں لے لیا تھا۔ تو آیۂ تطہیر آئی حضورؐ کے دو لقب ہیں مُزَّمِّل۔ مُدَّثِّر۔ مُزَّمِّل کملی والا۔ مُدَّثِّر۔ چادر والا۔

لیکن ہم نے عموماً دیکھا ہے۔ لقب دونوں۔ چادر والا۔ کملی والا۔ اور دونوں قرآن کی آیتیں لیکن نعت خوان۔ قصیدہ خوانوں کو۔ خطیبوں کو وہ جب حضورؐ کا ذکر کرتے ہیں تو کملی والا کہتے ہیں۔ چادر والا نہیں کہتے۔ سوچتا ہوں۔ لقب دونوں حضورؐ کے یہ کملی والا کیوں کہتے ہیں۔ چادر والا کیوں نہیں کہتے۔؟

چونکہ چادر میں حضور اکیلے نہ تھے تو وہ لقب ہی چھوڑ دیا۔ کبھی یہ بھی کہہ دیا کریں اے چادر والے اس کو چھوڑ دیا۔ چادر میں جن کو لے لیا تھا۔ ان کو بھی چھوڑ دیا۔ واقعہ بہت مشہور ہے حضورؐ نے اللہ کے دربار میں عرض کیا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا تو جانتا ہے یہی ہیں میرے اہلبیت جو چادر میں ہیں۔ جو باہر والے ہیں وہ نہیں۔ جو چادر میں ہیں یہی ہیں میرے اہلبیت۔ (صلوٰۃ)

پروردگارِ عالم سے سرکار دوجہاںؐ نے یہ کیوں کہا؟ خدا کو گواہ بنا کر اسکے سامنے کہ تو شاہد ہے اے میرے مالک یہ ہیں میرے اہلبیت اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاۗءِ اَھْلُبَیْتِیْ۔ اللہ کو پکار کر۔ یہ ہیں میرے اہلبیت یہ اس لئے کہا کہ سابقہ پیغمبروں کی آواز عالم میں گونج رہی تھی اور قرآن میں بھی وہ آواز آرہی تھی۔ حضرت نوحؑ نے کہا تھا۔ ان ابنی من اھلی۔ اے خدا یہ میرا بیٹا میرے اہل میں ہے۔ اہل کہا ہے۔ تو اللہ نے جواب میں کہا۔ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ۔ یہ تیرے اہل میں نہیں ہے۔ بیٹے کا انکار نہیں کیا بلکہ اہل میں سے نہیں ہے۔ اہل سے انکار کر دیا۔ چونکہ نوحؑ نے کہا کہ یہ میرا بیٹا میرے اہل میں ہے۔ تو حضورؐ نے اللہ کے دربار میں کہا کہ اگر تیری نظر میں نہیں تو جیسے نوحؑ کے بیٹے کو نکال دیا۔ انہیں بھی نکال دے اس لئے کہا کہ دنیا کو یاد رہے کہ اگر ایسا ہوتا تو پروردگارِ عالم ان چادر والوں کو۔ یعنی اصحابِ کِسا کو نکال دیتا۔ عبا کے معنی چادر ہیں۔ کِسا بھی چادر۔ چادر کو عربی میں عبا کہتے ہیں۔ اور چادر والے آلِ عبا کہلاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ بزرگوار یہ ہیں اہلبیت۔ ان کے سوا اور کوئی نہیں اہلبیت۔ (صلواۃ)

اُس وقت ایک بی بی بھی آئیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نزدیک آئیں۔ اور کہا میں بھی اس چادر میں داخل ہو سکتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا اَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ۔ تم اسی جگہ رہو۔ اندر نہ آؤ۔ بیشک تم نیکی پر ہو۔ لیکن اس چادر میں نہیں آسکتیں۔ روک دیا۔ نیکی کی تصدیق کر دی۔

معلوم ہوا کہ اہلبیت میں وہ نہیں۔ میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں۔ تفاسیرِ قرآن آیۂ تطہیر کے سلسلہ میں وہ بھی پڑھتا رہا۔ تو میں نے دیکھا کہ اللہ نے اہلبیت کو پاک رکھا۔ لیذھب عنکم الرجس رجس کو تم سے دور رکھا آیت میں اِنَّمَا ہے۔ سوائے اس کے نہیں اِنَّمَا کے معنی اس کے سوا نہیں۔

صرف یہ ہے کہ اللہ نے ارادہ کر لیا۔ اے اہلبیت تم سے رجس کو دُور رکھے یہ ارادہ ہے اللہ کا اور ایسا پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ پاک کرے نہیں۔ پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ اور

رجس کو دور رکھے۔ یہاں لفظ ہے عنکم لفظ عن اور لفظ من میں فرق ہے۔ اردو میں ترجمہ "سے" دونوں کا ہے۔ عَنْہُ۔ اس سے مِنْہُ اس سے مِن اور عَن۔ مِن، جُزء بتاتا ہے اور عَن بُعد بتاتا ہے۔ عَن لِلْبُعْدِ یہ بنایا گیا ہے دوری کے لئے۔ رَمَیْتُ السَّھْمَ عَنِ الْقَوْسِ۔ پھینک دیا تیر کو دُور کمان سے، عنکم الرجس ہم نے دور رکھا تم سے رجس کو۔ یہ نہیں کہ آگیا تھا اور پھر ہٹایا۔ ایسا نہیں۔ دور رکھا۔ آنے ہی نہ دیا، اے اہلبیت خدا تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ (صلواۃ)

لوگ کہتے ہیں تطہیر کے معنی پاک کرنا۔ پاک کرنا بھی درست ہے۔ کرنا کے لئے جتنے بھی اقوال ہیں وہ ایجادِ فعل کے لئے بھی اور استمرارِ فعل کے لئے بھی یہ علمی بحث ہے جو اصول فقہ میں بحث آئی ہے اس میں استمرارِ فعل اور ایجادِ فعل دونوں کے لئے امر آتا ہے۔ پاک کرنا جب نہ ہو پاک تو اس کو پاک کرنا یہ ایک معنی اور پاک ہے اس کو پاک رکھنا یعنی نجس نہ ہونے دینا یہ بھی ایک معنی۔ ایجادِ فعل و استمرارِ فعل دونوں معنی ہیں۔

تو اب اللہ نے جب پہلے کہہ دیا کہ رجس کو تم سے دُور رکھا تو یہ معنی کہ پاک کرنا غلط۔ جب رجس آیا ہی نہیں۔ نجس ہوا ہی نہیں تو یہ ترجمہ غلط کہ پاک کرے کیونکہ وہ تو پہلے کہہ چکا کہ رجس کو دور کر دیا۔ آنے نہ دیا، پاک کہہ دیا۔ بلکہ اس طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ اس کی مثال لوگ طلب کرتے ہیں۔ تو قرآن مجید کی آیت پڑھ دوں۔

خدا فرماتا ہے ہم نے تاکیدی حکم دیا۔ امر کو حکم کہتے ہیں۔ ہم نے تاکیدی حکم دیا۔ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو۔ وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ۔ ہمارے گھر کو پاک رکھو۔ بنایا دونوں نبیوں نے۔ نجس کہاں۔؟ دو نبیؑ ہیں بنانے والے۔ ایک گارا دینے والا ایک پتھر لگانے والا۔ ایک ذبیح اللہؑ ایک خلیل اللہؑ ان دونوں نبیوں نے بنایا۔ اور جب دونوں پاک و پاکیزہ نبی۔ اور جب بن چکا تو خدا کہتا ہے۔ پاک رکھو۔ لہذا پاک کرو کا ترجمہ غلط ہے۔ اس سے سابق نجاست کا وہم پیدا ہوتا ہے

لہذا پاک کرو غلط ہے۔ کیا بننے میں کوئی نجاست آگئی تھی۔ ؟ مطلب یہ ہوا کہ اب جب تم نے بنا لیا ہے تو اسے پاک رکھو۔ یہ تاکیدی حکم دیا کہ اس کو پاک رکھو۔ طائفین کے لئے جو طواف کریں گے۔ جو اعتکاف کریں گے۔ کچھ رکوع کچھ سجود کرنے والے ان کے لئے اسے پاک رکھو۔ حکم دیا۔ تو اب نجس نہیں ہو سکے گا کیونکہ اللہ نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو خود حکم دیا پاک رکھو اور جب دوسرے کو حکم دیا کہ اس گھر کو میرے پاک رکھو تو خود قطعاً نجس نہیں کرے گا۔ کیونکہ پیغمبروں کو کہہ رہا ہے کہ پاک رکھو۔ تو اب خود نجس نہیں کریگا تو جس کو دیوار میں شگاف دیکر اندر پیدا کر دیا وہ بھی پاک ہوگا۔ نجس نہیں ہو سکتا۔ (صلواۃ)

یہ تو قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور امام المحدثین شاہ ولی اللہ دھلوی نے ازالۃ الخفأ میں یہ جملے لکھے ہیں۔ قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ عَلٰی اَنَّ عَلِیًّا وُلِدَ فِیْ جَوْفِ الْکَعْبَۃِ۔ کہتے ہیں اخبار متواترات سے ہے یعنی یقینی ہے متواتر جانتے ہیں آپ یعنی تواتر کس کو کہتے ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز چلی خبر اور راستہ میں چلتی چلتی آئی اور اس چیز کے خلاف اور کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کا انکار نہیں آیا۔ اور آپ تک پہنچ گئی۔ اسکو کہتے ہیں متواتر۔ آپ کو معلوم ہے لندن ایک شہر ہے یعنی لندن ہے۔ چلی خبر اور لندن سے انکار نہیں ہوا چاہے آپ نے دیکھا نہ ہو۔ مگر یقین ہے کہ ہے۔ خبر متواتر تو لندن کو تو مان لیا کہ ہے کیونکہ خبر متواتر ہے تو علی کا پیدا ہونا کعبہ میں یہ بھی تو متواتر ہے انکار نہیں ہوا۔ امام المحدثین فرماتے ہیں۔ علی وسط کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اللہ نے دیوار میں شگاف دیکر ایک بچہ کو پیدا کرا دیا تھا۔ ماننا پڑیگا کہ وہ آپ کی طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح آپ پیدا ہوئے اور خدا نے یہ بتا دیا کہ جب نبی کا جانشین اپنی ولادت میں طیب و طاہر تو جس کا جانشین ہے وہ کیسا ہو گا۔ ؟

حضرات! اگر بشیر کی یہ بات سن لیں۔ تو جھ سے سن لیں تو پیدائش کے بعد علیؑ کے آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں کہ جب یہ بچہ باہر آگیا تو اس کی ماں کو پاک کیا گیا یا کعبہ کو پاک کیا گیا یا دھویا گیا۔

اچھا تو حسینؑ کی پیدائش بھی سن لیجئے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو حضورؐ نے فوراً ام ایمن سے یہ لفظ کہے لا جلدی سے میرے بچے کو۔ ام ایمن نے کہا۔ ابھی تو پیدا ہوا ہے بچہ۔ ابھی میں نے اس کو پاک نہیں کیا، نہلایا نہیں تو آپ نے فرمایا۔ اَنْتِ تُطَھِّرِیْنَہٗ اَللّٰہُ طَھَّرَہٗ۔ اے ام ایمن تو پاک کرے گی۔ کیا تو پاک کرے گی۔ اللہ نے خود اس کو پاک پیدا کیا ہے (صلواۃ)

غرض یہ درمیان کے جملے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لفظ تطہیر پاک رکھنے کے لئے بھی ہے اور پاک کرنے کے لئے بھی اور اس کا مفعول مطہر اور مطہرہ مذکر و مؤنث قرآن میں بھی آیا ہے۔ جنت میں ازواج ملیں گی۔ زوجہ۔ بی بیاں ملیں گی مطہرہ۔ تو کیا ترجمہ کیجیئے گا۔ نجاست سے پاک کی ہوئی یا پاک رکھی ہوئی۔

جنت میں آئی کہاں سے نجاست جو پاک کی جائیں۔ غرض کہ قرآن مجید میں الفاظ مطابق کلام عرب ہیں۔ اچھا یہ طے ہو گیا۔ اب اللہ جس کو پاک کر دے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس میں رجس نہ آئے گا۔ رجس کسے کہتے ہیں۔ قرآن مجید پڑھیے۔ خداوند تعالیٰ نے رجس بتائے ہیں۔ کیا کیا رجس ہیں۔ شراب، جوا، تیراندازی، وغیرہ شرطیہ طور پر جو مقابلہ کیا جائے جس کو ریس کہتے ہیں۔ آج کل مقابلہ میں شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ روپیہ دیا جاتا ہے اور اگر یہ شرط جیت گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ سب رجس ہیں۔ اور اس کے بعد ایک اور آیت پڑھ دوں۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ خدا فرماتا ہے کہ بتوں سے بچو یہ رجس ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بُت بھی رجس ہیں۔ جوا شراب بھی رجس ہے کوئی کھیل شرط باندھ کر کھیلنا بھی رجس ہے۔ یہ سب رجس ہیں۔ تو اہلبیت وہ ہیں جن سے تمام یہ ارجاس دُور ہوں گے۔ عن کا لفظ دُور کے لئے ہے۔

(صلواۃ)

تو یہ کمالات اہلبیت میں ہونے چاہئیں کہ نہ کبھی شراب پی ہو نہ کبھی بتوں کی پرستش کی ہو۔ نہ جوا

وغیرہ۔ ان سب سے پاک ہوں۔ یہ سب رجس ان سے دُور ہوں۔ اب تطہیر کے لئے اس کے بار
میں ایک لفظ کہتا ہوں زیادہ تشریحات کا عادی نہیں اور اپنے برادران اہلسنت سے بھی خطاب عام
پر نہیں کیا کرتا بلکہ میں تو دونوں بھائیوں سنّی شیعوں سے عام طور پر کہا کرتا ہوں میں یہ گذارش کروں
کہ اس تطہیر کی آیت میں بیت ہے۔ بیت ایک گھر۔ صرف ایک گھر۔ کئی گھر نہیں۔ اگر اس میں ازواج کو شامل کیا
جائے۔ تو اہل بیت نہیں کہہ سکتے بلکہ اہل البیوت کہیں گے۔ گھروں والیاں۔ جب قرآن نے کہا تھا
فرماتا ہے۔ "یَانِسَاءَ النَّبِیِّ" اے نبی کی بی بیوں قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ۔ تم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھی رہو
معلوم ہوا کہ ایک گھر نہیں۔ بیوت جمع کہا ہے۔ اور یہاں پاک کیا ہے ایک گھر کے اہل کو لہذا بی بیاں اس
آیت میں نہیں آسکتیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے تطہیر کا لفظ جہاں اپنی طرف منسوب کیا ہے وہ
میں پڑھتا ہوں۔ تو آپ جس کو چاہیں اُس بی بی کو آیہ تطہیر میں لے آئیے۔ مجھے تو انکار نہیں۔ مگر جب
قرآن کی آیت اجازت نہ دے تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس آیت میں بی بیوں کو لائیں۔ کیونکہ جن کے
لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ اب میں وہ آیت پڑھتا ہوں۔ بی بی مریمؑ کے لئے۔ اے مریمؑ ان
اللہ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ۔ اے بی بی مریمؑ خدا نے تجھے چنا اور تجھے پاک رکھا۔ خدا نے اس
بی بی کے لئے کہا۔ تجھے پاک رکھا۔ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ کبھی نجاست چھو نہ سکی بی بی مریمؑ کو
جو ہر عورت کو ہر مہینے ہوتی ہے۔ اور اسی لئے بتول کہلائیں۔ تو اب اس آیت تطہیر میں وہ آسکتی ہے
جس کو کوئی نجاست چھو نہ جائے وہ بی بی اس میں آسکتی ہے۔ اور حضورؐ نے صاف فرمایا کہ یہ ہیں میرے
اہل بیت۔ چادر میں لے کر فرمایا ہے۔ میں نے اسی سلسلہ میں جو کہ میرے عزیز بھائی نے توجہ دلائی تھی
حدیثیں بھی پیش کروں۔ خاص خاص طور پر تو میں اس وقت پیش کرتا ہوں۔ اور کئی آیتیں قرآن مجید کی
کی ہیں لیکن آج ایک حدیث پڑھتا ہوں۔ توجہ سے سُنئے گا۔ اس حدیث کے مطالب و نتائج پر میری
ختم ہوگی۔ (صلواۃ)

صحابی رسول زید ابن ارقم سے نقل ہے (یہ حدیث صحیح مسلم دوسری جلد میں غالباً اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو صفحہ دو سو اسی (۲۸۰) پر میں نے طالبعلمی کے زمانے میں یہ حدیث پڑھی تھی) زید بن ارقم حضورؐ کے صحابی اور اتنے بزرگ صحابی کہ تمام بعد والے اصحاب انہیں بزرگ سے حضورؐ کی حدیثیں دریافت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ سب سے زیادہ یہ صحبت میں رہے اور ان کو زیادہ حضورؐ کی احادیث یاد تھیں۔

چنانچہ آخری عمر میں لوگ پوچھتے تھے وفاتِ رسولؐ کے بعد آپ ہی سے آکر ایک مرتبہ زید بن ارقم نے کہا کہ بے شک آپ مجھ سے حدیثیں دریافت کریں۔ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کچھ حدیثیں بھول چکا ہوں۔ ان کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دیں۔ جن کو میں بھول چکا ہوں۔ لیکن جو یاد ہیں وہ بیان کروں گا۔ یہ لفظ میرے یاد رکھنا کبھی کوئی کہہ دے کہ بڑھاپے کی بات تھی۔ اس حدیث کے بارے میں یہ کہہ دے (کہ جو میں پڑھوں گا) بھولے سے لفظ بدل گئے ہوں۔ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ جتنا مجھے یاد ہے۔ اتنا ہی بتاؤں گا۔ تو پوچھنے والوں نے پوچھا کہ یہ اہلبیت کے بارے میں رسولؐ نے کیا کہا۔ اہلبیت کون ہیں۔ کیا فرمایا حضورؐ نے اور آپ کیا سمجھے؟

زید بن ارقم نے کہا۔ میں ساتھ رسولؐ کے اس وقت جب مکّہ و مدینہ کے درمیان مقام خُم کے قریب ایک تالاب کے پاس کہ نام اس کا خُم ہے اور وہ تالاب غدیر ہے یعنی غدیر خُم۔ تو حضورؐ نے خطبہ دیا۔ میں نے دیکھا اور سُنا غدیر خُم میں حضرتؐ نے اللہ کا ذکر کیا۔ حمد کی اس کی ثناء کی۔ اس حمد و ثناء خدا کے بعد لوگوں سے کہا کہ اب میں جانے والا ہوں اللہ کے دربار میں۔ آخری عمر ہے آج میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں تم میں دو چیزیں وزنی چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب۔ نور اس میں روشنی ہے۔ اس میں ہدایت ہے۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں وا اہلبیتی دوسری چیز اہلبیت ایک قرآن یعنی اللہ کی کتاب۔ دوسرے اہلبیت میرے۔ میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں اپنے اہلبیت کے لئے کہ خدا کو سامنے رکھ کے میرے اہلبیت کا خیال رکھنا۔ خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ میرے

اہلبیت کے بارے میں تین مرتبہ یہ لفظ کہے۔ (صلوٰۃ)

صحابی رسول ابو حریان رضؓ ان سے بھی روایت ہے۔ حصین بن ثمرہ رضؓ ان سے بھی روایت ہے یہ تین چار راوی صحابی ہیں۔ زید بن ارقم سے راوی پوچھتا ہے مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ نِسَآئُهٗ جن کے بارے حضورؐ نے فرمایا ہے کیا اہلبیت میں ازواج بھی ہیں۔ جب یہ پوچھا انہوں نے کہا۔ نہیں ازواج نہیں پھر ایک لفظ کہتے ہیں۔ عورت جو ہے یعنی بی بی جب تک مرد رکھے وہ رہتی ہے۔ اور جب طلاق دیدے تو وہ اپنے اہل میں چلی جاتی ہے۔

یہ دلیل بیان کرکے زید بن ارقم رضؓ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اہلبیت ان کے وہ ہیں جو حضورؐ کی پیدائش و خلقت میں جڑیں ہیں۔ یعنی حضرتؐ کے اجزاء ہیں۔ جو حضور کے اجزاء ہیں۔ اور رگ اور پٹھے ہیں۔ جن میں خون و گوشت ہے۔ اور رگوں میں اثر رکھتے ہیں۔ جس طرح شاخوں۔ پتوں میں۔ تنے سے تعلق ہوتا ہے اور وہ ان کے رگ و خون، پٹھوں سے منسلک ہوتے ہیں اور اس کے بعد ایک لفظ آخری اس حدیث کا وہ ہیں جن پر صدقہ حرام کر دیا گیا ہے۔ (صلوٰۃ)

معلوم ہوا کہ اب اہلبیت کی تعیین ہو گئی حدیث سے: (صحیح مسلم شریف سے بھی) قرآن سے بھی عقلی دلائل سے بھی۔ اور اب یہ تو آخری بات ہوگی۔ وہ ہیں اہلبیت حضورؐ کے جن پر صدقہ حرام ہو گیا صدقہ کیوں حرام ہے؟ اس کی تشریح آل محمدؐ نے یوں فرمائی ہے۔

(صلوٰۃ)

صدقہ اس لئے حرام ہے کہ یہ لوگوں کے ہاتھوں کا میل ہے۔ اور جن پر درود و سلام ہو وہ میل نہیں کھا سکتے۔ تو اب معلوم ہوا کہ جن پر درود و سلام ہو ان پر صدقہ حرام ہے ہم چودہ سو سال سے یہی درود و سلام پڑھ رہے ہیں۔ اہلسنت و شیعہ دونوں بھائی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ یا وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ کوئی فرق نہیں معنی ایک ہی ہیں۔ محمدؐ پر رحمت اور آل محمد پر رحمت خدا بھیج۔ یہ درود و سلام ہم نے کن سے لیا۔ صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث ہے کہ اصحاب کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ جب نماز فرض ہوئی تو نماز کے معنی آپ نے ہمیں بتائے کہ اس طرح پڑھو جب روزہ فرض ہوا تو بتایا کہ اس طرح روزہ رکھو۔ حج یوں کرو زکوٰۃ وغیرہ اس طرح دیا کرو وغیرہ وغیرہ۔ اب، درود کی آیت آئی ہے۔ کہ درود و سلام بھیجو تو ہم کس طرح صلوٰۃ بھیجیں۔ (صحیح بخاری میں) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ یہ لفظ انہوں نے لکھے ہیں۔ تو اب دونوں بھائی مانتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات پڑھتے ہیں۔ تو آیۂ درود جس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ایمان والو درود و سلام بھیجو، ہم بھیج رہے ہیں۔ اور اب تک نہیں بدلا۔ ہم دونوں بھائی یہی پڑھتے ہیں۔ قطعاً نہیں بدلا۔ نماز میں یہی پڑھ رہے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ تو اب ایک لفظ کہتا ہوں۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ قرآن میں آیا ہے۔ درود کا ذکر ہے۔ تو ہم سب نے حضورؐ سے لیا۔ اور اس پر عمل کیا اور آج تک عمل ہے کہ نمازوں میں ہم درود و سلام بھیج رہے ہیں۔ اور وہاں محمدؐ و آل محمدؐ یہی لفظ ہیں کوئی اضافہ نہیں۔ کسی نے آج تک نہیں بدلا۔ دونوں بھائیوں کا عمل ہے۔ اتنی مدت سے حضورؐ کی تعلیم قبول اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح درود و سلام بھیجتے رہیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ درود کی جو آیت آئی تھی جس میں اللہ نے درود کا حکم دیا تھا۔ اس سے مراد محمد و آل محمدؐ ہیں۔ تو آپ سمجھ گئے کہ درود و سلام محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے مخصوص ہو گیا۔ لیکن ازواج و اصحاب کا ذکر درود میں نہیں ہے۔

نہ کرو میلاد شریف نہ کرو مجلس حسینؑ۔ نماز تو پڑھو گے نماز میں تمہیں یہی درود پڑھنا پڑے گا یہ ہے آل محمد کیلئے اور اصحاب کرام کیلئے قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ

نے کیا فرمایا ہے ارشادِ قدرت ہے۔ اصحاب کے لئے رضی اللہ عنہم۔ اللہ اصحاب کرام سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اصحاب کیلئے۔ رضی اللہ ہے لہٰذا اصحاب کے لئے رضی اللہ مخصوص کر دیا گیا۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے درود و سلام یعنی صلے اللہ مخصوص۔ (صلوٰۃ)

نواب بشیر ایک بات کہتا ہے۔ قرآن نے تخصیص کر دی کہ آلِ محمدؐ صلی اللہ میں داخل اور اصحابِ محمدؐ رضی اللہ ہیں۔ اب رضی اللہ کو صلی اللہ نہ بناؤ۔ اور صلی اللہ کو رضی اللہ نہ بناؤ۔ نص واقع ہو گئی ہے، منصوص من اللہ ہے۔ درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے مخصوص اور رضی اللہ مخصوص اصحاب کرام کے لئے۔

نواب بشیر ایک گذارش کرتا ہے کہ اگر آپ حضرات۔ حضرت ابو بکر کو بھی رضی اللہ حضرت عمرؓ کو بھی رضی اللہ حضرت عثمان کو بھی رضی اللہ حضرت علی کو بھی رضی اللہ۔ حضرت حسنؑ کو بھی رضی اللہ حضرت حسینؑ کو بھی رضی اللہ حضرت ام المومنین کو بھی رضی اللہؓ۔ حضرت فاطمہ کو بھی رضی اللہ کہیں گے تو جب یہ سب ہی رضی اللہ ہو گئے تو صلی اللہ الگ کر کے دکھاؤ اور بتاؤ کہ وہ صلی اللہ کون ہیں؟ جن پر پروردگار عالم نے درود و سلام بھیجا ہے۔ سب کو تو رضی اللہ کر دیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ۔ جب یہ سب ہی رضی اللہ ہو گئے یہ لفظ تو اخبار میں پڑھ کر میرا دل جل جاتا ہے۔ کلیجہ کباب ہو جاتا ہے۔ خدا صلی اللہ کہے وہ درود میں حضرت امام حسینؑ کو داخل کرے۔ اور اگر حسینؑ بھی صلی اللہ میں نہیں اور آلِ محمدؐ نہیں۔ جن پر درود و سلام ہے۔ تو پھر آلِ محمدؐ کا وجود ہی نہیں؟ یا پھر تعارف کراؤ۔ اور اگر ہے تو پھر ان کے نام بتاؤ اور ان پر درود و سلام بھیجو۔ ورنہ پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے۔ سیدنا امام حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ کہنے کا۔؟ یہ رضی اللہ کی زحمت اور سند آپ کیوں گوارہ کرتے ہیں؟ رضی اللہ کہنے والے صلی اللہ کی تلاش کر کے بتائیں؟ ورنہ حشر میں جواب دہی کے لئے تیار رہیں۔ رضی اللہ ایک دُعا ہے کہ اللہ راضی ہو۔ اور جن پر درود و سلام خود بھیجتا ہے کیا معنی ہوئے کہ اللہ راضی نہیں

ہوا؟ خود درود و سلام بھیج رہا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں اور تم بھی درود و سلام بھیجو۔

(صلوٰۃ)

بس ایک آخری جملہ کہہ رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے عملی طور پر بتایا میں نے یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں پڑھی۔ ایک ٹوکرا آیا کھجوروں کا تازہ تازہ رس ٹپکتا ہوا۔ اصحاب کرام بھی بیٹھے ہیں علیؑ بھی حسنؑ و حسینؑ بھی موجود۔ حضورؐ نے پوچھا۔ یہ جو کھجوریں تم لائے ہو۔ یہ تم صدقہ کی لائے ہو۔ یا ہدیہ نذرانہ کے طور پر لائے ہو۔ اس نے کہا یہ میرے باغ کا صدقہ ہے۔ صدقہ نکالا ہے: تاکہ باغ کو کوئی بیماری نہ لگ جائے۔

حضورؐ نے دونوں ہاتھوں سے ٹوکرے کو اٹھایا اور فرمایا۔ لو میرے اصحاب کھاؤ۔ ہم پر صدقہ حرام ہے۔ تم پہ حلال ہے۔ چیز ایک ٹوکرا ایک اس میں کھجوریں ہیں۔ لیکن جب نسبت دی جائے۔ تو ایک طرف حلال اور ایک طرف حرام۔ اصحاب محمدؐ کھائیں تو حلال۔ آلِ محمدؐ کے لئے حرام۔ تو حلال و حرام کا فرق ہے۔ آلِ محمدؐ و اصحاب محمدؐ میں۔ اور اگر ہدیہ نذرانہ ہوتا تو آلِ محمدؐ کے لئے حلال تھا۔

(صلوٰۃ)

تو پھر کیوں کہتے ہو کچھ فرق نہیں ان چاروں میں؟ آپ یہ کوشش نہ کیجئے۔ آپ صلی اللہ کو صلی اللہ کے مقام پر رکھیئے۔ اور رضی اللہ کو رضی اللہ کے مقام پر رکھیئے۔ مقام اہلبیت۔ صلی اللہ ان پر صدقہ حرام ہے (صلوٰۃ)

وہ لفظ ہم بھول نہیں سکتے اور کیا کوفہ و شام والے بھول سکتے ہیں۔ جو بی بی ام کلثوم نے کوفہ کے بازار میں فرماتے تھے۔ کہ جب تماشہ دیکھنے والیاں چھتوں پر بیٹھی تھیں اور قیدی گذر رہے تھے بازار سے مسلم حصباص کا بیان ہے حصباص کہتے ہیں راج کو جو دیواریں۔ مکان بنانے والا ہے۔

وہ کہتا ہے میں ایک مکان کی تعمیر کر رہا تھا۔ میرے ساتھ مزدور کام کر رہے تھے ایک مرتبہ میں نے آوازیں سُنیں۔ وہ کہہ رہے تھے۔ آؤ لوگو قیدیوں کا تماشہ دیکھو۔ وہ کہتا ہے کہ میں آیا کہ یہ کون قیدی ہیں جن کا تماشہ دیکھنے دُنیا جا رہی ہے۔ لوگ جا رہے ہیں۔ سہل بن سعد رسولؐ کے صحابی کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے کانوں سے حضورؐ کو فرماتے سُنا ہے۔ حضورؐ کہتے ہیں۔ اے مسلمانوں کبھی تمہارے شہر میں قیدی آ جائیں تم انکا تماشہ نہ دیکھنا۔ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔

میں یہ عرض کروں یا رسول اللہؐ آپ یہ نہ کہہ سکے کہ زینبؑ و کلثوم کا تماشہ نہ دیکھنا فرما دیا اے مسلمانوں قیدیوں کا تماشہ نہ دیکھنا۔ دوسری حدیث۔ سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی قید ہوتے ہیں۔ اور بی بی بچوں کے وارث مر جاتے ہیں۔ وہ یتیم ولاوارث ہو جاتے ہیں۔ تو اس نے کہا۔ میں نے ایک دوسری حدیث بھی سُنی ہے۔ حضورؐ سے اپنے کانوں سے کیا لفظ تھے؟ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ اولاد والوں کو (نہ جانے اس مجلس عزا میں کتنے اولاد والے بیٹھے ہوں گے) حدیث سنو اور اس پر عمل کرو۔

حضورؐ فرماتے ہیں اے اولاد والوں اگر کوئی یتیم موجود ہو تو اس کے سامنے اپنے بچوں کو پیار نہ کرنا یتیم کو یاد آئے گا۔ میرا بابا ہوتا مجھے گود میں بٹھاتا۔

مسلم حصباص کہتا ہے کہ میں گیا جب اپنے کام کو چھوڑ کر روانہ ہوا کہ میں بھی دیکھوں کہ بازار میں کیا ہے؟ کچھ میرے مزدور ساتھ تھے۔ کچھ کام پر چھوڑے۔ جب میں بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ کچھ سر نیزوں پر ہیں۔ کوئی جوان ہے کوئی چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ میں نے ایک آگے نیزہ اس پر جو سر ہے وہ قرآن کی تلاوت کرتا آ رہا ہے۔ میں نے اتنے سر دیکھے۔ دیکھکر آگے بڑھا۔ ایک اونٹ تھا جس پر بچے رسیوں سے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ان کے سروں پر خاک پڑی ہوئی۔ ان کا لباس بوسیدہ قمیض پھٹی ہوئی گرد و غبار میں اٹے ہوئے۔ چہرے زرد اونٹوں پر بیٹھے ہوئے۔ ایک بی بی ان کو سنبھالے ہوئے کہ بچے گر نہ جائیں۔ جب وہ اونٹ یتیموں والا ایک چھت کے نیچے آیا اس پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ اس کی گود

میں ایک بچہ تھا جو اُسے بڑی منتوں کے بعد ملا تھا۔ یہ عورت نیچے اتری اور اپنی گود میں کچھ کھجوریں بھر کر لائی۔ یتیموں والا اونٹ آگے آگے آ رہا تھا۔ اس عورت نے اُوپر سے کھجوریں دونوں ہاتھوں سے اپنے بچہ کے اوپر سے صدقہ کر کے ان کھجوروں کو نیچے پھینکا۔ ان یتیموں پر۔ جب کھجوریں نیچے گریں تو بچوں نے کھجوریں دیکھیں۔ ام کلثومؑ نے دیکھ لیا۔ اور فوراً بی بی ام کلثومؑ نے چُن چُن کر ایک ایک دانہ واپس چھت پر پھینک دیا۔ اور دونوں ہاتھ اونٹ کی کمر پر ٹیک کر ذرا اٹھیں اور کہا۔ یَا اَهْلَ الْكُوفَةِ وَالشَّامِ اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ۔ اے کوفہ و شام والوں صدقہ ہم پر حرام ہے۔

جب یہ لفظ کہے تو چاروں طرف سے جتنی بی بیاں اوپر تماشہ دیکھنے والیاں تھیں ان سب نے یہ لفظ سُنے۔ ایک مرتبہ سب نے آواز دیکر کہا۔ او قیدی بی بیوں تم کون ہو؟ اِنَّمَا الصَّدَقَةُ حَرَامٌ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ۔ صدقہ تو آلِ محمدؐ پر حرام ہوتا ہے۔ تم کون ہو؟ اس وقت بی بی زینبؑ نے خطبہ پڑھا۔ اور کہا گواہی دو اسلام کی ان سب نے پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب انہوں نے پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو بی بی زینبؑ نے آواز دے کر کہا۔ اے تماشہ دیکھنے والیوں۔ محمدؐ میرا نانا ہے یا تمہارا نانا ہے؟ جب یہ کہا تو چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ ارے یہ علیؑ کی بیٹی فاطمہ کی لخت جگر نواسی رسول زینب تو نہیں ہے؟ جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ شریعت اسلام جس کے گھر سے جاری ہوئی۔ چاروں طرف ایک کہرام برپا ہو گیا۔ گریہ و زاری کی آوازیں آنے لگیں۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ
يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَ یَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) ارشاد رب العزت ہے۔ اے میرے حبیب تم اعلان کر دو۔ لوگوں کو بتادو۔ یہ کہہ دو لوگوں سے۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت چاہتے ہو فَاتَّبِعُوۡنِیۡ تو میرا اتباع کرو۔ میری پیروی کرو۔ میرے نقش قدم پر چلو۔ تو خدا کی محبت حاصل ہو گی۔ اور صرف یہی نہیں کہ جب میری پیروی کر لو گے تو تمہاری محبت ثابت ہو گی۔ اللہ سے (کیونکہ میں اللہ کا ہوں اور تم نے مجھ سے محبت کی ہے۔ تو تمہاری محبت اللہ سے ثابت ہو گئی) بلکہ اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا۔ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ۔ خدا تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا وہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔

(صلواۃ)

محبت کیا ہے۔ اس پر روشنی ڈالنا اس وقت میرے موضوع سے بالکل جداگانہ ہے۔ میرے لیے موضوع مجالس ہے مقام اہلبیت۔ لیکن چونکہ کئی روز سے یہ سوال آرہا ہے۔ اور انتہائی کوشش ہے۔ لوگوں کی کہ اس کا جواب دیا جائے۔ بعض پرچوں میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ شاید آپ کو پرچہ پہنچا ہی نہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ میں جواب کسی دن دونگا۔ اب چند لفظوں میں اس کا جواب پیش کرتا ہوں۔

(صلواۃ)

سوال یہ ہے کہ چھریوں اور زنجیروں سے ماتم جائز ہے۔ یا ناجائز؟ اور تاکید یہ ہے کہ قرآن سے ثابت کیا جائے۔ بار بار یہی تقاضا ہے۔ تو آج میں قرآن ہی سے ثابت کرتا ہوں۔ اور میں تمام مسلمانوں کو

دعوت دیتا ہوں۔ کہ میرے اس مضمون پر غور کریں۔ کہ میں نے قرآن سے جو کچھ اخذ کیا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اعتراض میرے اس مضمون پر ہو تو وہ مجھے کل مجلس سے پہلے بتادے: تاکہ میں اس کا جواب دے سکوں۔ (صلواۃ)

قرآن مجید میں پروردگار عالم نے حضور کے قول کو اور حضور کے فعل کو اپنا فعل و قول کہا ہے۔ اور حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت۔ حضور کی بیعت کو اپنی بیعت بتایا ہے۔ یہ فطری طور پر ایک لازمہ ہے کہ انسان کسی کا محکوم ہونا پسند نہیں کرتا یہ فطرت ہے۔ اگر بالجبر آپ نے اس کو محکوم بنا لیا۔ تو جب تک جبر رہے گا۔ یہ محکوم رہے گا۔ اِدھر جبر ہٹا اُدھر آزاد ہو جائے گا۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اس فطرت کا جواب فطرت سے دے۔ اس کو محکوم بنائے جو محکوم نہیں بننا چاہتا فطرت میں حاکمیت ہے محکومیت کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ نے چاہا کہ فطری طور پر اس کو محکوم بنادیا جائے تو اس کا طریقہ قدرت نے کیا اختیار کیا۔ قرآن کی بکثرت آیتوں میں ہے کہ تم میرے رسول سے محبت کرو۔ اور تمام چیزوں سے زیادہ میرے رسول کی محبت ہو۔ مثلاً مال وغیرہ وغیرہ سے قرآن مجید کی آیتوں میں حضور کی محبت فرض کر دی گئی۔ اور جب محبت فرض۔ تو جب آپ کو محبت ہو جائے گی۔ فطرت چاہیے گی کہ اس کے محکوم بنیں۔ آپ چاہیں گے۔ کہ اس کے چشم و ابرو کے اشارے پر چلیں۔ تاکہ محبوب میرا خوش ہو جائے مجھ سے راضی ہو جائے۔

اللہ نے فطرت کے مطابق حضور کی محبت واجب کر دی۔ یہ ایک مقدمہ ثابت ہو گیا۔ اور جب حضور نے اللہ تعالیٰ کے تمام پیغامات پہنچا دیئے۔ رسالت مکمل ہو چکی۔ تو اہل مدینہ آپ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوئے۔ کُل اہل مدینہ اپنے ہاتھوں میں زر و جواہر کی تھیلیاں لیکر آئے کوئی اپنے باغ کا ہدیہ کوئی ہبہ نامہ کہ یہ باغ حاضر ہے۔ کوئی زمین کوئی جائیداد کوئی اموال وغیرہ غرض کہ تمام مال دنیا لیکر آئے اور عرض کی کہ آپ نے بیشک ہمارے لئے بے حد تکلیف اٹھائی۔ آپ نے ہمیں جہنم سے نکالا جنت کا

راستہ دکھایا۔ ہم آپس میں دشمن تھے۔ آپ نے بھائی بھائی بنایا۔ بہت زحمتیں اٹھائیں۔ تکلیفیں برداشت کیں ہم یہ جو کچھ پیش کر رہے ہیں۔ یہ قبول فرمائیے۔ یہ معاوضہ قبول کر لیجئے۔ آپ خاموش تھے۔ اور وہ تمام چیزیں رکھی تھیں۔ وہ تمام مال و دولت جو لاکر پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا کا حکم جب تک نہ ہو میں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ تو اللہ کی طرف سے یہ آیت آئی۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ)

(ترجمہ) اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں کوئی اجرت یا معاوضہ اپنی تکلیفوں کا جو میں نے رسالت تمہیں پہونچانے میں اٹھائیں نہیں چاہتا لیکن یہ مودت میرے قریبوں کی میرے اہلبیت کی محبت معاوضہ ہو سکتا ہے۔ میری تکلیف کا یہ مال و دولت معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا اللہ کی طرف سے محبت اہلبیت فرض کر دی گئی۔

اس کو امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

يَا اَهْلَبَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ　　فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ　　مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

(ترجمہ) اے اہلبیت رسول تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض کر دی گئی۔ اور قرآن میں نازل کر دی اللہ تعالیٰ نے کہ تمہاری محبت فرض ہے۔

تو اب رسول کی بھی محبت فرض اور اہلبیت کی محبت بھی فرض اور کل مسلمانوں کا ایمان بلکہ یہاں تک کہ جو ان سے محبت نہ رکھے اہلسنت بھائی بھی اس کو مسلمان نہیں کہتے۔ چاہے وہ رسول کی محبت ہو چاہے وہ اہلبیت کی محبت اسکو سب نے قبول کر لیا۔ تو اب میں ایک استدلال پیش کرتا ہوں۔ ماتم و زنجیر کا توجہ رکھیے گا۔

محبتِ رسول اور آل رسول دونوں کی فرض۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں مامور قرار دیا

محبت۔ اور محبت۔ اجر رسالت ہے۔ اگر مزدوری نہ دی تو فائدہ اٹھانا رسالت سے حرام۔ کسی سے کام کراؤ۔ مکان بناؤ۔ اور مزدوری نہ دو تو اس مکان میں نماز حرام۔　　(صلوٰۃ)

حضور نے جو پیغامات پہنچائے ان کی مزدوری نہ دو گے۔ تو اس وقت تک ان سے استفادہ کرنا حرام۔ میرے بھائی مولانا علی حسن صاحب امروہوی نے ایک عجیب شعر تحریر فرمایا ہے۔ وہ مجھ تک جس طرح پہنچا ہے۔ وہ میں پڑھے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

(شعر) پہلے کرلو حاجیو اجرِ رسالت تو ادا　　سنتے ہیں مقروض کو حج پر نہ جانا چاہیے

اللہ کی طرف سے رسالت تم پر فرض بھی ہے۔ اور قرض بھی ہے۔ جب تک یہ ادا نہ کرو گے کوئی استفادہ دین خدا سے نہیں کر سکتے۔ غرض میں نے یہ بتا دیا کہ محبتِ رسول و محبتِ آل رسول دونوں فرض و قرض۔ اور جب فرض و قرض ہیں تو اب میں استدلال پیش کرتا ہوں۔ قرآن نے فرض قرار دیا محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت کو۔ مگر حد نہیں بتائی کہ کتنی کرو۔ داور اچھا کیا۔ ورنہ میں کیا کہوں۔ استغفر اللہ (صلوٰۃ)

خدا نے مہربانی کی اور ہم پر کرم کیا کہ حد نہیں بتائی اگر حد بتا دیتا اور ہم اتنا پورا نہ کر سکتے تو پھر ہم کفر کی طرف نکل جاتے مسلمان نہ رہتے۔ اللہ کے انعام سے محروم ہو جاتے۔ تو اللہ نے حد نہیں بتائی۔ اس لئے کہ اپنے مسلمانوں سے محبت رکھتا ہے۔ اگر حد بندی کر دیتا۔ اور یہ اتنی حد پوری نہ کر سکے تو یہ گناہگار ہو جائیں گے۔ خدا نے ہمارے دلوں پر چھوڑ دیا کہ جس کے دل میں جتنی گنجائش ہے۔ وہ محبت کرے۔ اب آپ اپنے دل کی گنجائش پر محبت کر لیں۔ کوئی قید نہیں۔ حد نہیں۔ حضور سرکار دو جہاں کے دندانِ مبارک پر پتھر لگے۔ زخمی ہو گئے۔ خون بہا۔ لہولہان ہو گئے۔ تمام لباس خون میں تر ہو گیا۔ اصحاب کرام کی نظر پڑی تو بعض صحابی رونے لگے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ محبوب کو دیکھا نہ گیا اس حالت میں۔ بعض نے چیخیں ماریں۔ واویلا کیا۔ چلاّ چلاّ کے روئے محبت کی وجہ سے۔ کیونکہ ان سے

برداشت نہ ہوسکا۔ اور بعض یہ دیکھ کر بے ہوش ہوگئے نہ دیکھ سکے حضور کا یہ حال۔ بعض میں سے ایک ہستی جسکی خوشبو یمن کے ایک شہر سے آرہی تھی۔ یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کا نام ہے حضرت خواجہ اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے محبت کا کس طرح ثبوت دیا۔ پتھر اٹھائے اور اپنے دانتوں پر مارنے شروع کئے۔ مارتے مارتے تمام دانت توڑ دیئے انہوں نے بھی محبت کا ثبوت دیا۔ (صلواۃ)

حضرات توجہ: جو رویا اس نے چیخیں مارنے والے کو بدعت نہیں کہا جس نے چیخیں ماریں اس نے بے ہوش ہونے والے کو بدعت نہیں کہا۔ جو بے ہوش تھا اس نے دانت توڑنے والے کو بدعت نہیں کہا۔ کیونکہ بدعت تو اس وقت ہو جب حد کو توڑے۔

ہٰذا قرآن مجید سے چونکہ محبت ثابت اور اظہار محبت کے لئے حدود نہیں بتائے۔ کوئی کسی طرح سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ کوئی کسی طرح۔ جب حضور کی اس تکلیف کا پتہ مدینہ میں پہنچا تو صحابیات اور اہلبیت اور خود حضور کی بیٹی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا مدینے سے نکلیں اور کس طرح نکلیں؟

"دست بر سر زناں و فریاد کناں" (ترجمہ) سروں کو پیٹتی ہوئی نکلیں اور فریاد کرتی ہوئی ہر ایک نے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ اب گذارش کرتا ہوں۔ کوئی یہ کہے کہ کافروں نے پتھر مارا تھا ہم تو آپ مار رہے ہیں۔ تو حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو کافروں نے پتھر نہیں مارا تھا۔ بلکہ خود ہی مارے تھے۔ اور حضور نے اس کو قبول کر لیا۔ اور فرمایا کہ حضرت خواجہ اویس قرنی وہ روحانی صحابی ہیں کہ کوئی دعا قبول کرانی ہو۔ اور گناہ معاف کرانے ہوں تو ان کے پاس جاؤ۔ پڑھ لیجئے (مشکوٰۃ شریف)

"جاؤ وہ تمہارے لئے دعا کریں گے تمہیں معافی مل جائے گی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود دعا کرانے جایا کرتے تھے۔ پڑھ لیجئے تاریخ حضرت خواجہ۔ انتا[illegible] صحابی روحانی صحابی۔ جسمانی نہیں۔ روح سے روح ملی ہوئی۔ (صلواۃ)

انہوں نے تو آپ پتھر مارے اور روحانی صحابی ہو گئے۔ خواجہ بن گئے۔ دعاؤں کی قبولیت کے

سید شرفی و نسبی کے بارے میں کچھ معلومات

مرکز بنے کافروں اور دشمنوں نے جو محمدؐ و آل محمدؐ پر ظلم کئے وہ سن کر اگر آپ نے اپنے اوپر زخم لگائیں زنجیریں ماریں۔ آپ مر جائیں۔ تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ محبت کی حد نہیں ہے۔ حضور نے خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کو قبول کیا منع نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا من مات علی حب آل محمد مات شہیداً (تفسیر کشاف) (ترجمہ) جو آل محمدؐ کی محبت میں مر جائے وہ شہید ہو کر مرتا ہے۔ (صلواۃ)

یہ ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کا انکار کسی مسلمان نے نہیں کیا۔ یہ تو جواب تھا۔ قرآن مجید کی روشنی میں زنجیر زنی اور چھرے مارنے۔ نوحہ و فریاد و ماتم کرنے کے سلسلہ میں بلکہ مر جانے میں۔

دوسرا سوال یہ کیا گیا ہے۔ کہ سید کہاں سے چلے۔ بڑا طویل خط ہے۔ ایک جملہ میں اشارہ کرتا ہوں شرفی سید کا لفظ ان کے لئے ہے کہ جن پہ صدقہ حرام ہے۔ بس ختم ہو گیا۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ صدقہ کن کن پر حرام ہے۔ تو حضور صلعم نے فرمایا۔ میں خود۔ علیؑ۔ آلِ علیؑ۔ آلِ جعفرؓ۔ آلِ عقیلؓ۔ معلوم ہوا کہ آلِ جعفرؓ پر صدقہ حرام، عبداللہ و محمدؓ انہی کے بیٹے ہیں۔ اِدھر جناب بی بی زینب اور بی بی ام کلثوم سلام اللہ علیہم دونوں سیدہ ان پر بھی صدقہ حرام اور ان پر بھی صدقہ حرام۔ نیز سید کے اقسام ہیں۔ ایک سید علوی و فاطمی۔ اور ایک صرف سید علوی۔ سید دونوں۔ کس نے انکار کیا ہے۔ کہ علی کی اولاد سید شرفی نہیں ہیں۔ مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ فاطمہ کی اولاد سے سیادت چلی۔ غلط۔ کیا محمدؐ و علیؑ سید نہیں ہیں؟

وہ سیادت نسبی ہے جو ان کی اولاد کے لئے مخصوص ہے۔ سیادت کی دو قسمیں ہیں۔ سیادت شرفی اور سیادت نسبی۔ سیادت شرفی علی و اولاد کے لئے۔ مگر نسبی صرف جناب سیدہ کی اولاد کے لئے ہے اور یہی مخصوص عرفاً سید ہیں۔ اور بس۔ اب اسکو آپ سمجھ لیجئے گا کہ شرفی اور نسبی سید میں فرق کیا ہے۔ لفظ سید علیؑ و فاطمہؑ سے جو اولاد ہے۔ ان کے لئے صرف عام میں مختص ہے۔ اس کے بعد آپ یہ بھی نہ کہئے گا۔ کہ بی بی زینب کا نکاح عبداللہ سے کیسے ہو گیا۔ ان پر صدقہ حرام تھا۔ ازدواج ہوا ہے۔ صدقہ کی حرمت

سے۔ جو ان کی اولاد ہے۔ ان پر صدقہ حرام ہے۔ مگر آج تک۔ اصحاب کی اولاد پر صدقہ حرام نہیں ہے لفظ سید ان کے لئے نہیں کہہ سکتے۔ ان مقدس ہستیوں کے لئے کہہ سکتے ہیں۔ یہی فرق ہے۔ اور جو لوگ نہرو کو بھی سید نہرو لکھتے تھے۔ وہ سیادت نہ نسبی ہے نہ شرعی وہ سیاسی ہے۔ یہ لفظ بھی کہہ دوں کہ سیاسی کیوں ہے؟ تاکہ جو امتیازی فضیلت خصوصی فضیلت اولاد رسولؐ کو ہے۔ وہ عام ہو جائے۔ اور لوگوں کو خصوصیت کا احساس نہ رہے۔ یہ سیاسی ہے۔ یہ ایک پروپیگنڈا ہے۔ جو چلا ہے نجد سے۔ اب وہ وقت نہیں ہے ورنہ بتاتا کہ کیوں کر چلا ہے۔ اب ذکر ہو گیا ہے۔ تو دو لفظ سن لیجئے موقع ملے یا نہ ملے۔ آج ذرا دیر تک پڑھوں گا۔ (صلوٰۃ)

درا صل لوگ آل محمدؐ کے در پر زیادہ تعداد میں جا رہے تھے۔ اور فضیلت آل محمدؐ کے ثنا خواں ہو رہے تھے۔ ان کے محبوں کی کثرت ہوتی جا رہی تھی۔ یہ کثرت میں ہونے جا رہے تھے۔ جہاں کوئی نہ تھا۔ اب وہاں دیہات کے دیہات آل محمدؐ کے پیرو بنتے جا رہے تھے یعنی شیعہ بنتے جا رہے تھے۔ تو ان کو کیونکر روکا جائے۔؟ روکنے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ چار سو سال پہلے میٹنگ ہوئی آپس میں یہ گفتگو ہوئی کہ روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اگر اصحابِ محمدؐ اور آل محمدؐ ان دونوں کا مقابلہ کرو گے۔ تو مقابلہ میں تم شکست کھاؤ گے کیونکہ آل کو فضیلت ہے اصحاب پر۔ اصحاب پر فرض ہے۔ آل پر درود بھیجیں۔ اور آل پر فرض نہیں ہے کہ اصحاب پر درود بھیجیں۔

شیعوں کا آل محمدؐ سے تعلق ہے۔ آل محمدؐ کا تعلق ان کو ہمیشہ کامیاب کرے گا۔ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں دامن آل محمدؐ ہے۔ اب اس کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ کیا؟ فضیلتِ آل صرف محمدؐ کی نسبت سے ہے۔ کس کی آل؟ محمدؐ کی۔ آل محمدؐ کی۔ محمدؐ کو اپنے جیسا بنا دو۔ بس آل ختم ہو جائے گی۔

یہ جناب عالی میٹنگ میں فیصلہ ہوا۔ اس وقت سے آج تک اپنے جیسا بنایا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی

کیوں ہوا؟ اگر محمدؐ کو اپنے جیسا نہ کہا تو پھر قرآن تو اُن پر آیا ہے۔ پھر تم ان جیسے نہ ہو گے۔ تو قرآن کیسے سمجھو گے۔ لہٰذا ان کو اپنے جیسا ثابت کرو۔ تاکہ تم بھی عالم، فاضل۔ قابل بنکر بڑے بڑوں پر تنقید شروع کر دو اور یہ بتا دو کہ ہم بھی قابل ہیں۔ ہم بھی ان جیسے وہ بھی نوع انسان۔ ہم بھی نوع انسان۔ تاکہ تم کہہ سکو کہ ہم بھی قرآن کو سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ رسولؐ سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ بھی بشیر اور ہم بھی بشیر۔ ہم جیسے۔ اور کیوں کہو۔ اس لئے کہ تم قرآن نہیں سمجھو گے۔ تو ایک شخص کا بیان جو کبھی ہو چکا ہے۔ وہ غلط ہو جائے گا۔ وہ بیان ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ (حسبنا کتاب اللہ) (صلوٰۃ)

غرض یہ تو ایک مسئلہ تھا جو پیش کر دیا۔ اب آج مقام اہلبیت کو سمجھیئے۔ پہلے چند جملے قرآن کے متعلق پیش کروں گا۔ توجہ:۔ میں اپنے بھائیوں کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ قرآن تمام باتوں کے لئے حقائق کُلیتہ بیان کرتا ہے۔ نوعیات بیان کرتا ہے۔ شخصیات اور قومیات نہیں بیان کرتا۔ خاص قوم کے لئے نہیں۔ خاص اشخاص کے لئے نہیں۔ خاص افراد کے لئے نہیں۔ ثبوت؟ (صلوٰۃ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام ان دونوں بزرگواروں کا بیان ہے۔ پانچویں امام نے یہ کہا تھا کہ قرآن اگر شخصوں کے لئے ہوتا خاص آدمیوں کے لئے یا خاص قوموں کے لئے آیتیں اگر ہوتیں۔ تو جب وہ آدمی مر گئے اور قومیں مر گئیں تو اتنی آیتیں مر گئیں۔ اس طرح تو تمام قرآن مر جائے گا۔ اور اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

اَلْقُرْآنُ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ یَجْرِیْ کَمَا یَجْرِی اللَّیْلِ وَالنَّھَارَ (مقدمہ تفسیر قمی)

(ترجمہ) قرآن زندہ ہے یہ کبھی نہیں مر سکتا۔ یہ اس طرح جاری رہے گا۔ جیسے لیل و نہار شب و روز جاری ہیں۔ یہ جاری ہے۔ اور اس میں کا ایک حرف بھی نہیں مرا۔ (صلوٰۃ)

اس کے بعد ہمارے چھٹے امام نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ اللہ کسی شخص کو اس کی شکل و صورت کی وجہ سے بُرا نہیں کہتا۔ خداوند تعالیٰ اگر مذمت کرتا ہے آیتوں میں کچھ لوگوں کی تو وہ ان لوگوں کی برائی شکل

وصورت کی وجہ سے نہیں کرتا۔ کیونکہ شکل وصورت کا تو خود خالق ہے۔ بلکہ ان کے خصائل و عادات کی وجہ سے کرتا ہے۔ یہ چھٹے امام کا بیان ہے۔

حضرت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی کی مذمت کرتا ہے تو وہ اس کے کردار کی وجہ سے اُس کی غلط عادتوں کی وجہ سے اس کی بُری خصلتوں کی وجہ سے۔ نہ کہ جسم و شکل وصورت کی وجہ سے تو جب اللہ بیان کرے مذمت خواہ کسی شخص کی خواہ کسی قوم کی تو اس شخص اور قوم کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں کہ یہ نبی عاد ہے یا بنی ثمود ہے۔ یا بنی اسرائیل ہے نہیں۔ نہیں۔ بلکہ ان کے کردار کی وجہ سے مذمت کرتا ہے۔ شخصوں کی بھی اور قوموں کی بھی۔ لہٰذا یہی کردار قیامت تک جن جن شخصوں میں اور جن جن قوموں میں آتا جائے گا۔ وہ آیتیں ان پر صادق آتی جائیں گی۔ یہ چھٹے امام کا بیان ہے یاد رکھیئے قرآن میں حقائق و کلیات بتائے گئے ہیں۔ ان کلیات کے مطابق دیکھنا ہے۔ کہ کسی شخص نے برائی کی جسکی برائی کی وجہ سے مذمت کی آیت آگئی۔ اب وہی برائی اس کے بعد جس جس میں آئے گی۔ وہ آیت کا مصداق بنتا چلا جائے گا قیامت تک۔

اگر کسی نے بیٹی کو محروم کیا۔ اور قدرت نے آیت میں برائی کی تو اب جو جو بیٹیوں کو محروم کرے گا وہ اس آیت کا مصداق بنتا جائے گا۔ کسی شخص نے کسی کا حق غصب کیا۔ اور اس کی برائی آیت میں آئی۔ اب جو بھی غصب کرے گا۔ وہ آیت اس کے لئے بھی صادق آتی جائے گی۔ اور اس کے بعد امام فرماتے ہیں۔ کہ اُسی کے لئے نہیں۔ کہ جو غصب کرے۔ یہ صرف غصب کرنے والوں کے لئے نہیں۔ بلکہ جو اس غصب پر راضی ہو گا۔ اس کے لئے بھی صادق آئے گی۔ کیونکہ راضی فعل مثل فاعل ہے (صلوات)

حضور نے فرمایا ؐ الراضی، الامر کفاعلہ کسی امر پر راضی ہونے والا مثل فاعلِ امر ہے۔ جو شخص کسی چیز پہ کسی کردار پر راضی ہو۔ تو وہ بھی اس فاعل کے ساتھ ہے۔ میں آیت پڑھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ بحکم خدا اپنے زمانے کے یہودیوں سے۔

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (پ ۴ سورہ آل عمران آیت ۱۸۳)

(ترجمہ) "اے رسول ان سے کہو کہ بہت سے رسول مجھ سے پہلے دلائل لے کر آئے جو تم طلب کر رہے ہو پھر تم نے ان پیغمبروں کو کیوں قتل کیا۔ اگر تم سچے ہو تو جواب دو" یہ کس سے کہہ رہے ہیں حضور؟ اُن سے کہہ رہے ہیں جو سامنے ہیں! قتل کرنے والے یہودی تو بہت پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے قتل کرنے والے تو گذر گئے اور حضور قرآن کی آیت پڑھ رہے ہیں فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ تم نے کیوں انبیاء کو قتل کیا۔ دوسری آیت ارشاد رب العزت ہے قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (پ اوّل سورہ بقر آیت ۹۱)

(ترجمہ) اے رسول ان سے کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو پہلے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے تھے؛ تو جب انہوں نے قتل ہی نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے جو آج کل زمانۂ رسول صلعم میں موجود یہودی تھے۔ تو پھر انہیں ملزم کیوں قرار دیا گیا۔؟ اس لئے کہ ان کے قتل کرنے والوں کے فعل پر وہ راضی تھے۔ جب اصول میں نے سمجھا دیا۔ تو اب اللہ نے جن قوموں کی مذمت کی اور ان پر عذاب بھیجا۔ ان کے تذکرے قرآن مجید میں موجود ہیں ان سے موجودہ اشخاص واقوام کا اندازہ لگا لیجیے اب دوسری نظر سے دیکھئے۔ پہلا نظریہ میں بیان کر چکا ہوں اب اسی کو ایک اور نظر سے دیکھتا ہوں۔ توجہ رکھیئے گا۔ (صلوات)

یا اللہ! تو ستار العیوب ہے۔ تیرا لقب تو ستار العیوب ہے۔ پھر اس زمانے کی وہ قومیں اور ان کا ذکر؛ ان کی برائیوں کے قصے؛ ان کی قبائح کے ساتھ ان کی بد افعالی کے ساتھ جو انہوں نے کی آج کیوں دُھرا رہا ہے؟ تُو تو عیبوں کا چھپانے والا ہے۔ اور اے میرے مالک جب تو نے ان پر عذاب بھی بھیج دیا۔ سزا بھی دے دی؛ تو اب برائیوں کو کیوں بیان کر رہا ہے۔ اگر ان پر عذاب بھیجا اور سزا دی قسم قسم کے عذاب اور پھر ان کا تذکرہ کہ انہوں نے یہ برائیاں کیں۔ اور برائیوں کا اظہار کرتا ہے جیسا

ہمارے اہل بیت کشتی نوحؑ کی مثل ہے

کہ تو خود بتاتا ہے۔ کہ ہم نے ان پر عذاب بھیجا ہے۔ اور وہ مر گئے وہ بدعمل تھے۔ ان پر عذاب آگیا سزا دے دی۔ تو سزا دینے کے بعد پھر کیوں ان کا ذکر کرتا ہے۔ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ اللہ نے مثال کیلئے بیان کیا ہے۔ کہ اے امت مسلمہ یہ مثال سامنے رکھنا۔ اسی لیے حضور نے اس کا بار بار ذکر کیا۔ سنی شیعہ دونوں بھائی سنیں میں تمام مسلمانوں سے روزانہ گذارش کرتا ہوں۔ مثال کے لئے گذشتہ واقعات سامنے رکھیئے اور قرآن کا زیادہ حصہ قصص الانبیاء، عذاب کا ذکر، قوموں کی بدکرداری اور بدی کا تذکرہ، ان کی بداعمالیوں کا اظہار، تو اب ہمارا رسول، خدا کا حبیب جب کچھ بتائے، تو قرآن میں اس کی مثال تلاش کرلو۔ اور رسول پاک کی حدیث سے ملالو۔ (صلوٰۃ)

اب حدیثِ رسول عرض ہے:۔

مَثَلُ اَهْلِبَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى۔

(مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ):۔ حضور فرماتے ہیں۔ میرے اہلبیت کی مثل ایسی ہے۔ جیسے نوحؑ کی کشتی۔ یعنی کشتی نوحؑ جس طرح ہے۔ اسی طرح میرے اہلبیت ہیں۔ جو اس کشتی پر سوار ہوا وہ نجات پاگیا۔ اور جس نے چھوڑ دیا وہ غرق ہوگیا۔ اب قرآن پڑھیئے۔ اور اہلبیت کو پہچانیئے۔ جو ان سے تمسک کرے گا۔ نجات پاگیا۔ اور جو چھوڑے گا۔ غرق ہوگیا۔ قصص گذشتہ خداوند عالم نے عبرت و مثال نصیحت و موعظہ حاصل کرنے کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ تو اب مقام اہلبیت سمجھئے۔ کیونکہ ضرورت ہے۔ کہ اہلبیت کا تعارف کرایا جائے۔ وہ زمانہ نہیں ہے۔ کہ کسی مخالف کا تعارف کرایا جائے۔ وہ زمانہ گذر گیا۔ اب آپ ان پاک شخصیتوں کا تعارف کرائیں کہ یہ بزرگ ہستیاں کیسی تھیں جب روشنی تیز ہوگی اندھیرا خود معدوم ہو جائے گا۔ (صلوٰۃ)

حضور نے فرمایا میرے اہلبیت کی مثل کیا ہے؟ کشتیٔ نوحؑ۔ عام کشتی کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ قرآن کی طرف توجہ دلائی۔ اب پڑھیئے نوحؑ کی کشتی کا ذکر۔ فرمایا کہ میرے اہلبیت کی مثل نوحؑ کی کشتی

کی ہے۔ عام کشتی کی نہیں۔ تو نوحؑ کی کشتی کی مثال کیوں دی؟ یہ ایک رمز ہے۔ ایک راز ہے۔ جو کھلے گا۔ ہم چند آیتیں قرآن کی پیش کرتے ہیں

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا ۝ (پارہ ۱۲ سورہ ہود آیت ۲۷)

(ترجمہ) اے نوحؑ کشتی ہمارے سامنے ہماری وحی سے بناؤ یعنی یہ کہ کشتی ہماری وحی سے بناؤ اپنی رائے سے نہیں۔ اگرچہ تم نبی ہو۔ لیکن تم اپنی رائے سے نہیں بنا سکتے۔ ہماری وحی ہوتی جائے تم تختے جوڑتے جاؤ۔ نجات کی کشتی بنتی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ نجات کی کشتی ہوگی وہ وحی خدا سے بنے گی کسی کے مشورے یا کسی غیر اللہ یا بندوں کے مشوروں سے نہیں بنے گی۔ یہ پتہ لگ گیا۔ اور قرآن کی آیت نے ہمیں بتا دیا کہ کشتی نجات وحی سے بنتی ہے۔

دوسری شرط یہ کہ کشتی ہمارے سامنے بناؤ۔ کھلے میدان میں بناؤ۔ تاکہ ساری خدائی دیکھ لے کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم نے نہیں دیکھی۔ کوٹھریوں میں نہیں۔ میدان میں بلکہ غدیر خم میں بناؤ۔ (صلوٰۃ)

جب نوحؑ کی کشتی بن چکی تو آپ کو حکم ہوا۔ کہ اس میں جوڑا جوڑا بٹھاؤ۔ اب نبی بٹھانے لگے۔ جن کو نبی نے حکم دیا شامل ہوتے گئے۔ بیٹھنے لگے۔ جن کو نفرت تھی۔ وہ نزدیک نہیں آئے۔ انہوں نے اور پناہیں ڈھونڈیں۔ جب ادھر ادھر پناہیں ڈھونڈیں۔ قرآن مجید بتاتا ہے۔ آیت پڑھتا ہوں۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ "حضرت نوحؑ نے عرض کی پالنے والے میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔ ایک لفظ کہہ دوں سادات کرام۔ یہ نوحؑ کا بیٹا جس کے لئے کہا گیا کہ میرا بیٹا ہے۔ میرے اہل سے ہے۔ تو کیا وہ واقعی بیٹا تھا؟ اُن کی پشت سے یعنی ان کا فرزند تھا؟

تحقیق کر لیجئے تمام مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ اُن کی زوجہ کے ساتھ پہلے شوہر سے آیا تھا۔ جو زوجہ انہوں نے کی تھی۔ وہ زوجہ کے ساتھ پچھلے شوہر کا تھا۔ یعنی پچھلگ۔ مادر جلو۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ قرآن میں لفظ "ابن" پچھلگ (مادر جلو) کے لئے بھی ہے۔ بیٹا ہو یا بیٹی۔ دونوں کے لئے ہے۔ خدا نے

جواب دیا۔" لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۔" (ترجمہ) تمہارے اہل سے نہیں ہے۔" تو خدا نے اہلبیت کی نفی کی ہے۔ ابن کی نفی نہیں کی۔ یعنی تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ اہل اور ابن میں فرق ہے۔

غرضکہ وہ چلا گیا۔ آپ نے پھر اس بیٹے کو کہا۔" یَا بُنَیَّ ارۡکَبۡ مَعَنَا۔ اے بیٹا آ سوار ہو جا۔" کشتی میں ہمارے ساتھ آجا۔ تو اس نے کیا کہا۔ قرآن پڑھیئے۔ قرآن اب مثال بنے گا۔ کیونکہ یہ اب انہیں قوموں کے لئے نہیں ہے۔ یہ تو قیامت تک کے لئے ہے۔ جناب نوحؑ فرماتے ہیں۔ آ بیٹا سوار ہو جا۔ اس بیٹے نے جواب دیا۔" سَاٰوِیۡ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ۔

(ترجمہ) اے بابا تیری کشتی میں نہیں بیٹھتا میں پناہ لے لوں گا۔ پہاڑ سے۔ جب پناہ لوں گا۔ تو وہ مجھے عذاب کے طوفان سے بچائے گا۔ چلا گیا پہاڑ پر۔ چھوڑ گیا کشتی نجات کو۔ قرآن کہتا ہے۔" فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ غرق ہو گیا۔ (صلوٰۃ)

معلوم ہوا جو کشتی نجات کو چھوڑ دے وہ غرق ہو جاتا ہے۔ پہاڑ پر جائے اور نبی بلا تا رہے اور وہ نہ آئے وہ غرق ہو گا۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔ قرآن توجہ دلا رہا ہے۔ اب اس کے بعد جواب کیا دیا قدرت نے میرے تمام بھائی سنیں؛

جب اس نے کہا کہ میں پناہ لے لوں گا۔ اُس پہاڑ سے تو قدرت نے اس کا کیا جواب دیا۔ ایک نظریہ تو آپ سمجھ گئے کہ اس کو پہاڑ سے پناہ نہیں لینا چاہیئے تھی۔ کشتی نجات میں آنا چاہیئے تھا۔ اس نے پہاڑ کو پیش کیا۔ وہ غرق ہو گیا۔ تو پہاڑ کے بجائے اگر وہ ہوا میں اُڑ جاتا۔ کوئی غبارہ وغیرہ بنا لیتا۔ فضا میں چلا جاتا یا کوئی جن پکڑ لیتا۔ جنات کو قابو میں کر لیتا یا کوئی فرشتہ آجاتا اور بچا لیتا۔ تو پھر تو کوئی جواب نہیں تھا۔ کہ کشتی میں آجا۔ کیونکہ اور بھی بچانے والے تھے۔ یہ ہو سکتا تھا۔ اس کا امکان تھا۔ مگر کیا کہنا۔ میرے مالک تیری اس نظر خاص کا کہ جو آئندہ کے حالات پہ نظر رکھتے ہوئے ایک لفظ رکھ دیا۔ قرآن مجید میں وہ کیا لفظ ہے۔ اے نوحؑ اس سے کہہ دو۔" لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ۔"

(ترجمہ) آج کوئی چیز بچانے والی نہیں ہو سکتی اس کشتی نجات کے سوا۔" نہ ملک، نہ جن، نہ فضا، نہ پہاڑ، کوئی چیز نہیں بچا سکتی یعنی یہ ایک اعلان عام تھا قدرت کا (صلوٰۃ)

معلوم ہوا کہ اس کشتی کی شان یہ تھی کہ اس کے سوا عالم میں کوئی بچانے والا نہیں۔ نہ آسمان والے نہ زمین والے نہ فضا والے۔ سوائے اس کشتی نجات کے۔ پھر معنی کیا نکلے۔ اہلبیت مثل کشتی نوحؑ ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اہلبیت کے سوا کوئی نجات دینے والا۔ بچانے والا نہیں ہے۔ جس طرح جناب نوحؑ کی کشتی میں جو سوار ہوئے وہ امن و امان میں رہے اور بچ گئے کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ اسی طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت بھی عالمین کے لئے باعث نجات ہیں۔ اب اہلبیت کو نہ چھوڑیئے گا۔ اوروں کو لے لیں۔ انکار نہیں۔ مگر تمسک اہلبیت سے رکھیں۔ جب آپ یہاں پہنچ گئے کہ اس کشتی نجات کے سوا کوئی بچانے والا نہیں تو علمائے اعلام اور مفسرین عظام نے یہ لکھا ہے کہ کشتی اکیلی نہیں بچا سکتی۔ کیوں؟ اس لئے کہ کشتی جائے گی کدھر۔ راستہ کدھر سے لے گی۔ کشتی کو راستہ کہاں سے ملے گا۔ لہٰذا کشتی کے ساتھ ایک اور بھی ضرورت ہے۔ اور وہ ضرورت ہے کیا؟ وہ ستارے ہیں ان کی ضرورت پڑے گی۔ کشتی ستاروں سے راستہ لے گی۔ کدھر جانا ہے۔ کس رُخ مڑنا ہے۔ اگر ستارے نہ ہونگے تو معلوم نہیں کشتی کہاں لے جائے۔ یہ لکھا ہے مفسرین نے اور کہا کہ اس کشتی اہلبیت کو ستاروں کی بھی ضرورت ہے۔ اور ایک حدیث بھی بیان کر دی۔ اصحابی کالنجوم (حدیث تفسیر امام رازیؒ)

(ترجمہ) میرے اصحاب ستارے ہیں۔" تو اب دونوں کی ضرورت ہوئی بقول ان کے۔ اِدھر اہلبیت کشتی نجات اُدھر اصحاب ستارے۔ ستارے راہ بتائیں گے۔ کشتی راہ پر چلے گی۔

اہلبیت کشتی نوحؑ کی مثل ہیں۔ ہماری آپ کی بنائی ہوئی کشتیاں بے شک ستاروں کی محتاج۔ ہم ستاروں سے راستہ لیتے ہیں۔ مگر نوحؑ کی کشتی تو ستاروں کی محتاج نہیں تھی۔ پورا واقعہ پڑھ جائیے، ایک لفظ دکھا دیجئے۔ کہ یہ راستہ ستاروں سے لیتی تھی۔ لوگوں کی بنائی ہوئی کشتی تو غرق ہوتی رہتی ہے مگر یہ

کا بیڑا غرق ہوگیا۔ فلاں کا بیڑا غرق ہوگیا۔ آپ روز سنتے رہتے ہیں۔ یہ کشتی نوحؑ تو خدا کی وحی سے بنی تھی تو میں نے دیکھا کہ وہ چلتی کس طرح تھی۔ اور رُکتی کس طرح تھی۔ آیا ستاروں کی محتاج تھی؟

قرآن مجید کی پانچ آیتیں اسرار خداوندی میں ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو ان میں اتنے عیوب ہیں جو انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ایک آیت ہے۔ کہ وہ کشتی کس طرح چلتی تھی۔ حضرت نوحؑ کو حکم تھا۔ اے نوحؑ یہ چلے گی اور رُکے گی کس طرح "بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا" یہ اللہ کے نام سے چلے گی۔ اور اللہ کے نام سے رُکے گی معلوم ہوا کہ نوحؑ کی کشتی ستاروں کی محتاج نہیں تھی۔ اسی طرح کشتیٔ اہلبیت بھی کسی غیر کی محتاج نہیں۔ اللہ ہی اس کا معین و مددگار محافظ و راہبر ہے یہ اللہ ہی کے نام سے چلے گی اور اللہ ہی کے نام سے رُکے گی۔ (صلواۃ)

اب بشیر ایک بات کہتا ہے۔ اللہ جانتا تھا۔ کہ اس کو محتاج بنا دیا جائے گا ستاروں کا۔ تو قدرت نے بتایا کہ یہ کشتیٔ اہلبیت ستاروں سے راستہ نہیں لیتی۔ ستارے خود اس سے راستہ لیتے ہیں۔ اور ان کے گھر آتے ہیں۔ اور قسم کھائی ہے اس ستارے کی جو ان کے گھر اترا۔ اسکو معزز محترم بنا دیا قسم کھا کر۔ (صلوٰۃ)

ایک بات اور بتا دوں کہ ہم جو کشتیاں بناتے ہیں۔ وہ عام ستاروں سے تو راستہ نہیں لیتیں۔ بلکہ صرف ایک ستارا ہے نام اسکا قطب ہے۔ قطب سے راستہ لیتی ہیں۔ جو ایک جگہ جما رہتا ہے ہرگز حرکت نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اہلبیت! وہ اہلبیت ہیں جو کسی غیر کے محتاج نہیں۔ ستارے انکے محتاج ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کشتیٔ اہلبیت جائیگی کہاں؟ خدا کی قسم آج دل چاہتا ہے۔ کہ اپنے دل کا ایک اعتقاد ظاہر کر دوں میں اپنے ان سات مولویوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ جو ہمارے مذہب سے ہٹ گئے۔ گمراہ ہو گئے۔ اور حضورؐ کو اور اہلبیت کو اپنی نوع میں داخل کر کے اپنے جیسا بتاتے ہیں۔ میں ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں۔ کہ حضور صلعم نے اہلبیت کو کشتی کہا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ تسلی ہو گئی۔ اگر اہلبیت کا دامن ہاتھ میں ہے۔ تو کبھی جہنم میں جا سکتے ہی

نہیں ہم یقین رکھتے ہیں ہماری نجات اسی میں ہے۔ کون کہتا ہے کہ یہ شرک ہے۔ ہمیں اور نجات کا شک ہو۔ ہمیں نجات کا کوئی شک نہیں۔ پوری تسلی ہے۔ یقین۔ ایمان۔ کیونکہ حضورؐ نے اہلبیت کو کشتی کہا۔ اور کشتی آگ پر نہیں چلتی۔ پانی پر چلا کرتی ہے۔ دوزخ پر نہیں۔ کوثر پر جائے گی۔ (صلواۃ)

حضورؐ نے فرمایا تھا۔ کہ قرآن و اہلبیت دونوں حوضِ کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ کبھی جدا نہیں ہونگے یہ ثبوت و دلیل ہے۔ دونوں چیزیں قرآن و اہلبیت ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے۔ قرآن بھی آئے گا۔ ہم بھی ہوں گے کشتی بھی ہوگی۔ اہلبیت بھی ہوں گے۔ یہ قرآن کو کیوں بلایا؟ حضورؐ کے پاس قرآن بھی ہوگا۔ اور اہلبیت بھی۔ یہ سبکو کیوں بلایا۔ جس وقت کوثر پلایا جائے گا۔ ساقی کوثر پلائیں گے۔ ہم پینے والے پی رہے ہوں گے تو ضرورت ہے کہ کوئی قصیدہ بھی پڑھے۔ قرآن کہے گا۔

"سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا" (صلواۃ)

غرض آپ حضرات کو مقام اہلبیت معلوم ہو گیا کہ یہ وہ بزرگوار ہیں کہ ان کے بغیر نجات ممکن ہی نہیں کسی کا دامن پکڑیے، کسی کو پیر مانیے، کسی کو غوث مانیے، کسی کو ولی مانیے۔ اگر اہلبیت کا دامن نہیں ہے تو اُسی طرح غرق ہوں گے۔ جیسے پسر نوحؑ غرق ہو گیا۔ جو آ گئے کشتی میں وہ نجات پا گئے جنہوں نے دیا وہ ہلاک ہو گئے حضرات ایک مرد ہے۔ جس کی تمام عمر جہنم میں گزری رات کو سوچا اور صبح ہوتے ہوتے کشتیٔ نجات کی طرح رُخ کیا۔ اُدھر حسینؑ نے کہا۔ بیٹا علی اکبرؑ میرا ایک مہمان آ رہا ہے عباس کو بلاؤ۔ استقبال کرو۔ اپنے غلاموں سے خدا کی قسم کسی پیشوا کو اتنی محبت نہ ہو گی۔ جتنی ہمارے آقا و مولا حضرت امام حسین علیہ السلام کو تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک صحابی نافع بن ہلالؓ تھے۔ جو شب عاشور امام علیہ السلام کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے۔ بعد نماز تہجد امام خیمے سے باہر نکلے تو یہ بھی ساتھ ہو لیے امام نے پوچھا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی میدان میں لشکر یزید کی کثرت ہے۔ میں آپ کو تنہا میدان کی طرف نہ

جانے دونگا۔ امام نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ جیسے ایک دوست دوست کا ہاتھ پکڑ کر ٹہلتا ہے۔ کجا غلام کجا جنت کے سردار۔ مگر اللہ رے غلام نوازی کہ غلام کا ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے چل رہے ہیں۔ اور کچھ دُور چل کر رُک گئے اور فرمایا کیا یہ مقام پہچانتے ہو؟ نافع نے عرض کی نہیں مولا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ علی اکبر کے گھوڑے سے گرنے کی جگہ ہے۔ نافع رونے لگے اور عرض کی مولا کس کی مجال ہے جو علی اکبر کو گھوڑے سے گرائے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ بالآخر آپ ایک نشیب میں بیٹھ گئے۔ سامنے نافع بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جگہ پہچانتے ہو۔ اس نے عرض کی مولا نہیں آپ نے فرمایا۔ نافع یہ میرے ذبح ہونے کی جگہ ہے۔ یہ میرے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ وہ رونے لگا اور عرض کی مولا کس کی مجال کہ آپ کو قتل کرے۔ ہم غلام کس لئے ہیں آپ نے فرمایا صبر کرو ایسا ہی ہوگا۔

پھر آپ نے فرمایا نافع میں بعد نماز تہجد کچھ سویا تھا۔ کہ مادر گرامی خواب میں آئیں۔ اور فرمایا کہ اے حسین میدان میں جاکر دیکھو میں نے تمہارے شہیدوں کے گرنے کی جگہ صاف کر دی سنگریزے ہٹا دیئے ہیں۔ کہ اُن کے نازک بدن کو اذیت نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ نافع کو ہمراہ لے کر خیموں کی طرف تشریف لائے اور اپنی بہن بی بی زینبؑ کے خیمے میں تشریف لے گئے۔ اور نافع کو در خیمہ پر کھڑا کر دیا۔ اندر جا کر کیا دیکھا۔

ایک شمع جل رہی ہے۔ دونوں بچے عون و محمدؑ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بی بی فرما رہی ہیں میرے پیارے بچوں کل قربانی کا دن ہوگا میرے۔ بچوں مجھے سرخرو کر کے مرنا۔ دونوں بچے عرض کر رہے ہیں؛ امی جان صبح ہونے دیجئے۔ آپ دیکھیں گی ہم نے کس طرح قربانی دی ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ بچو لڑتے لڑتے جب دریا پر قبضہ ہو جائے تو پانی نہ پینا۔ دنیا میں کوئی ایسی ماں ہے۔ کہ تین دن کی پیاس میں بچوں کو پانی سے روک رہی ہے کہ پیاسے قربان ہو جاؤ۔

امام جب سامنے آ گئے بی بی نے سینے سے لگا کر عرض کی بھیا کل کیا ہوگا۔؟ حضرت نے فرمایا بہن جنگ ہوگی۔ بی بی نے عرض کی بھیا آپ نے اپنے ساتھیوں کو آزما لیا ہے۔؟ ایسا نہ ہو کہ آپ کے اصحاب

آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ آواز نافع بن ہلال نے سن لی اور اس نے اصحاب حسین کے خیمے کا رخ کر کے نام بنام پکارا اے مسلم بن عوسجہ۔ اے زہیر قین۔ اے حبیب ابن مظاہر جلدی آؤ۔ بی بی کو ہم پر اعتبار نہیں ہے۔

تمام اصحاب ننگے سر ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے بی بی زینب کے خیمے کے سامنے آ گئے تلواروں کی نیامیں کاٹ کر پھینک دیں۔ اور عرض کرنے لگے شہزادی غلام حاضر ہیں۔ آزما لیجئے۔ ہمیں حکم ہو تو ہم اپنے ہاتھوں اپنے سروں کو جدا کر لیں۔ اپنی گردنیں خود کاٹ لیں۔ ہم حاضر ہیں۔ اطمینان کر لیں۔ شور و غل کی آواز سنکر بی بی نے کہا کہ بھیا یہ میرے خیمے کے باہر شور و غل کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے اصحاب آئے ہیں اور تمہیں تسلیاں دینے آئے ہیں۔ کہ ہمیں آزما لو ہمیں حکم دو تو ہم اپنی گردنیں خود کاٹ لیں۔ کیونکہ تم نے جو کہا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو آزما لیا ہے۔

یہ سنکر بی بی نے کہا کہ میں آپ کے اصحاب سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ آپ میرا سلام ان کو پہنچا دیں کہ علی کی بیٹی سلام کہتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میرے بھائی حسین کا خیال رکھنا۔ حفاظت کرنا اور میرے بھائی کو بچانا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ
مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) :- ارشاد رب العزت ہے اے حبیب ہمارے تم اعلان کر دو لوگوں سے یہ کہہ دو۔ کیا کہہ دو جو میں کہلواتا ہوں۔ یہ الفاظ ادا کرو۔ قُلْ کہہ دو۔ اب وہ مقولہ کیا ہے۔ جو کچھ وہ کہلوانا چاہتا ہے۔ اب اس کے الفاظ ہیں۔ اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھنا چاہتے ہو۔ پس تم میرا اتباع کرو۔ اللہ سے محبت چاہتے ہو جب تم میرا اتباع کرو گے۔ تو اللہ خود تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اس میں شک نہ کرنا کیسے معاف کرے گا۔ وہ بخشنے والا ہے۔ غفور ہے مہربان ہے رحیم ہے۔ (صلواۃ)

اس آیہ وافی ہدایہ میں پروردگار عالم نے اپنی محبت کو اتباعِ رسول میں قرار دیا ہے۔ صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے۔ قُلْ۔ تم کہو ہمارا حکم ہے۔ تم اپنی طرف سے نہیں کہتے کہ میرا اتباع کرو۔ ہم کہتے ہیں۔ قُلْ تم کہو یہ لفظ ادا کرو۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ میرا اتباع کرو۔ اگر محبت ہے خدا سے اگر تمہارا مقصد ہے کہ اللہ سے محبت کرو۔ یا یہ صورت کہ اگر تمہیں دعویٰ ہے۔ کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے تو دونوں صورتوں میں اگر تم یہ تسلیم کرتے ہو اپنے لئے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ دیکھو کہ تم اتباع رسول بھی کر رہے ہو یا نہیں؟ اگر اتباع رسولؐ نہیں۔ پیروی رسول نہیں اور محبت کے انداز

تمہارے اپنے قیاسی ہیں اللہ سے۔ محبت کے طریقے تمہارے اپنے ایجاد کردہ ہیں۔ تو تم نے یقیناً خدا سے محبت نہیں کی۔ محبت تو اتباع رسول میں ہے۔ اگر رسول کا اتباع کیا تو پھر محبت ہے اور صاف لفظوں میں یوں عرض کر دوں کہ اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو رسول کی پیروی کرو یعنی رسولؐ کے نقش قدم پر چلو اگر خدا کو چاہتے ہو۔ مقصد صاف ہو گیا کہ تم خود خدا کی طرف جاؤ بلکہ ان کے پیچھے چلو یعنی خدا کی طرف گئے تو ممکن ہے۔ وہ خدا تمہارا حقیقت میں خدا ہی نہ ہو۔ اور تم سمجھ بیٹھے ہو خدا۔ لہذا اگر چاہتے ہو خدا تک پہنچنا تو رسولؐ سے محبت کرو۔ اتباع رسول میں محبت خدا مضمر ہے۔ (صلواۃ)

حضرات اِس ایک آیت نے ہمیں صاف لفظوں میں بتا دیا کہ ہمیں حضور کے نقش قدم پر چلنا ہے اور بغیر اس کے ہم خدا کو اپنا محبوب کہہ بھی نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ ہم دعویٰ کریں کہ ہم خدا کو ماننے ہیں۔ چاہتے ہیں۔ یہ سب غلط ہو گیا۔ اس آیت کی روشنی میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے جو کچھ راضی کرنے یا پیار و محبت کرنے کے طریقے ایجاد کیئے وہ آپ کو معلوم ہیں۔ کن کن طریقوں سے اللہ کو پکارا جاتا ہے۔ اور دعوئے محبت کیا جاتا ہے۔ مختلف طریقے ہیں۔ کہیں لہجے کے ذریعہ سُر دل میں۔ کہیں کسی تال سُر کے ذریعہ معلوم نہیں کیا کیا طریقے خدا سے محبت کے ایجاد کیئے گئے ہیں تو یہ سب اس وقت درست ہوں گے۔ جب مطابق عمل رسولؐ ہوں گے۔ اگر رسول نے بھی ایسا طریقہ اختیار کیا ہو تو تم پر بھی فرض ہے۔ کہ پیروی رسولؐ کرو۔ کیونکہ محبت کا جو معیار خدا نے بتایا ہے۔ وہ اتباع رسولؐ ہے۔ لہذا آپ یہ دیکھئے کہ سرکار دو جہاں صلعم نے بھی کبھی یہ عمل کیا ہے۔ جو آج ہم کر رہے ہیں۔ اللہ کو راضی رکھنے کے لئے۔ انہوں نے بھی اسی طرح سے اشعار وضع کیئے تھے۔ اسی طرح سُر تال کے ذریعہ اللہ کو پکارا تھا۔ اگر حضور کی زندگی میں یہ طریقہ نہیں تھا۔ تو پھر آپ سمجھ لیجیئے کہ آپ کو خدا سے محبت نہیں۔ یہ ایک ظاہر پرستی کہلائے گی۔ کیونکہ پروردگار عالم نے تو اپنی محبت کو مشروط قرار دیا ہے۔ اتباع رسول صلعم میں۔ اب حضور کو دیکھنا پڑے گا۔ بلکہ میں

یوں عرض کروں گا۔ ایک مثال دوں گا۔ اور اس کے بعد اتباع کے جو طریقے ہمیں بتائے گئے قرآن اور احادیث میں وہ پیش کروں گا۔ لیکن پہلی بات آج پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ہمیں خدا اور اس کی عبادت قطعاً نصیب نہیں ہو سکتی بغیر اتباع رسولؐ۔ ہمیں قطعاً خدا اور اس کی عبادت مل ہی نہیں سکتی۔ آپ بیشک نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کیلئے جو احکام ہیں کس قدر شدید ہیں (صلواۃ)

پروردگار عالم کی یہ نماز جو ہم پر فرض ہے۔ تمام مسلمانوں پر اس کے بارے میں حکم ہے۔ دیکھو کسی وقت نماز قضا نہ کرنا ملائکہ لعنت بھیجتے ہیں قضا کرنے والے پر۔ دیکھو کسی دنیاوی کام کو نماز پر مقدم نہ کرنا۔ ورنہ نہ دنیا ملے گی نہ آخرت اور اتنا فرض کیا نماز کو۔ اگر تم کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو۔ اور اگر بیٹھ کر ادا نہیں کر سکتے تو لیٹ کر ادا کرو۔ اور اگر لیٹ کر ہاتھوں کو حرکت نہیں ہو سکتی بوقت تکبیر ہلا نہیں سکتے تو آنکھوں کے اشاروں سے ادا کرو اور اگر تم دریا میں ڈوب رہے ہو اور نماز کا وقت ہے تو ڈوبتے بھی جاؤ اور اشاروں سے نماز بھی ادا کرتے جاؤ۔ یہ ہمیں ہدایات دیئے گئے ہیں۔

اسلام کا یہی ایک نظریہ پیش کر دیا ہے۔ اس کو آپ ملحوظ خاطر رکھیئے گا۔ اس سے جو نتائج نکلتے ہیں۔ وہ میں پیش کرتا ہوں۔ بہت کچھ فضائل ہیں نماز کے۔ لیکن بجائے فضائل کے اس کی اہمیت بتائی اس کے ترک کرنے میں جو ہمارے عواقب خراب ہوں گے۔ انجام بد ہوگا وہ بھی میں نے بتا دیا۔ کیونکہ آئمہ نے یہ بھی بتا دیا۔ تمام اعمال کے مطابق فرماتے ہوئے۔ اگر نماز قبول ہو گئی تو اس کے ساتھ سب کچھ قبول ہو جائے گا۔ لیکن نماز ہی رد کر دی گئی تو کوئی عمل قبول نہ ہو گا۔ نماز کے سوا جو کچھ ہے وہ سب کچھ رد کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد آپ کی ترقی کی طرف توجہ دلائی گئی۔ نماز مومنین کی معراج ہے۔ آئمہ نے تفسیر کی ہے۔ کہ یہ مومنین کی معراج ہے۔ کیونکہ مومن اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ جیسے حضورؐ کی گفتگو اللہ سے ہوئی

اور کوئی درمیان میں نہیں تھا۔ اسی طرح مومن اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔ یہ گفتگو ہے عبد و معبود میں کیونکہ جب بندہ نماز پڑھتا ہے۔ تو ایک آواز آتی ہے اللہ کی جسکو روح سمجھتی ہے۔ اور احساس کرتی ہے۔ اگر وہ واقعی اللہ کے دربار میں اپنے کو حاضر سمجھکر نماز پڑھتا ہے۔ تو ایک آواز آتی ہے۔ حمد اس کی جو رب العالمین جو رحمٰن و رحیم ہے۔ دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ اپنوں اور غیروں سب پر کرم کرنے والا ہے۔ یعنی ایمان والوں پر اور جو غیر ہیں۔ ان پر بھی اس کی رحمت عام ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے بعد وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ تو یہاں آواز آتی ہے کیا مدد چاہتا ہے۔ جب گفتگو شروع ہوئی خدا سے۔ تو وہاں سے آواز آتی ہے۔ کیا مدد چاہتا ہے۔ تو معلوم نہیں کہ بندہ کیا مانگ لیتا۔ خدا جانے کوئی غلط چیز نہ مانگ لے تو اللہ نے بتا دیا کر یہ کہہ دینا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

ہم صراطِ مستقیم کی مدد چاہتے ہیں۔ صراط مستقیم کیا ہے۔ اللہ اور ہمارے درمیان کوئی سڑک نہیں ہے۔

صراط کے معنی راستہ۔ مستقیم سیدھا راستہ۔ تو صراط مستقیم۔ ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا راستہ نہیں کہ جس کے درمیان چلوں۔ اس کو راستہ کہہ سکوں۔ اس سے مراد کیا ہے؟ صراط وہ ذریعہ جو سالک کو مطلوب تک پہنچائے۔ صراط کے معنی ہیں وہ ذریعہ جو چلنے والے کو مطلوب تک پہنچائے۔ تو اب ہم ہیں چلنے والے اور جانا ہے خدا تک۔ تو راستہ تو کوئی نہیں۔ خدا کسی جگہ محدود نہیں۔ کوئی اس کی منزل یا مکان نہیں کہ ہم کسی منزل تک پہنچ کر اس تک پہنچیں تو اس سے مراد وہ ذریعہ ہے کہ جو خدا تک پہونچائے (صلواۃ)

ہم دُعا کرتے ہیں کہ صراطِ مستقیم یعنی صحیح ذریعہ عطا کر دے۔ ہماری یہ مدد کر کہ تجھ تک آنے کے لئے ہمیں صحیح ذریعہ مل جائے۔ جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں۔ تو صحیح ذریعہ وہی ہوگا۔ جو اللہ تک لے جانے والا اس کا بتانے والا ہو۔ جس کو خود اس نے ذریعہ قرار دیا ہو۔ ہدایت کے لئے۔ وہ آپ نہیں آئے گا۔ لوگ

تو ترجمہ کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ تو راستہ سے مراد یہ راستہ نہیں جو زمین پر معین ہیں۔ سڑکیں یہ نہیں بلکہ سیدھا راستہ دکھا۔ کیا معنی؟ کیا راستہ وہ خود دکھانے آئے گا؟ نہیں۔ بلکہ آپ کو اگر راستہ دکھائے گا تو کوئی ہادی بھیجے گا۔ بتانے والا تو اب اس کے کیا معنی ہوئے ہمیں ہادی عطا کر کہ جس کے ذریعے ہم تجھ تک پہنچ سکیں اس نظر سے بھی دیکھے تو یہی معنی نکلتے ہیں۔

پروردگار عالم چاہتا ہے کہ آپ اس کے دربار میں پہنچیں۔ اور اس طرح سے دعائیں پڑھیں لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ یہ تو نماز کے متعلق کچھ ذکر کر دیا۔ مقصد یہ ہے۔ کہ یہ نماز جو آپ پڑھتے ہیں اور جو رائج ہے۔ اس دنیا میں۔ آج جس پر مسلمان عمل پیرا ہیں۔ یہ نماز۔ یہ رکوع و سجود۔ یہ قیام و قعود اس کا وجود کہاں ہے؟ بحث یہ ہے۔ مجھے نماز کا وجود دکھائیے کہاں ہے۔؟ کس جگہ ہے نماز جس کو آپ نماز کہتے ہیں۔ اس کا وجود ہمیں دکھائیے۔ وجود حقیقی اس کو کہتے ہیں جس سے آثار ظاہر ہوں اس کو وجود حقیقی کہتے ہیں تو اس کا وجود حقیقی یعنی وجود اصلی مجھے بتا دیجئے کہاں ہے؟ قیام ہے، قعود ہے، رکوع ہے، سجود ہے، جب کھڑے ہیں آپ تو نمازی کھڑا ہے۔ نماز کہاں کھڑی ہے۔ یہ تو نمازی کے حرکات ہیں۔ کبھی کھڑا ہوا۔ کبھی بیٹھ گیا۔ کبھی قعود میں ہے۔ یہ تو حرکات ہیں نمازی کے۔ نماز کا وجود کہاں ہے؟ میں نے تکبیر کہی۔ حرکت میرے ہاتھوں کو ہوئی۔ میرے ہاتھوں سے زیادہ کوئی چیز نظر آئی ہو تو بتا دیجئے۔ میرے قیام سے میں نظر آیا۔ لیکن میرے سوا اور کسی چیز کا وجود ہوا تو بتائیے؟ میں کھڑا ہوں رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں میں ہوں۔ نماز کہاں ہے؟ میں تو ہوں اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں مجھے۔ لیکن نماز کہاں ہے؟ جس کی وجہ سے میں نمازی کہلایا وہ کہاں ہے؟ یہ تو میرے حرکات ہیں۔ ایک شکل ہے جسم کی۔ کبھی جھکا کبھی کھڑا کبھی بیٹھا۔ کبھی سجدے میں گرا یہ شکل ہے میرے وجود کی۔ نماز کہاں ہے؟ اس کا وجود حقیقی بتائیے؟ یقیناً آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حرکات جو میں بجا لا رہا ہوں۔ کھڑا ہوں، رکوع میں ہوں سجود میں ہوں، یہ تو میرا وجود حقیقی ہے۔ اور حرکات اس کے آثار ہیں۔ اور میرے جسم

کے حرکات روح میں جو کچھ آیا ہے۔ وہ روح کے آثار ہیں تو نماز درحقیقت کہاں ہے جس کو نماز کہتے ہیں؟ اس کا وجود بتا دیجئے۔ اور اس سے زیادہ واضح کر دوں جس سے مسئلہ کا حل ہو جائے کہ نماز کا وجود قطعاً حل ہو جائے۔ (صلوٰۃ)

نماز آپ کی محتاج۔ جب آپ نماز پڑھیں گے تو کہا جائے گا کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو وہ آپ کا ایک فعل ہے۔ اور فعل محتاج فاعل ہے۔ اگر نمازی نہ ہو تو نماز کا وجود کہاں؟ معلوم ہوا کہ اس کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ اور جب آپ نے مان لیا تو پھر خدا کہتا ہے کہ تم نماز سے مدد مانگو۔ میں کہاں مدد مانگوں؟ ملتی کہاں ہے نماز؟ جس سے مدد مانگوں۔ قرآن کی آیت ہے۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ (صلوٰۃ)

میں آج یہ بتا رہا ہوں آپ کو یہ جو ہم پڑھ رہے ہیں۔ یہ نماز اصلی نماز نہیں۔ ہرگز نہیں وجود اصلی کہاں ہے نماز کا؟ ہم نے یہ رکوع و سجود کیا۔ ہمارے پاس خدا نہیں آیا کہ یوں جھکو۔ یوں نماز پڑھو۔ یوں سجود کرو۔ تو پھر ہم نے یہ شکل بنائی کہاں سے؟ یہ جو شکل نماز کی جس کو آپ نماز کہتے ہیں۔ میں اس کو شکل کہوں گا، ہیئت مخصوصہ کہونگا۔ ہیئت خاص بنالی یوں بیٹھے اور یوں اٹھے آپنے کہاں سے یہ شکل سیکھی آپ کو اللہ نے تو نہیں بتائی۔ اللہ نے اپنے حرکات و سکون کے ذریعے آپ کو نہیں بتایا۔ یہ تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ طریقہ، یہ شکل، جس شکل سے آپ اٹھتے بیٹھتے ہیں یہ آپ نے رسولؐ سے سیکھی ہے۔

پھر اس کو سمجھئے کہ ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے نماز کا یہ طریقہ ہم نے کہاں سے لیا؟ خدا سے براہِ راست نہیں لیا۔ بلکہ رسول کریمؐ سے لیا۔ اور جب رسول کریمؐ سے لیا تو اصل میں وہ جھکے ان کی طرح ہم جھکے وہ اٹھے اُن کی طرح ہم اٹھے تو اصل نماز وہ ہوئے۔ جب وہ اصل ہوئے تو ہم نے نقل کی وہ اصل اور ہم نے ان کی کاپی کی۔ اگر یہ نقل ہماری مطابق اصل ہے تو نماز صحیح ہے۔ اگر مطابق اصل نہیں تو نماز باطل ہے کیونکہ یہ تو کاپی ہے رسولؐ کی جس طرح حضور کرتے تھے ہم بھی کرتے ہیں۔

لفظ یہ ہیں تم اس طرح کرو اور یوں پڑھو جیسے میں کرتا ہوں۔ میں پڑھتا ہوں۔ اس طرح کرو۔ تو

حضور نے جس طرح پڑھا جس طرح عمل کیا۔ ہم اس طرح کرنے لگے تو ہماری نمازیں حضور سرکار دو جہاںؐ کی نقل ہیں۔ حضور کے حرکات و سکنات کی نقل ہے۔ اور جب نماز نقل ہے اور نیت کر کے نقل کر رہے ہیں جب ہم سرکار دو جہاں صلعم کی نقل کر رہے ہیں۔ اور نیت کر کے نقل کر رہے ہیں۔ عبادت سمجھ کر نقل کر رہے ہیں۔ تو آپ رسولؐ کی نقل کو بدعت نہیں کہہ سکتے؟ حضورؐ کی کاپی کرنا حضور کی نقل کرنا عین شریعت ہے اور اس کو آپ نے نماز قرار دیا ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے آپ نے نماز ادا کی۔ نیت کی نقل کی ہے۔ دل میں کہ رسول اس طرح کرتے تھے تو اب آپ کی نماز کاپی (نقل) ہوئی تو حضور اصل بنے اور حضور سے پہلے کوئی نہیں کہ جس کی وہ نقل کریں۔ لہذا اب حضور اصل بنے اس کی نقل آپ نے کی اب کوئی نہ کوئی اصل رہے۔ تاکہ نقل کی تصدیق ہوتی رہے جو مطابق اصل ہے۔

اگر حضور کے بعد کوئی نہ ہے اصل کی جگہ اصل اور نمازوں میں اختلاف ہو تو کس سے مطابق کیجئے گا۔ جبکہ رسول کریمؐ ہی کے مطابق اختلافات ہو جائیں کہ حضورؐ کی اصل یہ تھی یا وہ تھی؟ جو بھی سرکار دو جہاں نے ہیئت بنائی شکل بنائی اس میں اختلاف ہو جائے کہ جب بھی حضور کھڑے ہوتے تھے تو کیا شکل بنائی تھی جب حضورؐ رکوع کرتے تھے تو کیا شکل ہوتی تھی۔ جب سجدے میں جاتے تھے۔ تو کیا شکل ہوتی تھی۔ اگر اس چیز میں اختلاف ہو جائے تو کیا چیز ہے معیار آپ کے پاس حضورؐ کی زندگی میں تو حضورؐ آپ کے پاس ہیں۔ تو اب وہی ہو سکتا ہے۔ جس کو حضورؐ کہہ دیں کہ اگر میں نہ ہوں تو میرے بعد یہ ہوں گے۔ ان کو دیکھنا صرف قرآن کافی نہ ہوگا۔ (صلوٰۃ)

چونکہ قرآن مجید لفظ صلوٰۃ کہتا ہے۔ معنی نہیں بتاتا طریقہ نہیں بتاتا۔ صلوٰۃ صرف لفظ صلوٰۃ اب اس کے معنی کیا ہیں۔ آپ نے ترجمہ کیا ہے۔ نماز جو صحیح عربی و قرآن میں لفظ ہے وہ ہے صلوٰۃ ترجمہ نماز معنی نہیں۔ صلوٰۃ کے معنی نہیں۔ صلوٰۃ کا ترجمہ نماز۔ ترجمہ اور چیز ہے معنی اور چیز ہے اللہ کا ترجمہ ہے خدا۔ معنی نہیں۔ لیکن خدا کوئی معنی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح صلوٰۃ کا ترجمہ ہے نماز۔ اس

Saiem Bakhash Khan Tafeer

کے معنی کیا ہیں۔ وہ ہیئت مخصوصہ جو حضور نے عمل کر کے دکھائی وہ خاص شکل ہے معنی۔ اور جب نماز کے وہ معنی ہوئے تو وجود نماز حقیقت میں وجود محمدؐ ہو گیا۔ (صلوٰۃ)

کیونکہ الگ اس کا کوئی وجود نہیں حضورؐ اصل وجود۔ حضورؐ جو کچھ کر کے دکھا گئے آپ نے جس طرح عمل کیا وہی حقیقی معنی ہیں۔ کیونکہ اللہ نے لفظ صلوٰۃ کہا۔ عربی لفظ صلوٰۃ اس کے معنی لغت عربی میں دعا کے ہیں۔ لیکن مطلق دعا نماز نہیں۔ شرعاً صلوٰۃ کے معنی مطلق دعا نہیں لغت میں تو معنی ہیں دعا لیکن صرف دعا یعنی میں کہہ دوں یا اللہ مجھے معاف کر مجھے یا اللہ اولاد دے۔ کیا نماز ہو گئی۔ دعا تو ہے۔ لیکن نماز نہیں۔ تو ہر دعا نماز نہیں لہذا ماننا پڑے گا کہ نماز مطلق دعا نہیں بلکہ ایک خاص طریقہ کی دعا ہے۔ اب وہ خاص طریقے کی دعا لغت نہیں بتا سکتا۔ اور جب لغت نہیں بتا سکتا تو قرآن جو عربی زبان میں ہے وہ لغت سے حل نہیں ہو سکتا۔ لغت قرآن کے حل سے عاجز ہے۔ لغت تو دعا بتا دے گا۔ صلوٰۃ کے معنی دعا۔ لیکن کیا ہے وہ دعا اس کا طریقہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ دعا کی جائے یہ قرآن نہیں بتائے گا۔ شکل نماز نہیں بتائے گا۔ اور جب قرآن نماز نہیں بتاتا۔ حقیقت نماز کو واضح نہیں کرتا جسے پانچ مرتبہ ہم عمل میں لا رہے ہیں۔ تو اگر مجھ سے کہا جائے کہ ہر مسئلہ قرآن سے بتاؤ تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم صرف شکل نماز قرآن سے دکھاؤ۔ میں شہزادہ امام حسن علیہ السلام کا ایک بیان پیش کرتا ہوں (صلوٰۃ)

آپ نے شام کے ممبر پر مسجد دمشق میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے شامیوں کو مخاطب کیا مسجد دمشق سامعین و حاضرین سے چھلک رہی تھی آپ نے فرمایا۔ ایھا المسلمون۔ اے مسلمانوں اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے وہ حکم دینے والا۔ پکارنے والا خدا نے کہا ہے۔ اور تمہیں کہا ہے کہ تم نماز پڑھو۔ مخاطب تم متکلم خدا۔ کیا تم معنی سمجھ گئے؟ متکلم ہے خدا۔ پکار رہا ہے۔ نماز پڑھو۔ ایمان والے مخاطب بن گئے۔ حکم دیتا ہے ہمیں سب کو لیکن صلوٰۃ کے معنی ہمیں نہیں بتاتا۔ صلوٰۃ کہتا ہے معنی نہیں بتاتا۔ ہم کس طرح نماز پڑھیں۔؟

امام فرماتے ہیں۔ بتاؤ تمہیں کہا ہے خدا نے ادا کرو صلوٰۃ۔ وہ متکلم تم مخاطب کس طرح رکوع و سجود کرو گے؟ اور کیا پڑھو گے؟ رکوع و سجود، قیام و قعود میں کیا پڑھو گے؟ مخاطب خدا متکلم درمیان میں کسی کو نہ لاؤ۔ پڑھ کے دکھا دو نماز۔ تم نے کیوں نہیں پڑھی نماز؟ اللہ کہتا ہے نماز پڑھو تم پڑھو، زکوٰۃ دو۔ خدا کہتا ہے، زکوٰۃ دے کر دکھاؤ۔ کتنی دو گے کیا دو گے۔ کس وقت دو گے۔ نصاب کیا ہو گا۔ کس میں کتنی کتنی؟ اور تمہیں کہا ہے تم زکوٰۃ دو۔

اللہ متکلم تم مخاطب۔ اللہ کہتا ہے تم پر روزے لکھ دیئے گئے ہیں تو تم پر روزے واجب، اللہ متکلم تم مخاطب۔ روزہ رکھ کر دکھاؤ۔ کس طرح رکھو گے۔ پھر آپ نے چوتھی مرتبہ ایک آیت پڑھی اللہ نے تم پر حج واجب کر دیا جس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ جا سکے تو اس پر حج واجب۔ حج کے معنی ارادہ عربی لغت میں۔ حج کے معنی ارادہ تو کیا ارادہ کرو گے اور حاجی بن جاؤ گے۔ تمہیں وہاں جانا پڑے گا خدا کے گھر یعنی بیت اللہ۔ مگر وہاں جا کر کیا کرو گے کس طرح طواف کرو گے کس طرح وہاں قربانی کرو گے۔ کہاں کہاں کتنی نمازیں پڑھو گے۔ کیا کرو گے؟ قرآن تو نہیں بتاتا تو تم حاجی بھی بنے تم نمازی بھی بنے تم نے زکوٰۃ بھی دی۔ روزے بھی رکھے۔ تو تم یہ جو کر رہے ہو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ بجا لا رہے ہو یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟ یہ معنی کس نے بتائے جس پر آج تمہارا عمل ہے؟ تو تمام جتنے حاضرین تھے ان سب کی ایک آواز بلند ہوئی۔ انہوں نے کہا ہمیں تو آپ کے نانا رسول اللہ نے یہ معنی بتائے ہمیں قطعاً نہیں معلوم کہ روزے، نماز، حج، زکوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔ یہ سب آپ کے نانا رسول اللہ صلعم نے بتائے۔ تو پھر آپ نے ایک سوال کر دیا۔ کہ میرے نانا نے یہ معنی بتائے تو تم اس پر بھی ایمان لائے؟ کہ یہی معنی جو میرے نانا نے بتائے۔ یہی معنی مراد خدا ہیں۔ یعنی خدا کے نزدیک بھی یہی معنی ہیں جو میرے نانا نے بتائے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں جو آپ کے نانا نے ہمیں روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، وغیرہ کے معنی بتائے۔ یہی اللہ کے نزدیک معنی مراد ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں

تو آپ نے ایک جملہ کہہ دیا۔

وہ فرماتے ہیں سنو۔ میرے نانا نے روزہ، نماز کے معنی بتائے تم نے قبول کر لیے۔ حج کے معنی جو میرے نانا نے بتائے وہ تم نے مان لیے۔ زکوٰۃ کے جو معنی میرے نانا نے بتائے وہ تم نے مان لئے تو اولی الامر کے جو معنی میرے نانا نے بتائے وہ کیوں نہیں مانتے؟ یا نماز، روزہ وغیرہ چھوڑ دو یا وہ معنی قبول کرو۔ جو میرے نانا نے بتائے۔ یہ میرے مولا کا ایک خطبہ تھا جس کا جواب کوئی شامی نہ دے سکا اور دے کس طرح براہ راست اللہ سے تو کچھ لے نہیں سکتا۔ سب کچھ امام حسنؑ کے نانا سے لیا۔ اور انہیں کے اتباع سے حاصل کیا۔ (صلوٰۃ)

میں نے قرآن کی آیت سے یہ سمجھا دیا کہ کُل دین ان کے اتباع کا نام ہے۔ اصل دین وہ ہیں اور ہم نقل اس کی ہیں۔ حضورؐ خود اصل دین تھے بعد یکے بعد دیگرے حضورؐ کے بجائے جو معیار بنتا آئے گا۔ اصل و نقل کے فیصلے کے لئے وہ اصل دین اور جب یہ حضرات اصل دین اور حقیقی دین اور ہم اس کی نقل کریں گے تو ایک طرف دین اور ایک طرف نقل کرنے والا ان میں ذرا فرق کیجئے۔ اسی کو خدا نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا دین اللہ کے غیر کو چاہتے ہو؟ معلوم ہوا کوئی ہے دین اللہ اس کے بعد بھی آیا ہے غیر دین اللہ۔ اس میں فرق کیجئے فرماتا ہے کیا چاہتے ہو؟ دین اللہ کے غیر کو ایک تو دین اللہ ہوا اور دوسرا غیر دین اللہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ دین اللہ کوئی وجود اصلی ہے کوئی حقیقی ہے۔ کیونکہ غیر اللہ نہیں کہا۔ بلکہ غیر دین اللہ کہا ہے۔ لہٰذا آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ دین اللہ کوئی ہستی ہے جائز ناجائز جتنے مسائل شرعی ہیں۔ یہ سب ہی حل کر دیں۔ مگر انکار وجود نہیں لہٰذا جس نے یہ دین وجود میں لا کر دکھایا وہ اصل دین اور جب وہ دین بنا تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ کو سمجھا ہے۔ اور انہوں نے کہہ دیا: دین است حسینؑ: (صلوٰۃ)

یعنی حقیقی وجود۔ اصل دین حسینؑ ہیں لہٰذا اول حضورؐ دین حضورؐ کے بعد جو بھی معیار بنا وہ دین

اور قیامت تک اسی طرح دین بنتے جائیں گے۔ کیونکہ وجود دین ان کے حرکات و سکنات کا نام ہے۔ اس تمہید کے بعد آج میں نے بہت وقت لیا۔ اسی بنیاد پر آئندہ میں جو کچھ بیان کروں گا۔ وہ اسی کے نتائج ہونگے جو آج پیش کر دیا۔ آج ایک نتیجہ اس سے جو اخذ کیا ہے وہ پیش کرتا ہوں معلوم ہوا کہ حضور سرکار دوجہاں صلعم وجود اصلی ہیں دین کے تمام مسائل کے اور انہیں کا اتباع سبب محبت خدا ہے۔ اور اگر ہم نے انکا اتباع نہ کیا تو یقیناً خدا کو ہی نہ مانا چنانچہ کلا اللہ پڑھنے والوں کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک محمد رسول اللہ کا قائل نہیں ہوتا کیونکہ اگر محمد رسول اللہ کو نہیں مانتا اور وہ اپنے کو دین کا عالم کہے اور یہ کہے کہ میں دیندار ہوں۔ دین کا جاننے والا ہوں اور پڑھ کر عالم دین بن گیا ہوں ایسا آدمی جاہل ہے۔ کیونکہ انہے سب کچھ حضورؐ سے لیا ہے براہ راست خدا نہیں آیا۔ حضورؐ جو کچھ فرمائیں گے وہ بعینہٖ اللہ کا فرمان ہوگا۔ اور جو حضورؐ عمل کریں۔ اس کو آپ یہ سمجھ کر مانیئے گا کہ یہ عمل حقیقت میں اللہ نے نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کے قول و عمل تسلیم کرنے میں خود اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور اگر ان کے قول و عمل کو تسلیم نہ کیا۔ اتباع نہ کیا تو خدا آپ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے دلائل بہت ہیں۔ کل پیش کروں گا۔ آج صرف اتنا کہ حضور جس طرح عمل کرتے تھے آپ اس طرح عمل کریں اور جو کچھ حضور فرمائیں وہی آپ کہیں۔ قول و عمل دونوں میں حضور کا اتباع ہو۔ تو خدا مل گیا۔ اور اگر اتباع نہیں کیا تو خدا نہیں ملا۔ اور یقیناً نہیں ملا۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ تو اب جس سے حضورؐ محبت کریں اُ جتنی محبت کریں۔ اگر آپ نے اس سے محبت کی اور اتنی محبت کی جیسی رسولؐ نے کی۔ تو خدا مل گیا۔ کیونکہ اتباع میں خدا ملتا ہے۔ (صلواۃ)

حضورؐ نے جس جس سے محبت کی ہو آپ کو اس سے محبت کرنا ہوگی۔ اگر خدا کو چاہتے ہو؟ اگر تم اللہ سے محبت رکھنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اور جب اللہ نے کہلوایا رسولؐ کہہ دو کہ میرا اتباع کرو۔ اگر خدا کو چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ لہٰذا اگر حضور کسی سے محبت کرتے ہیں تو جس طرح

جس درجہ کی محبت ہوگی تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ خدا نے درجہ معین کیا ہے۔ خدا بھی اسی درجہ کی محبت کرتا ہے۔ جس درجہ کی محبت رسولؐ کر رہے ہوں۔ اور اسی طرح نفرت کا بھی معاملہ ہے۔ عداوت دشمنی بھی اسی نہج پر ہوگی۔

اور جب یہ مان لیا آپ نے تو اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ رشتے دار ہونے کی وجہ سے محبت کرتے تھے۔ اگر ذرا سا بھی یہ لفظ دل و زبان پر آیا کہ بیٹا بیٹی یا دامادی کے رشتے کی وجہ سے محبت کی تو آپنے رسولؐ کا بھی انکار کر دیا اور خدا کا بھی انکار کر دیا اور قرآن اور اللہ تعالیٰ کے مخالف ہوگئے لہٰذا آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ جو کچھ حضور کرتے ہیں اور جس سے جو سلوک ہے یہ یقیناً خدا کا سلوک ہے خدا یہیں ملے گا۔ اسی طرح ماننے میں ملے گا۔ اگر کسی وقت حضور سرکار دوجہاں صلعم کوئی حکم دیں تو قول کو بھی ماننا پڑے گا۔ وہاں حضورؐ پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ کی حالت اچھی نہیں ہے یا آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے یہ لفظ آپ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اتباع کرنا ہے۔

حضورؐ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے ہر مسئلہ میں۔ حضورؐ کے اتباع کو ملحوظ رکھئے گا۔ حضورؐ سرکار دوجہاںؐ خاتونِ قیامت سے دریافت فرماتے ہیں۔ کہ اے بیٹی تمہیں مجھ سے زیادہ محبت ہے یا علیؑ سے تو بی بی نے عرض کیا کہ بابا جان ان سے بھی ہے مگر ان کی نسبت آپ کے ساتھ محبت زیادہ ہے۔ پھر فرمایا حسنینؑ (حسنؑ و حسینؑ) جو بیٹے ہیں ان سے زیادہ محبت ہے یا مجھ سے تو بی بی نے عرض کی کہ بابا جان حسنؑ و حسینؑ سے بھی ہے۔ مگر ان کے مقابلے میں آپ کے ساتھ زیادہ محبت ہے جب یہ لفظ کہے تو حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ اچھا بیٹی اللہ کے ساتھ زیادہ محبت ہے یا میرے ساتھ۔ اللہ زیادہ پیارا ہے یا میں زیادہ پیارا ہوں۔ تو بی بی نے کیا جواب دیا۔ فرمایا کہ آپ اسی لئے تو زیادہ پیارے ہیں کہ آپ خدا کے زیادہ پیارے ہیں۔ (صلواۃ)

اب معیار معلوم ہو گیا اب صحیح پتہ لگ گیا جب بی بی کا جواب معلوم ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔

خدا کی قسم ایمان کے یہی معنی ہیں کہ تم نے مجھ سے اس لئے محبت کی کہ مجھے اللہ کا پیارا سمجھا۔ لہٰذا آپ حضورؐ کو معیار قرار دیں اور یہ کہیں کہ سرکارِ دوجہاں اللہ کی طرف سے ہمارے لئے نمونۂ عمل بن کر آئے آپ کو دیکھتے جائیں عمل میں قول میں جو کچھ حضور کریں۔ ان کے نقشِ قدم پر آپ چلیں اور اسی نقل کو ہم دین کہتے ہیں۔ یعنی حضورؐ کی نقل کو ہم دین کہتے ہیں۔ اور حضورؐ کو اصل دین سمجھتے ہیں جب ہم نے تمام نقلیں کیں حضورؐ کی جو کچھ ہے ہمارے پاس یہ سب کچھ حضورؐ کی نقل ہے۔ جتنا دین ہے۔ یہ سب نقل ہے اور حضورؐ اصل ہیں اب اگر حضورؐ نے حسینؓ سے محبت کی اور محبت کر کے فرمایا اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہہ گئے ہیں ایک چیز تمہیں دیئے جاتا ہوں یہ سُرخ رنگ کی مٹی ہے۔ اس کو تم حفاظت سے رکھو۔ اپنے سامنے ایک شیشی میں بند کر کے کارک مضبوط کر کے آپ نے دیدی۔ لو یہ رکھ لو۔ اور دیکھو اس میں جو سُرخ مٹی ہے جب یہ بالکل خون بن جائے تو سمجھ لینا میرا بیٹا جو گود میں ہے۔ یعنی یہ حسینؓ شہید ہو گیا۔ دیکھو یہ تمہیں بتائے جاتا ہوں۔ یہ حضورؐ فرما گئے۔ مٹی رکھ لو۔

جب کافی عرصہ گزر گیا اور وہ دن آیا جس کی خبر دی تھی تو بی بی نے مٹی کو خون دیکھا یعنی کربلا میں ہی محرم نہیں ہوا بلکہ مدینہ میں بھی ہوا۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کو امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں دن کے وقت سو رہی تھی تو میں نے ایک خواب دیکھا (مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے) جو مروج ہے درسگاہوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں بھی دیکھ لیجئے۔

بی بی ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ میں سو رہی تھی۔ میں نے سرکارِ دوجہاںؐ کو خواب میں دیکھا اور حضورؐ فرما گئے تھے۔ جو مجھے خواب میں دیکھے سمجھے کہ اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل میں کبھی نہیں آسکتا۔ لیکن میں جھوٹ بول سکتا ہوں کہ میں نے رسولؐ کو دیکھا۔ لیکن جنہوں نے رسول کو دیکھا ہے۔

خلوت و جلوت میں وہ پہچان سکتی ہیں۔ میں پہچاننے میں غلطی کر سکتا ہوں۔ لیکن ام المومنین بی بی ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کو دیکھا۔ اب دھوکہ کی بات نہیں رہی وہ پہچانتی ہیں شکل و صورت حضورؐ کی۔ میں نے نبی کو دیکھا۔

کس حالت میں۔ کہتی ہیں میں نے دیکھا سرکارِ دوجہاںؐ کے بال پریشان تھے سر کھلا تھا زلفوں پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ آپ کے سر پہ خاک تھی اور داڑھی پر بھی۔ سر کھلا تھا۔ اور حضورؐ کے آنسو بہ رہے تھے۔ ہاتھ میں ایک شیشی تھی اس میں خون بھرا ہوا تھا۔ یہ خواب دیکھ کر بی بی کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرا باپ اور میری ماں آپ پر صدقہ۔ قربان۔ یہ آپ کا کیا حال ہے یعنی سر کیوں برہنہ ہے۔ یہ آپ کے سر پہ خاک۔ ریش مبارک پر خاک کیوں پڑی ہے۔ یہ آپ کے آنسو کیوں بہ رہے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں یہ شیشی کیسی ہے۔ یہ اس میں خون کیسا ہے؟

تو آپ نے فرمایا ام سلمہؓ۔ اے بی بی ام سلمہ میرا بیٹا حسینؓ شہید ہو گیا۔ اور ابھی میں وہاں سے آرہا ہوں۔ حضور خواب میں آئے۔ خواب میں غیر نہیں آسکتا اور پھر ام المومنین کے خواب میں اور وہ خود نہیں کہہ سکتیں۔ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے قتل حسینؓ پر اپنی حالت بتائی کہ میں اس طرح ہوں۔ میری کیفیت دیکھو۔ میری شکل دیکھو۔ اور میری نقل کرو۔ جیسے اور دین میں نقل کرتے ہو۔ روزہ، نماز وغیرہ میں۔

تو اس طرح حسینؓ کی محبت میں بھی جو کچھ مجھ پر آثار ظاہر ہوئے۔ اسی طرح اس میں بھی نقل کرو۔ بی بی ام سلمہ کہتی ہیں۔ میں یہ خواب دیکھتے ہی اٹھی اور اٹھ کر اپنے حجرہ میں گئی۔ فرماتی ہیں یہ خواب دیکھ کر اب خواب کی بات نہ رہی۔ بلکہ خواب دیکھتے ہی حجرہ میں گئیں۔ وہ شیشی نکالی جو حضور دے گئے تھے اب جو دیکھا تو اس میں خون اُبل رہا تھا۔ وہ مٹی مٹی نہ تھی بلکہ خون بن چکی تھی۔ اور خون جوش مار رہا تھا۔ اُبل رہا تھا جب اُچھلتے ہوئے خون کو دیکھا تو چونکہ حضورؐ فرما گئے تھے۔ اور اب اپنی آنکھوں سے

دیکھ لیا تھا۔ کہا قُتِلَ الْحُسَیْنُ فِی الْعِرَاقِ۔ ہائے حسین عراق میں قتل ہو گئے۔ تمام ہاشمی بیبیاں جمع ہو گئیں۔ سب اس شیشی کے گرد زمین پر حلقہ باندھ کر بیٹھ گئیں اور گریہ و بکا کرنے لگیں۔ اتنے میں ایک حجرہ کا دروازہ کھلا اور بی بی صغریٰ روتی ہوئی نکلیں آواز دیتی ہوئی۔ نانی میں نے خواب دیکھا ہے۔ میرا جگر پھٹا جا رہا ہے۔ جب روتی ہوئی نانی کے پاس آئیں۔ تو شیشی پر نظر پڑی خون اُبل رہا ہے۔ چیخیں مار کر کہنے لگیں۔ میں نے بابا کو کتنے خط بھیجے جواب نہیں آیا۔ نانی اب مجھے صبر نہیں ہوتا۔ ام سلمہ نے کہا گھبراؤ نہیں تمہارے بابا کسی امر عظیم میں مشغول ہوں گے۔ کوئی نہ کوئی جواب آئے گا۔ بیمار بیٹی نے کہا نانی اب جواب کیسے آئے گا۔ مٹی تو خون ہو گئی جو میرے نانا دے گئے تھے نانی میں یتیم ہو گئی نانی میرا بابا شہید ہو گیا۔ ایک بیٹی مدینہ میں شیشی کی مٹی کو خون دیکھ کر رو رہی ہے۔ اور ایک بیٹی کربلا میں باپ کی لاش سے لپٹ کر رو رہی ہے۔ میرے کانوں کو دیکھو خون بہہ رہا ہے۔

"الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ):۔ پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ اے رسول تم کہہ دو لوگوں کو ہمارا پیغام پہنچا دو۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت چاہتے ہو یا تم دعویٰ محبت رکھتے ہو۔ دونوں صورتوں میں تو ان دونوں کا ایک ہی طریقہ ہے۔ تم میرا اتباع کرو۔ اور جب تم میرا اتباع اور پیروی کروگے تو پروردگار عالم سے تمہاری محبت بھی ثابت ہوگی اور تم اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے۔ تو اللہ خود تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔ (صلوٰۃ)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور سرکار دوجہاں صلعم کے اتباع کو برہان محبت قرار دیا ہے اتباع کیا ہے؟ لغوی لحاظ سے اتباع کسی چیز کو اپنے سے مقدم قرار دینا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے کہ ہم نے ان کے پیچھے لعنت کو لگا دیا۔ یہ قرآن مجید میں ہے۔ کچھ لوگوں کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تھا۔ ہم نے ان کے پیچھے لعنت کو لگا دیا۔ پیچھے چلنا اور ایک کو آگے چلنا سمجھنا یہی اتباع ہے اور اسی سے اتباع نکلا ہے۔ تو لغوی لحاظ سے اپنے کو پیچھے اور اس کو آگے سمجھنا یہ اتباع ہے۔

اور اگر کوئی شخص اس سے آگے بڑھے یا اس سے بڑھنے کی کوشش کرے تو وہ متبع نہیں کہلائے گا۔ وہ پیرو، نقش قدم پر چلنے والا نہیں کہلائے گا۔ اور جب ایسا نہ ہوگا تو اس سے خدا کو محبت نہ ہوگی۔ یعنی خدا سے بے تعلق ہو جائے گا۔ اسی کو پروردگار عالم نے سورۂ محمدؐ میں یوں بیان کیا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (سورۃ الحجرات)
(ترجمہ) خدا فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے کو رسول سے آگے نہ کرو۔ رسول کے آگے نہ ہو رسول کے پیچھے رہو اگر تم آگے ہو گئے تو تمہارے تمام عمل ضائع ہو جائیں گے۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ (صلوات)

تو وہ چیز تو غلط ہو گئی کہ کسی صاحب نے نماز پڑھائی اور رسول پیچھے تھے۔ اور وہ آگے تھے یہ غلط ہو گئی۔ ایسا کرنے والے کے عمل ہی ضائع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ناکارہ کر دیا۔ اس سے مقام اہلبیت جو ہماری ان مجالس کا موضوع ہے وہ بھی واضح ہو جاتا ہے حدیث پڑھ چکا ہوں۔ کئی مرتبہ سن چکے ہیں آپ کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا سرکارِ دوجہاں کو کہ تم اعلان کر دو اور حدیث جو میں نے پیش کی ہے وہ حدیث ثقلین کہلاتی ہے۔

ثقل وزنی چیز جس میں ثقل ہو یعنی صاحب ثقل جس کو ثقل کہتے ہیں اور خود وزن ثقل تو بہا ثقلین نہیں بنے۔ ثقلین ہے تثنیہ کا صیغہ ہے اور ان دونوں کا وزن برابر ہے کیونکہ تثنیہ کے معنی جیسا ایک ہو ویسا ہی دوسرا جب آئے تو وہ دونوں تثنیہ کہلاتے ہیں۔ رجل ایک اور ایسا ہی ایک اور آ جائے تو رجلین یعنی دو رجل۔ ثقلین یعنی دو ثقل یعنی برابر ہوں اس میں کمی نہ ہو۔ ثقلین تب کہا جائے گا۔ اور کم و زیادہ ہوں تو تثنیہ غلط ہو جائے گا۔ تثنیہ کے معنی دو ایک جیسے۔ اگر قرآن و اہلبیت یہ وزن میں برابر ہیں ثقل ہیں دونوں تو قرآن مجید کی آیت کا ذکر کرتا ہوں۔ پورے قرآن کا نہیں بلکہ مسلمانوں نے (۶۶۶۶) چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں بتائی ہیں۔ لوگوں نے گول گول دائرے لگا کر مقدار مقرر کر دی۔ حالانکہ جس نے

یہ تعداد بتائی ہے۔ نہ وہ نبی ہے، نہ رسول ہے، نہ اہلبیت میں سے ہے نہ امام ہے نہ اصحاب میں سے ہے۔ حجاج بن یوسف ثقفی۔ اس نے دائرے لگائے ہیں۔ گول گول آیتوں کے۔ تو وہ نہ کسی کا نبی ہے نہ امام ہے تو (۶۶۶۶) بھی یقینی نہیں۔ جب تک کہ کسی امام یا کم سے کم کسی صحابی نے تصدیق کی ہو۔ تصدیق ہی نہیں ملتی۔ غرض یہ بحث الگ ہے اس سلسلہ میں اگر انشاء اللہ کبھی موقع آیا تو قرآن کی جمع و تالیف۔ تدوین۔ تحریف۔ تالیف پر ایک بصیرت افروز تقریر کروں گا۔ جو میں نے تیار کر لی ہے۔ اور آج سے تقریباً ۲۶ سال پہلے لوگوں نے الزام لگا دیا تھا کہ ہمارا قرآن چالیس پارے کا ہے یہ کہا کرتے تھے حالانکہ قرآن تو یہی ہے۔ پارہ پارہ کرنے والے بھی لوگ ہیں۔ حضورؐ نے پارہ پارہ نہیں کیا تھا۔ یہ بھی بعد میں ہی ہوا۔ یعنی قرآن کو پارہ پارہ کرنے کا رواج بھی بعد میں ہوا۔ ان سورتوں کے بارے میں حضورؐ کے ہدایات تھے وہ جو دس پارے کہا جاتا ہے وہ تنزیل نہیں تھی تاویل تھی۔ تاویل کیا ہے اور تنزیل کیا ہے۔ تنزیل۔ مثلاً کسی کی تعریف میں آیت آئی۔ وہ آیت کے الفاظ تنزیل اور جس کے بارے میں آئی وہ تاویل جس مقام پر جس کے بارے میں وہ آیت آئی۔ جس حالت میں آئی۔ اس کو تاویل کہتے ہیں۔ آیت آئی۔ قرآن کی آیت وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (ترجمہ) وہ ثلاثہ جنہوں نے حضورؐ کی بات نہ مانی مخالفت کی اور پیچھے رہ گئے وہ ثلاثہ کا لفظ تنزیل ہے۔ پھر کون ثلاثہ یہ تاویل ہے۔ تو قرآن میں بھی اللہ کی طرف سے آئی تھی۔ حضورؐ تاویلیں نہیں کرتے تھے۔ اللہ بتاتا تھا کہ یہ آیت مدح فلاں کیلئے ہے اور یہ آیت قدح فلاں فلاں کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے تاویل آتی تھی۔ تو وہ لکھی جاتی تھی۔ اب جبکہ زمانہ کا دوسرا دور آیا اور قرآن جمع ہونے لگا تو انہوں نے یہ فرمایا ان بزرگ نے دوسرے دور میں۔ کیا فرمایا؟ جَرِّدُوا الْقُرْآنَ اَیْ لَا تَكْتُبُوْا مَعَهُ التَّفْسِیْرَ۔ قرآن خالص لکھو۔

یعنی تنزیل لکھو۔ صرف قرآن لکھو جو ثابت ہو رہی ہے۔ خالص تنزیل۔ تاویل نکال دو۔ تفسیری نوٹ نکال دو کیونکہ یہ قرآن غیر ملکوں میں جائے گا۔ اس میں رسولؐ کے پاس بیٹھنے والوں کی مذمت ہے۔ اور انکے نام ہیں۔ نکال دیئے گئے۔ وہ جتنا نکالا گیا۔ وہ دس پارے کے برابر وہ تاویل کہلاتی ہے۔ غرض یہ ایک مسئلہ جداگانہ ہے۔ میں نے ایک توجہ دلادی ہے۔ محض غور و خوض کرنے کیلئے بعض اہل علم سوچیں گے کہ تنزیل میں کوئی کمی نہیں ہے۔ قرآن میں آیت آئی اے رسول پہنچا دو جو اللہ کی طرف سے تمہارے پاس آیا۔ وہ کیا آیا، وہ حضورؐ بتاتے ہیں۔ مجھ پر یہ حکم آیا کہ علی کو مولا بنا دو۔ یہ تاویل تھی یہ نکال دی گئی اور اگر تاویل باقی رہتی تو آج قرآن کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا۔

عرض میں یہ عرض کر رہا تھا۔ ثقل دونوں کے لئے کہا تھا۔ قرآن و اہلبیت۔ حدیث مشہور ہے یہ کلام ہے معصوم کا اور کلام معصوم کا مقابلہ ہمارا کلام نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کا کلام ہے تحقیق کہ میں چھوڑنے والا۔ ترک کرنے والا تم لوگوں میں۔ قرآن و اہلبیت دو چیزوں کو تارکؐ کا لفظ کہا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ کوئی چیز ہے جس کو چھوڑنے والے تھے تو ٹلتے جلتے ہیں۔ جس طرح خدا نے کہا ہے قرآن میں اِنِّی جَاعِلٌ اور رسول کہتے ہیں اِنِّی تَارِکٌ میں بنانے والا وہ ہے۔ چھوڑنے والا میں ہوں۔ اس نے کہا اِنِّی جَاعِلٌ میں کہہ نہیں سکتا۔ تحقیق کہ میں بنانے والا ہوں یہ خدا کی شان ہے اور میرے لئے یہی ہے کہ میں چھوڑ دوں۔ اِنِّی تَارِکٌ میں چھوڑنے والا ہوں۔ فِیْکُمْ تم میں اب مخاطب سمجھیں پڑھیں کہ۔ کن کے لئے کہا ہے۔ فِیْکُمْ تم میں چھوڑنے والا ہوں۔ تو کتنے مخاطب سامنے۔ اور ہیں کوئی جنکو کہا اور وہ اصحاب ہو سکتے ہیں۔ حضورؐ کے سامنے جنہوں نے زیارت کر لی۔ وہ یقیناً اصحابؓ تسلیم کرنے پڑیں گے کہ جنہوں نے بھی حضورؐ کی صحبت اختیار کی یا زیارت کی یا سامنے آ گئے۔ اصحاب۔ تو اب یہاں لفظ کیا ہیں اِنِّی تَارِکٌ تم میں چھوڑنے والا ہوں۔ تو جن سے کہا ہے یہ اور ہیں۔ اور جن کو چھوڑنے کا ذکر کیا ہے کہ میں تم میں چھوڑ رہا ہوں تو جن میں چھوڑ گئے ہیں

وہ اور۔ اور جن کو چھوڑ گئے وہ اور ہیں۔ دو چیزیں ماننا پڑیں گی۔ کیا چیزیں ایک قرآن دوسرے اہلبیت

(صلواۃ)

تو قرآن و اہلبیت وہ ہیں جن کو چھوڑا اور اصحاب و امتی وہ ہیں جن میں چھوڑا۔ اب جن میں چھوڑا ان کے لئے کیا حکم دیا۔ اور جن کو چھوڑا ان کے لئے کیا فرمایا۔ فرماتے ہیں جن میں چھوڑا ان کو فرما رہے ہیں۔ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک کیا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو تمسک کا حکم کس کو ہے جن میں چھوڑا۔ انہیں نہیں جنکو چھوڑا۔ تو بیعت کیوں مانگتے ہو اہلبیت سے۔ کیا حق رہ گیا بیعت مانگنے کا۔ تمسک تو تمہیں کرنا ہے، بیعت تو تمہیں کرنی ہے جن میں چھوڑا۔ انہیں حکم ہے کہ تم تمسک کرو دامن پکڑو۔ ان کے پیچھے چلو۔ ان کو اپنا پیشوا مانو ان کے آگے آگے نہ چلو۔ تمسک کرو۔ تو تمسک کا حکم ہے۔ ان کو جن میں چھوڑا۔ اور ان دونو کیلئے کیا کہا۔ جن کو چھوڑا ان کے لئے کیا فرمایا۔ یہ دونوں قرآن و اہلبیت جدا نہ ہوں گے۔ آپس میں جب تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ پہنچیں تو ان میں جدائی نہ ہوگی۔ یہ ان دونوں کیلئے کہا ان دونوں کی شان ہے کہ یہ دونو قرآن و اہلبیت آپس میں جدا نہ ہوں گے اور جن میں چھوڑا ان کیلئے کہا تم ان دونوں کا تمسک کرو۔ ان کو مقدم رکھو۔ ان کا اتباع کرو۔ ان کی تسلی کیلئے کیا کہا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔ معنی کیا ہوئے کہ تم جدائی نہ کرنا قرآن و اہلبیت میں جدائی نہ کرنا ذرا توجہ۔ جدائی نہ ہوگی۔ کیا معنی۔ مقصد کیا ہوا کہ جو قرآن کہے گا وہی یہ کہیں گے۔ جو قرآن میں حکم ہوگا۔ اس پر یہ عمل کریں گے۔ نہ قول میں نہ عمل میں قرآن کے خلاف ہوں گے۔ قرآن اور یہ ساتھ ہوں گے۔ تو اب قرآن کس کا ساتھ دے گا۔ جو قرآن کا ساتھ دے گا۔ قرآن کہے گا نماز پڑھو تو نماز پڑھے گا کبھی نافرمانی نہ کرے گا وہ کہے گا روزہ رکھو۔ حج کرو۔ وہ روزے رکھے گا۔ حج کرے گا۔ قرآن کہے گا جھوٹ نہ بول وہ نہ بولے گا۔ قرآن کہے گا امانت میں خیانت نہ کر وہ نہیں کرے گا۔ تو اب اہلبیت کون ہوئے جو قرآن کے خلاف نہ کریں۔ جو قرآن کہے وہی وہ کریں۔ اور جب یہ اصول معلوم ہو گیا

کہ اہلبیت صرف وہ ہو سکتے ہیں کہ جو قرآن کے ساتھ ہوں اور قرآن ان کے ساتھ ہو جدا نہ ہو اور اگر قرآن کے گھر سے باہر نہ نکلنا گھروں کے اندر بیٹھنا اور کوئی اس کی مخالفت کرے۔ تو قرآن الگ ہو گیا وہ الگ ہو گئے اور جب الگ ہو گئے تو اہلبیت کیسے رہے۔ (صلواۃ)

سوچنے کی بات ہے قرآن کہتا ہے جم کے لڑو مردوں کیلئے کہا ہے جم کے لڑو اور اپنے قدموں کو میخ بنا دو۔ ثابت قدم لڑو اور اگر جم کے نہ لڑے اور ہٹ گئے جگہ سے تو اس لفظ میں نہیں آئے اور اگر عورتیں ہیں ان کو یہ کہا کہ گھر میں رہو اور وہ گھر سے باہر آئیں۔ تو وہ بھی اس لفظ میں نہ رہیں۔ جیسے لفظ ثقلین کے بتاتے ہیں کہ کتنی عزت ہے ان دونوں کیلئے معیت ثابت ہے اور ان کے متعلق میں نے کسی زمانے میں یہ پڑھا تھا کہ لفظ اگر تحریر میں آجائیں اور رکھنے والا ایک نبی ہو تو اس میں بھی ایک وزن پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ اس کا گواہ ہے۔ حضرت یوسفؑ کو تولا گیا۔ انکی قیمت لگائی گئی۔ تو ترازو کے ایک پلہ میں حضرت یوسفؑ کو بٹھایا اور دوسرے پلہ میں زر و جواہر سونا چاندی رکھے برابر رکھے گئے۔ حضرت یوسفؑ جدھر تھے وہ ترازو کا پلہ اس طرح رہا۔ اور جتنے خزانے مصر کے تھے وہ دوسرے پلہ میں آتے گئے۔ مگر وہ پلہ اٹھا رہا حضرت یوسفؑ کا پلہ جھکا رہا۔ نہ اٹھا حتیٰ کہ خزانے خالی ہو گئے جب خزانے خالی ہو گئے۔ تو تمام مصر والے حیران رہ گئے۔ تو حضرت یوسفؑ نے کہا۔ اے شاہ مصر تو کس کو تول رہا ہے؟ یہ تو مصر کے خزانے ہیں۔ اگر تمام کائنات کے خزانے ترازو میں رکھ دے گا۔ تو وہ میرے مقابلہ میں نہیں آسکتے ہلکے ہوں گے۔ میرا پلہ اس طرح بھاری رہے گا۔ میں نبی ہوں۔ تو تو نبوت کو مال دنیا سے تولتا ہے۔ نبوت کا اندازہ تو مال دنیا سے لگا رہا ہے۔ جب یہ لفظ کہے تو شاہ مصر نے کہا کہ پھر آپکو کیسے تولا جائے۔ حضرت یوسفؑ نے صرف ایک آیت قرآن کی لکھی اور لکھکر ایک کاغذ پر دے دی کہ یہ رکھ دو دوسرے پلہ میں۔ جب وہ رکھی گئی ایک آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب یہ آیت پلہ میں رکھ دی گئی تو جدھر آیت تھی وہ پلہ جھک گیا اور حضرت یوسفؑ بلند ہو گئے۔ حضرت یوسفؑ کا پلہ اٹھ گیا۔

بسم اللہ جدھر ڈالی وہ جھک گیا۔ تو ایک آیت میں اتنا وزن حضرت یوسفؑ جیسا پیغمبر سبک ہو گیا۔ آیت وزنی رہی تو جہاں قرآن ہو تو ان اہلبیت کا کیا وزن ہوگا۔ کون مقام اہلبیت سے مقابلہ کر سکتا ہے؟ (صلواۃ)

کل ایک صاحب نے یہ کہہ دیا کہ آپ نے مقام کی تشریح کرتے کرتے آپنے تقریب کے معنی نہیں بتائے یہ مجھے چلتے چلتے کہا اور ایک صاحب نے یہ لکھکر دیا ہے۔ کہ آپ نے آیتوں کے حوالے نہیں بتائے آیتیں تو تسلیم ہیں۔ حوالے نہیں بتائے کہ کہاں ہیں۔ تو وہ آیتیں سورہ والنجم میں دیکھ لیں۔ اور ایک اور مزید آیت پیش کیے دیتا ہوں۔ یہ سورہ زخرف کی پچیسواں پارہ۔ یہ بھی سن لیں۔ جو کل نہیں پیش کی تھی۔ حوالہ بتا دیا۔ کل کی آیتوں کا۔ ایک نئی آیت پیش کرتا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا اسی معراج سے متعلق ہے۔ چونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ بھی پیش ہو جائے تو علوم اہلبیت جو مخصوص علوم ہیں ان سے لوگوں کا تعارف ہو جائے۔ نہ مفتی، نہ علامہ، نہ محقق، نہ قاضی کوئی نہیں بتا سکتا سوائے آل محمدؐ کے اور اگر ان کے بتائے ہوئے معنی کسی کو معلوم نہیں تو وہ قطعاً اس آیت کے معنی بتا سکتا ہی نہیں اور میں فقط آیت پیش کرتا ہوں کہ اگر قرآن کافی ہے تو اس کے معنی بتایئے (صلواۃ)

تمام حضرات اس آیت پر غور و خوض کریں۔ ترجمہ تو لشیر بھی کر دے گا طالب علم کی حیثیت سے عربی کے الفاظ کے معنی بتاتا ہوں ایک ایک لفظ اتنا آسان ہے کہ آپ بھی ترجمہ کر لیں گے۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ (سورۂ زخرف پارہ ۲۵)

(ترجمہ) سوال کر۔ امر کا صیغہ ہے سوال کر۔ مَن۔ وہ لوگ اَرْسَلْنَا۔ جن کو ہم نے بھیجا۔ ان سے جن کو ہم نے بھیجا ان سے سوال کر۔ کب بھیجا۔ مِنْ قَبْلِكَ تجھ سے پہلے۔ وہ کون تھے۔ مِنْ رُّسُلِنَا ہمارے رسول۔ ان سے سوال کر اور کیا پوچھے۔ کیا اللہ نے ان کو یہ

کہا تھا۔ یہ حکم دیا تھا۔ کہ رحمان کے سوا کسی کی عبادت کی جا سکے۔ تم پوچھ لو۔ کیا رحمان کے سوا اور بھی خدا ہیں۔ جن کی عبادت کی جائے۔ وہ یہی بتانے گئے تھے، ایک ایک چیز سمجھانے گئے تھے۔ جتنے نبی گئے تھے۔ ان سے پوچھ لو۔ اے محمدؐ دریافت کرو۔ سوال کرو صیغہ ہے امر کا۔ سوال کر۔ اور کس سے سوال کر۔ جو تم سے پہلے رسول تھے۔ گذر چکے۔ آدم سے لے کر عیسیٰ تک کل رسولوں سے سوال کرو۔

اب بتایئے کہ حضورؐ نے سوال کیا یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تو نافرمان نبوت خطرہ ہیں۔ اور اگر سوال کیا تو آیت کو لوگوں نے لکھا ہے کہ مکی ہے تو جب آیت مکہ میں آئی تو مکی پڑھ لیجیے۔ آپ قرآن میں سورہ زخرف پچیسویں ۲۵ پارہ۔ تو جب یہ آیت مکہ میں آئی تو نبی کوئی نہ تھا۔ سوال کس سے کریں۔ مکہ میں تو کوئی نبی تھا ہی نہیں۔ ایک طرف تو نبی کوئی نہ تھا۔ جس سے سوال کریں اور اگر سوال کریں تو نبی کوئی نہیں۔ تو اب سوال کس سے کریں۔ اگر سوال نہ کریں تو مجرم۔ وہ تو پہلے گذر گئے۔ ان سے پہلے مکہ میں ہے کوئی نہیں جس سے سوال کریں اس کا حل بتایئے۔

حضورؐ کو حکم ہے سوال کرو۔ اب اس کا حل سنیئے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ ایک ایک حرف کو جانتے تھے۔ سمجھتے، پہنچانتے تھے۔ وہ میرے مولا علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے پاس گئے۔ جب کہ میرے مولا مسجد کوفہ کے ممبر پر خطبہ ارشاد فرما رہا تھا۔ اس وقت لوگوں نے اگر کہا۔ مولا یہ آیت قرآن کی اس نے تو ہمیں شک میں ڈال دیا۔ آیت نے شک میں ڈالدیا۔ آپنے پوچھا کیوں۔ آیتیں تو شک کو نکالتی ہیں تم کو شک میں ڈال دیا۔ تو آپنے کہا کیا ہے بتاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ صاحب یہ آیت ہے کہ خدا اپنے حبیب سے کہتا ہے کہ سوال کر اور سوال بھی ان سے کہ جو پہلے گذر گئے تمام انبیاء۔ جتنے نبی تھے وہ ہیں نہیں تو خدا نے یہ حکم کیسا دیا۔ جب وہ ہیں نہیں تو سوال کیسے کریں۔ اور اگر سوال نہ کریں تو نافرمان ہیں اور کریں تو

نہیں جن سے سوال کریں تو اب حکم کیوں دیا۔ یعنی اللہ پر بھی ایک رخ اعتراض کا۔ تو پھر ایسا کیوں۔ اب دیکھئے نا جس کا کلام مانتے ہیں اسی پر زبان درازی کر رہے ہیں۔ کہ ایسا حکم ہی کیوں دیا تو میرے مولا نے ارشاد فرمایا اے لوگوں تم نہیں جانتے کہ آیتیں کب اتریں کہاں اتریں۔ کس کے بارے میں اتریں خشکی میں کونسی۔ تری میں کونسی۔ بلندی میں کونسی۔ پستی میں کونسی، پہاڑوں میں کونسی، ریگستانوں میں کونسی بحر میں کونسی بر میں کونسی تاویل کیا ہے۔ تنزیل کیا ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہیں۔

مکی کونسی، مدنی کونسی۔ ناسخ کونسی، منسوخ کونسی، محکم کونسی، متشابہ کونسی۔ تاویل کیا ہے تنزیل کیا ہے؟ یہ تو ہم جانتے ہیں۔ تم نہیں جانتے۔ تمہیں علم ہی نہیں ہے۔ کہ آیتیں کب اتریں۔ کس کی شان میں اتریں کس طرح اتریں۔ تمہیں معلوم ہی نہیں یہ ہم جانتے ہیں۔

یہ آیت جس کا تم سوال کر رہے ہو۔ یہ آیت لے رسول پوچھ لے۔ دریافت کر لے۔ سوال کر ان پیغمبروں سے جو تجھ سے پہلے گذر گئے یہ تو زمین پر اتری ہی نہیں۔ نہ پہاڑوں پر۔ نہ بحر میں نہ فضاؤں میں۔ یہ آیت تو پستی میں اتری ہی نہیں۔ یہ آیت تو اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلعم کی سواری براق پر آسمانوں پر پہنچی اور خدا نے تمام انبیاء کو استقبال کے لئے بلایا یہ آیت اس وقت اتری انبیاء صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ مہمان کا استقبال کرنے۔ دو صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ براق درمیان سے گذرا انبیاءؑ کے دونوں صفوں کے درمیان سے گذرے تو آواز آئی۔ ٹھہر جاؤ۔ رک جاؤ۔ جبریل براق کو روک لو جب یہ حکم آیا تو جبریل نے باگ روکی۔ اور ٹھہرے۔ حضورؐ نے نقاب الٹی۔ انبیاء نے سلام کیا۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ پوچھ لے اے میرے حبیب ان رسولوں اور نبیوں سے جن کو میں نے تجھ سے پہلے بھیجا تھا۔ میں نے ان کو کیوں بھیجا تھا۔ پوچھ لے۔ جب اللہ کا حکم ہوا۔ دیکھئے یہ آل محمدؐ نے بتایا یہ آیت بھی دلیل معراج ہے۔ سوال کر۔ تو حضور صلعم نے سوال کیا۔ اور وہ سوال کس طرح کیا۔ اس کو دونوں بھائیوں نے لکھا ہے۔ میرے سنی اور شیعہ بھائی۔

علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے حوالے سے کسی اور کا حوالہ نہیں دیا۔ کسی اور کا بیان لاؤ۔ اگر کوئی اور بیان کرتا تو اس سے پوچھ لیا جاتا کہ جب نبی کو حکم ہوا کہ سوال کر۔ تو کیا تم وہاں موجود تھے؟ وہی کہہ سکتا ہے کہ قدم قدم پر تھا۔ میں ساتھ ساتھ تھا۔ حضورؐ نے سوال کیا۔ کیا الفاظ ہیں۔ یہ میں نے تفسیر علامہ ثعلبی میں ہمارے بھائیوں نے علامہ نیشاپوری نے اور ہمارے یہاں ہر جگہ ملتا ہے۔ حضورؐ نے سوال کیا اے نبیوں کس شرط پر تم نبی بنائے گئے۔ کس شرط پر تم مبعوث برسالت ہوئے ان سب پیغمبروں نے جو صفیں کھڑی تھیں جواب دیا اے خدا کے نبی۔ اے حبیب اے اللہ کے پیارے ہم سے اللہ نے تین اقرار لئے تھے۔ اور جب ہم نے تینوں اقرار کر لیئے تو اللہ نے ہمیں نبوت و رسالت دیدی تین شرطوں پر نبوت ملی حضورؐ نے پوچھا۔ کون کونسی وہ شرطیں ہیں بتاؤ۔ تو انہوں نے کہا پہلا اقرار اپنی توحید کا لیا۔ ہم نے وحدانیت کا اقرار کیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ دوسرا اقرار۔ دوسرا اقرار ہم سے آپ کی نبوت کا لیا۔ کہ آپ کی نبوت کا کلمہ پڑھیں۔ تیسرا اقرار کیا تھا۔ وہ سب متفق کہتے ہیں۔ ایک جواب دیا اور تیسرا اقرار ہم سے خدا نے تمہارے بھائی (کیا لفظ ہیں پیارے) آپ کے بھائی کی ولایت کا اقرار لیا جن کا نام علی ابن ابیطالب۔ ان کی ولایت کا اقرار لیا۔ جب ہم نے تینوں اقرار کر لئے۔ خدا نے ہمیں نبوتیں سپرد کر دیں۔ ہم نبی بن کر آگئے۔ (صلوٰۃ)

اس حدیث و آیت سے اور دونوں بھائیوں نے لکھا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی نبی۔ نبی نہ بن سکا جب تک کہ علی کی ولایت کا اقرار نہ کیا۔ مسلمانوں! جب نبی، نبی نہیں ہو سکتا بغیر ولایت علی ابن ابیطالبؑ تو مسلمان، مسلمان، کیسے ہو سکتا ہے بغیر ولایت علیؑ کے۔ (صلوٰۃ)

یہی وجہ ہے کہ اب تمام فرق اسلامیہ کُل کے کُل مسلمان علیؑ کو ولی اللہ مانتے ہیں۔ خلافت میں جھگڑے ہوتے رہیں۔ ولایت میں کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم سب ولی ہی نہیں مانتے ولی الاولیاء سلطان الاولیاء۔ حضورؐ کو نبی الانبیاء۔ یہ نبیوں کے نبی۔ وہ ولیوں کے ولی۔ یہ اقرار کرتے ہیں۔ تو

تو ثابت ہو گیا کہ جب تک علی کی ولایت کا اقرار نہ کیا اس وقت تک کوئی نبی، نبی نہ بن سکا۔ نبوت نہ ملی جب تک علی کی ولایت کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ ان کی نبوتیں۔ ان کی خدمتیں جو کچھ تبلیغیں کیں۔ وہ حضور تک پہنچیں۔ حضور امین ہو گئے۔ لوگ غلط کہتے ہیں۔ کافروں کے پیسے رکھتے تھے تو امین ہو گئے۔ ہمارے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو امانت دار ہیں۔ ان کے پاس لوگ امانت رکھتے ہیں۔ اب بھی ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ تو کیا یہی صفت ہے۔ جو خدا نے کہہ دیا۔ الصادق الامین نہیں یہ بات نہیں۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک کی نبوتوں۔ تبلیغوں نشر و اشاعت ان سب کے جو کچھ بھی جمع ہو کر ان کے خدمات حضور کے پاس پہنچے۔ جو کچھ تکلیفیں اٹھائیں۔ حضور ان تمام نبوتوں کی امانت کے امین تھے۔ وہ حضور کے پاس تھیں اور حضور کے علاوہ کہیں دکھا دو۔ ممکن ہی نہیں۔ اور جب حضور جانے لگے۔ تو صرف حضورؐ کے جانے سے حضور ہی کی نبوت نہیں جائے گی۔ وہ امانتیں بھی ساتھ۔ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبوتیں جمع کر لو یہ مدت گن لو۔ آدمؑ سے شروع کرو خاتم پر ختم کرو۔ آدمؑ سے خاتم تک مدت معلوم۔ سال معلوم۔ مہینے دن معلوم گن لو۔ آدم سے اتنے ہزار سال بعد حضور۔ تو اتنے ہزار سال جو کام ہوا تھا توحید کی خدمت ان پیغمبروں نے انجام دی تھی وہ سب کی سب حضور کی امانت میں آگئی۔ اب حضور جا رہے ہیں۔ اب حضور کے بعد کون قیامت تک امین ہو گا۔ ان کا تحفظ کون کرے گا؟ نبوت تو ختم ہو گئی۔ اب نبی آئے گا نہیں۔ تو خدا کی قسم یہی وجہ ہے کہ حسینؑ کی شہادت دلیل ہے ختم نبوت کی۔ اگر ایک نبی کے زمانے میں دین بگڑ گیا تبدیلیاں ہوئیں دوسرا نبی آ گیا۔ درست کر لیا۔ ایک نبی نے جو تبلیغات کیں اور اس میں جب تبدیلیاں ہوئیں تو دوسرا نبی آ گیا۔ یکے بعد دیگرے اس نے اصلاح کر دی۔ اور اب حضور چلے گئے تو حضور کے بعد اب کبھی کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو اب اگر دین بگڑ جائے تو کون درست کرے گا؟ اگر صرف دو مقابلوں کی لڑائی ہو تو دنیا بھول جائے گی۔ لہٰذا حسینؑ کو شہادت کے لئے تیار کیا گیا کہ اب

مظلومیت کی لڑائی لڑو۔ اور حضور بتا گئے کہ یا ایسا ہی ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور بار بار شہادت کی خبر دیتے کہ جب بالکل تغیر و تبدل میرے دین میں ہوگا تو ایک اور نبی آکر میرے دین کو ٹھیک کرے گا یہ نہیں کہا۔ تو حسینؑ کی شہادت خود دلیل ختم نبوت ہے کہ کوئی نبی نہیں آسکتا۔ (صلوات)

اچھا تو ان خدمتوں کا امین۔ ان کا تحفظ کرنے والا تو اب حضور کے بعد سے لگاؤ حساب آدمؑ سے خاتمؐ تک کتنے ہزار گن لیجئے۔ آپ ایک خط کھینچیئے۔ دو نقطے بنائیے۔ ایک نقطہ آدمؑ وہاں سے چلی نبوت اور چلتے چلتے خاتمؐ پر ختم ہوئی۔ یہ خط آیا چلا اس نقطے سے اس نقطے تک جو گنا ہوا مہینوں، دنوں، سال وغیرہ میں۔ حد معلوم۔ مدت معلوم۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جو بار لیکر آئے تھے۔ جس کو انہوں نے اٹھایا تھا۔ وہ بار اٹھانے والے ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ اب خاتمؐ سے شروع کیجئے قیامت تک قیامت نقطہ آخری اور ادھر حضور نقطہ ابتدائی۔ حضور سے شروع قیامت میں ختم۔ اس کی مدت، حد مقرر نہیں ہے جس کی مدت مقرر تھی اس بار کے اٹھانے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور جس کی حد مقرر نہیں اس کو بارہؑ کاندھوں نے اٹھایا۔ ہم اٹھائیں گے اس بار کو قیامت تک۔ (صلوات)

آج میرا دل چاہتا تھا۔ گھبرائیں نہیں آپ میں چاہتا تھا دو دن رہ گئے ایک آج ایک کل یہ مکمل ہو جائے۔ رہ نہ جائے۔ اسکی دلیل بتاؤں گا۔ اسکی وجہ بتاؤں گا۔ اس کی وجہ لکھی کس نے حضرت علامہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے وجہ لکھی ہے کتاب الاربعین میں۔ وہ کیا لکھی ہے۔ ایک وجہ لکھی ہے۔ فرماتے ہیں ضربتِ علیؑ۔ وہ خندق کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ علیؑ کی ضرب ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام بچا اور جب اسلام بچا تو فرماتے ہیں یہ اصل ہوئی اور عبادت فرع ہے۔ اسلام ہی نہ ہو تو عبادت کیسی۔ اور اسلام بچا ضرب علیؑ سے اور جب ضربت علیؑ سے بچا تو حضورؐ نے فرمایا۔ علیؑ کی آج کی ضربت دونوں

جہانوں کی جن و انس کی قیامت تک کی عبادت سے افضل۔ ایک ضرب یہ ایک ضرب کتنی دیر میں لگی۔ پلک جھپکنے میں۔ بس ہاتھ اٹھا اور جھکا بس اتنی دیر کی ضربت۔ بس اتنی دیر علیؑ کے ہاتھ کی حرکت قیامت تک کی دونوں جہانوں کی عبادتوں سے افضل (صلوٰۃ)

امام رازی لکھتے ہیں کہ علیؑ کی اس ضربت کی قدر رسول کی نظر میں کیوں تھی؟ یہ بتاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی اب وجہ بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ اس وقت اسلام کُل کا کُل مدینہ منورہ کے اندر محصور تھا۔ محدود تھا۔ گھرا ہوا تھا۔ مدینے کے باہر کوئی مسلمان نہ تھا۔ سب کو حضورؐ نے اندر بلا لیا خطوط لکھکر۔ لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کو بلا لیا۔ اب ایک بھی مسلمان باہر نہ تھا کیونکہ کل عرب احزاب جتنے فرقے۔ جتنی حزب۔ جتنی جماعتیں تھیں۔ سب نے اتفاق کر لیا تھا۔ صرف قریش نہیں۔ پہلے تو قریش لڑتے تھے مکے سے آئے۔ مدینے میں لڑے۔ اب قریش نہیں کل احزاب عرب۔ کُل فرقے جماعت عرب کہ اب محمدؐ کو ختم کر دو یہ نہ بچنے پائیں۔ انہوں نے گھیر ڈال لیا مدینہ میں۔ حضورؐ نے تمام مسلمانوں کو بلا لیا جو باغوں میں کام کرتے تھے۔ ان کو بھی بلا لیا۔ جو رشتہ داروں میں ملنے گئے ان کو بلا لیا۔ جو تجارت میں گئے ان کو بلا لیا۔ ایک مہینے پہلے سب کو مدینے بلا لیا تھا۔ اب مدینے سے باہر کوئی مسلمان نہ تھا۔ قطعاً ایک مہینہ یہی حالت رہی۔ نہ درآمد تھی نہ برآمد۔ جو کچھ اندر تھا وہی کھایا جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ تمام غذائیں ختم ہو گئیں۔ راشن نہ رہا۔ قطعاً نہ رہا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ کھجور کی گٹھلیاں جمع کرو اور عورتوں کو دو کہ ان کو کوٹیں اور چکی میں باریک کریں اس کی روٹی پکا کر کھاؤ۔ وہ بھی کھائی جانے لگیں۔ وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب کچھ نہ رہا تو حکم ہوا کہ اب درختوں کے پتے کھاؤ اور وہ تقسیم ہوتے گئے۔ حصے میں جو کچھ آتا تھا وہ تھوڑا تھوڑا دیتے تھے۔ اپنے شکم پر پتھر باندھے گئے۔ خود حضورؐ نے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھے۔ سب سے کم غذا حضورؐ لیتے تھے۔ پڑھو ذرا تاریخ اسلام۔ اسی لئے شیعہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے بچوں کو ہماری تاریخ پڑھاؤ۔

یہ میں واقعہ سنا رہا ہوں۔ ابھی تو ابتدا کی ہے۔ تو یہاں سے نہ کوئی آسکتا تھا نہ کوئی جا سکتا تھا۔ تو کل کا کل اسلام اس مدینے میں تھا۔ گھیرے میں۔ ایک آدمی بھی باہر نہ تھا۔

حضرت امام رازی لکھتے ہیں مدینہ مشرفہ میں کل کا کل اسلام گھرا ہوا تھا۔ کوئی مسلمان باہر نہ تھا۔ عمرو ابن عبد وُد آیا۔ وہ تیس ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر مختلف حزب۔ تمام جماعتوں کے بڑے بڑے سردار لے کر آیا۔ اور آٹھ سردار سب سے آگے تھے۔ ان آٹھوں میں عمرو ابن عبد ود ان کے آگے آگے دونوں ہاتھوں میں دو نیزے۔ دو تلواریں لئے گھوڑے پر سوار آیا۔ یہاں حضورؐ نے کیا کیا۔؟ سرکارِ دوجہاں کو جب خبر ملی کہ تیس ۳۰ ہزار کا لشکر بسرکردگی عمرو ابن عبد وُد آرہا ہے۔ آپ نے مدینے سے باہر نکل کر۔ ایک طرف مدینہ کے پہاڑ اُدھر سے کوئی راستہ نہیں بلند پہاڑ کوئی نہیں آسکتا۔ ایک طرف میدان۔ میدان کی طرف سے نکلے کیمپ لگوائے۔ جب خیمے لگ چکے۔ گفتگو کی۔ حضورؐ سرکارِ دوجہاں نے کہا کہ اب کیا کیا جائے۔ لشکر آرہا ہے اور اگر وہ ایک مرتبہ داخل ہو گیا تو مسلمان تو یہی ہیں۔ جو مدینے میں ہیں باہر کوئی بھی مسلمان نہیں۔ کیا ہوگا! رائے دو۔ تمام بیٹھے تھے۔ حضورؐ رائے طلب کر رہے ہیں۔ جملہ اصحاب و مسلمین سے۔

اس وقت جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے عرض کی یا رسول اللہ صلعم ہمارے وطن ایران میں جب ایسا وقت آجاتا ہے تو ہم خندق کھودتے ہیں۔ اور اتنی چوڑی کہ گھوڑا کود نہ سکے اور اتنی گہری کہ جو گر جائے۔ نکل نہ سکے۔ جب یہ حکم۔ تو ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ جبرئیل نے آکر کہا یا رسول اللہ صلعم اللہ تعالیٰ کو سلمانؓ کی رائے پسند ہے۔ جب یہ حکم آگیا تو سرکارِ دوجہاں نے دس دس آدمیوں کو بیس بیس گز زمین دیدی کہ اسے کھود دو۔ مہاجرین الگ۔ انصار الگ اور حضورؐ خود اپنے حصے کی زمین لے کر الگ ہو گئے حضورؐ کھودتے تھے اور علیؑ مٹی نکالتے تھے۔ چنانچہ لشکر کے آنے سے تین دن پہلے خندق تیار ہو گئی ایک راستہ رکھا گیا آنے جانے کا اس پر مورچہ بنا دیا گیا۔ اچھے سپاہی

بٹھا دیئے گئے۔ اب چاروں طرف سے حملہ نہیں ہو سکتا تھا گھیرے میں نہیں آسکتے تھے۔ ایک طرف پہاڑ ہے اُدھر سے بچ گئے۔ ادھر خندق ہے ادھر سے بچ گئے۔ اب مقابلہ ایک کا ایک سے ہو سکتا ہے۔ جب خندق تیار ہو گئی۔ اتنے میں معلوم ہوا۔

امام رازی بتا رہے ہیں۔ توجہ رکھیئے گا۔ اب عمرو ابن عبد وُد جس وقت آیا تیس ۳۰ ہزار کا لشکر لے کر آگے آگے دو نیزے ہلاتا ہوا جب نزدیک پہنچا۔ خندق دیکھی اور دیکھتے ہی خندق کو کہنے لگا۔ یہ جو ایرانی سلمان فارسیؓ ان کے پاس رہتا ہے۔ یہ ایرانی کی رائے ہے۔ کیونکہ ایرانی یہ کرتے ہیں۔ اس نے اِدھر اُدھر گھوڑے کا دوڑا دیا کہ میں کس طرح جست کر کے اندر پہنچوں گھوڑے کو کاوہ دیتا رہا۔ ایک جگہ خندق کچھ تنگ نظر آئی۔ نہیں معلوم کس نے تنگ چھوڑ دی۔ یہ تو معلوم ہو نہ سکا۔ لیکن اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی تنگ ظرف ہوگا۔ جس نے تنگ چھوڑ دی وہ جگہ۔ عمرو ابن عبد وُد نے گھوڑے کو پیچھے ہٹایا پھر لایا۔ ایک مرتبہ اس نے گھوڑے کو مہمیز کیا۔ ایڑ لگائی گھوڑا کود کر اندر آگیا۔ اور جب اندر آگیا۔ تو ہر ایک اپنے اپنے خیمے کے اندر گھس گیا۔ کوئی باہر نہ رہا۔ آپس میں باتیں ہونے لگیں یہ تو عمرو ہے۔ یہ تو ایک ہزار کا مقابلہ اکیلا کرتا ہے۔ یہ ڈھال نہیں اٹھاتا۔ سپر کی جگہ گھوڑے کو اٹھا لیتا ہے۔ یہ تو اونٹ کے بچے کو اٹھا لیتا ہے اونٹ کو اٹھا لیتا ہے بجائے ڈھال کے یہ گفتگو شروع ہو گئی۔

عمرو ابن عبد وُد آیا اور آ کر کہا۔ اس نے اپنا نیزہ نبی کے خیمہ پر مارا اور کہا یا محمدؐ باہر نکلیئے۔ حضورؐ باہر آئے اور حضورؐ نے فرمایا کہ جلدی نہ کر تیار ہو۔ میں ابھی اپنا سپاہی بھیجتا ہوں۔ وہ کھڑا رہا اور کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہے۔ حضورؐ نے تمام اصحاب کو فرمایا۔ آج جو اس کا مقابلہ کرنے جائے گا۔ میں اپنے بعد اس کو امارت دیتا ہوں۔ ان سب کا کیا حال تھا۔ جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ہلتے نہ تھے۔ اب قرآن پڑھ دوں۔ قرآن تصویر کشی کرتا ہے (سورۂ احزاب بائیسواں ۲۲ پارہ) خدا کہتا ہے یاد کرو۔

اس وقت مسلمانوں جب تمہاری آنکھیں عمرو کو دیکھ کر اندر گھس گئیں تھیں اور تمہارے سانس کھینچ کھینچ کر گلوں میں اٹک گئے تھے سانس اونچا نہ لیتے تھے کہ کہیں زندہ نہ سمجھے۔ اور کیا حالت تھی؟ دل کھینچ کے گلوں میں اٹک گئے تھے۔ اور اللہ پر بدگمانی کر رہے تھے کہ ہمیں کہاں پھنسا دیا۔ کدھر پھنسا دیا یہ حالت ہوگئی اس وقت وہ عمرو پکار رہا تھا۔ تو امام رازی فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ حالت ہوگئی۔ اچھا اب حضورؐ نے آواز دی کہ کوئی ہے میرے اصحاب میں جو اس کا مقابلہ کرے۔ میں اسکو امامت دوں گا۔ سب خاموش بالکل خاموش۔ علیؑ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلعم میں اس سے مقابلہ کروں گا۔ آپنے فرمایا ٹھہرے، ہوا پنی جگہ پر آگے نہ آؤ۔ اسی جگہ بیٹھ جاؤ۔ علیؑ بیٹھ گئے۔ پھر حضورؐ نے کہا جو مقابلہ میں جائے گا۔ میں اپنے بعد امامت دیتا ہوں۔ پھر سب خاموش۔ کوئی نہ بولا۔ پھر علیؑ کھڑے ہوگئے۔ علیؑ نے جواب دیا۔ میں مقابلہ کروں گا۔ حضورؐ نے کہا۔ ٹھہر جاؤ۔ بیٹھو ذرا۔ علیؑ پھر بیٹھ گئے۔ پھر حضورؐ نے تیسری مرتبہ کہا میں امامت دے رہا ہوں۔ کوئی مجھے کنبہ پرور نہ کہے۔ میں دے رہا ہوں جو بھی آج جائے گا۔ میں امامت دوں گا۔ پھر سب کے سب خاموش۔

تین مرتبہ حضورؐ نے پکارا اور تینوں مرتبہ علیؑ کے سوا کوئی نہ کھڑا ہوا۔ یہ کیوں تین مرتبہ حضورؐ نے پوچھا تھا۔ اگر پہلی مرتبہ علیؑ چلے جاتے جب حضورؐ نے پوچھا۔ تو بعد والے کہتے کہ تیار تو ہم بھی تھے۔ علیؑ چلے گئے حضورؐ نے اس عذر کو غلط کر دیا۔ کہ کوئی کچھ نہ کہے۔ آج تو نیلام عام ہے بولی ہو رہی ہے۔ آؤ لے لو امامت ملے گی مگر موت سے مقابلہ کرکے۔ چلو آؤ۔ امامت لے لو مل رہی ہے۔ سوائے علیؑ کے اور کوئی نہیں نکلا اس گفتگو میں دیر ہوگئی اور کوئی نہ نکلا۔ توجہ دیجیے۔

عمرو ابن عبدود کھڑا تھا۔ وہ جوش میں آیا۔ وہ غصہ میں آکر کہتا ہے۔ اے مسلمانوں تم تو یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ جو مسلمان مرے گا۔ کافر کے ہاتھ سے وہ جنت میں جائے گا اور جو کافر مرے گا مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ جہنم میں جائے گا۔ تو آج کسی مسلمان کو جنت میں جانے کی تمنا نہیں ہے؟ مسلمان جنت میں جانا

نہیں چاہتے۔ ؟؟

عمرو کے یہ الفاظ سن کر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا۔ اور آپ نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم اب عمرو کی باتیں ناقابل برداشت ہیں جلد اجازت دیجیے کہ میں اس کا مقابلہ کروں آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ ھذا عمرو بن عبدود۔ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم کیا ہوا اگر یہ عمرو بن عبدود ہے۔ فَاَنَا عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍؑ۔ میں بھی تو علیؑ ابن ابیطالبؑ ہوں چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنا عمامہ حضرت علیؑ کے سر پر باندھا اور اپنی تلوار حمائل کی اور فرمایا۔ اے عمرو تیار ہو جا میرا بھائی تیرے مقابلہ کیلئے تیار ہے۔ عمرو میدان میں پہنچ گیا۔

حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے روانہ کیا اس شان سے کہ آگے آگے علیؑ اور پیچھے پیچھے آنحضرتؐ اور آپ کے عقب میں اصحاب جو خندق کے دروازے تک پہنچے تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کے دربار الٰہی میں عرض کی۔ پروردگار عالم تو نے مجھ سے چچا حمزہ کو لیا بھائی جعفر کو لے لیا اب یہی ایک باقی رہ گیا ہے تو بہترین وارث ہے یہ دعا کرکے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ اے علیؑ بڑھو عمرو کا مقابلہ کرو۔ جب حضرت علیؑ نے اپنے قدم خندق کے دروازہ سے باہر نکالے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ۔ آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ کیونکہ کل مسلمان محدود محصور تھے مدینہ میں لہٰذا اگر ایمان تھا تو مدینہ میں تھا اور مدینہ سے باہر کل کفر تھا۔

امام فخرالدین رازی نے یہی لکھا ہے کہ اگر آج عمرو غالب آجاتا تو اساس ایمان منہدم ہو جاتی کیونکہ نبی آخری نبی تھے اور کتاب آخری کتاب تھی۔ اگر یہ سب شہید ہو جاتے تو دنیا میں صرف کفر ہی کفر باقی رہتا۔ چنانچہ امام رازی کے الفاظ یہ ہیں۔ فلو غلب بن ود علی الاسلام لانھدم اساس الایمان اگر عمرو غالب آجاتا تو ایمان کی اساس منہدم ہو جاتی اس کے بعد امام رازی فرماتے ہیں۔

فضربۃ علی ھی التی ببیبھا بقی الاسلام فھی اصل و عبادۃ الثقلین فرع علیھا والاصل اشرف من فرعہ پس ضربت امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ وہ ضرب ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام بچ گیا۔ اسلام کی بقا اسی ضرب کی وجہ سے ہوئی۔ لہٰذا یہ ضرب اصل ہے اور عبادت اسلام کی فرع ہے اگر اسلام ہی باقی نہ رہتا تو عبادت کہاں ہوتی۔

اس کے بعد امام رازی فرماتے ہیں ولذا قال رسول اللہ برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ یعنی اسی وجہ سے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ آج کُلِّ ایمان کُلِّ کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے میں نے یہ حدیث کتاب حیوۃ الحیوان علامہ دمیری میں دیکھی ہے اور بعض تاریخوں میں ہے برز الاسلام کلہ الی الکفر کلہ جیسا کہ روضۃ الصفا میں دیکھا ہے۔ بہرحال حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرتؐ نے کل ایمان یا کل اسلام فرمایا اور اس لئے فرمایا کہ آج ایمان و اسلام کی بقا کا سبب حضرت علیؑ ہی تھے۔ (صلوٰۃ)

"حضرات سامعین" اسلام پر دورِ بنی اُمیہ میں ایک ایسا وقت آیا کہ دین میں تبدیلیاں ہونے لگی شریعت میں تغیرات ہونے لگے رسول کی امانت میں خیانت ہونے لگی۔ اس وقت تمام مسلمانوں پر فرض ہو گیا کہ دین اسلام کو جو امانت رسول ہے خیانتوں سے بچائیں مگر یزیدی سطوت و تشدد سے سکوت و خاموشی تھی نہ اصحاب زادے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے نہ خلیفہ زادے امام حسین اپنے نانا اور بابا کی محنتوں اور دینی قربانیوں کو مٹتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ بیعت یزید سے انکار کیا کیونکہ وہ امام حسین کی بیعت کو اپنے کردار و بداعمالی کے لئے تصدیق و توثیق سمجھتا تھا جس سے دینی تبدیلیاں اور شرعی تغیرات عین اسلام بن جاتے دین تباہ و برباد ہو جاتا کل انبیاء کی محنتیں رسول و علی کی محنت سمیت ضائع ہو جاتیں اسلئے امام حسین نے بیمثال قربانیاں دے کر دین کو بچا لیا حسین اس حفاظت دین میں تنہا تھے اکیلے نہ تھے بلکہ پورا خاندان آپ کے ساتھ تھا چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی قربانیاں دیکر دین کو بچایا بیبیوں نے بھی رسن بستہ ہو کر دربار و

بازاروں میں قرآن وحدیث پر مشتمل خطبے پڑھ کر دین رسول کی حفاظت کی لاوارث بیبیاں اور یتیم بچے ظلم وستم کو برداشت کر گئے۔ مگر یزید کی بیعت نہیں کی۔

سفیر روم نے دربار یزیدی میں ان قیدیوں کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں اُسے بتایا گیا کہ اولادِ رسول اہلبیت ہیں اس نے کہا کہ اے یزید تجھ پر وائے ہو کہ اپنے رسول کی اولاد کو اس طرح قتل کر کے ان کے اہلبیت کو قیدی بنا کر خوش ہو رہا ہے حالانکہ ابھی تمہارے رسول کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے حسین اور رسول میں صرف ایک بیٹی کا فاصلہ ہے مگر ہم عیسے کے ماننے والے اپنے نبی کی سواری گدھے کے سموں کے نشانات کی بھی تعظیم کرتے ہیں یہ سن کر یزید نے حکم دیا کہ اس سفیر روم کو قتل کر دو یہ ہماری برائیاں پھیلائے گا چنانچہ جلاد آ گیا۔ اس وقت سفیر نے کہا کہ اے یزید تو بیشک قتل کر دے مگر ایک بات سن لے اس نے کہا کہ میں نے آج شب کو خواب میں دیکھا ہے کہ مسلمانوں کا رسول مجھے جنت کی بشارت دے رہا ہے۔ میں حیران تھا کہ میں عیسائی ہوں مجھے کس طرح رسول اسلام بشارت جنت دے رہا ہے مگر اس وقت معلوم ہوا کہ میرا خواب سچا ہے۔ میں اسکی اولاد کی ہمدردی میں قتل ہو رہا ہوں یہ کہہ کر امام حسین کا سر اٹھا لیا جو زیر تخت رکھا ہوا تھا جس کی توہین یزید کر رہا تھا اس سر کو اٹھا کر کہنے لگا اے حسین بن فاطمہ بنت رسول گواہ رہنا میں کلمہ اسلام پڑھتا ہوں۔ اشھد ان لا الہ الا واشھد ان محمد رسول اللہ یہ کہا اور سر کو سینہ سے لگایا۔ اسیران اہلبیت اسکو دیکھ کر فریادیں کرنے لگے اتنے میں جلاد نے سر کو چھین لیا اور تلوار مار کر گردن جدا کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) خداوند کریم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اے رسول کہہ دو لوگوں کو سمجھا دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت چاہتے ہو یا محبت کا دعوے کرتے ہو تو تم میرا اتباع کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے۔ تو پروردگارِ عالم سے تمہاری محبت ثابت۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو خدا تم سے خود محبت کرے گا۔ اور تم اس کے محبوب بن جاؤ گے جو بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی ہے (صلو ۃ)

آج میں کچھ بیعت کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس کی فرمائش کی گئی ہے بیعت کیا ہے؟ ایک نام ہے۔ کس چیز کا نام ہے یہ مبایعہ کا نام ہے۔ بیعت البیعت اسم، البایعہ۔ یہ مبایعت کا نام ہے۔ مبایعت کیا ہے؟ یہ بروزن مفاعلہ ہے۔ جیسے مصافحہ، معانقہ، مقابلہ۔ مقاتلہ۔ مناظرہ، اس کا جو معیار ہے جسکو باب کہتے ہیں وہ مفاعلہ ہے۔ جب کوئی عربی کا لفظ اس وزن پر آجائے گا وہ فعل ایک سے صادر نہیں ہوگا۔ کم سے کم دو ضرور ہونگے جیسے مصافحہ یہ بھی وزن مفاعلہ پر ہے مصافحہ ایک آدمی سے نہیں ہوگا۔ یہ سب اس کے وزن پر ہونگے۔ مناظرہ ایک سے نہیں ہوگا یہ فعل کم سے کم دو سے ہوتا ہے۔ جو اس وزن پر آجائے عربی میں

اس کو باب مفاعلہ کہتے ہیں۔ تو اس میں لفظ مبایعہ باب مفاعلہ ہے تو مبایعہ ممکن نہیں جب تک دو نہ ہوں۔ اور اس مبایعہ کا نام بیعت ہے۔

ان الذین یبایعونک۔ بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اس میں ایک بیعت کرنے والا اور ایک بیعت لینے والا بیعت والے دونوں ہوں گے۔ اس کا چونکہ مادہ ہے بیع۔ یہ بیع سے نکلا ہے۔ اصل اس کا بیع ہے۔ پھر ابواب بنائے گئے یعنی جو اس کا مصدر ہے مادہ ہے۔ جو بھی اس کے معنی ہیں وہ کسی باب میں لے جایئے۔ لیکن جو اصل معنی ہیں وہ جدا نہ ہوں گے۔ تو اب معنی کیا ہوئے یُبَایِعُ کے جس کا نام بیعت ہے۔ وہ نام بیعت کا دو آدمیوں کے درمیان۔ کچھ یہ اس کو دیتا ہے اور کچھ یہ اس کو دیتا ہے۔ اور جب معاہدہ ہو جاتا ہے آپسمیں یعنی بیع کا معاہدہ ہو جائے تو اس کو بیعت کہیں گے۔ بیعت ہو گئی یعنی وہ معاہدہ ہو گیا یعنی جو دونوں نے لین دین کا معاہدہ کیا تھا۔ وہ مکمل ہو گیا۔ اور اسکی تکمیل کے بعد پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔ یہ اظہار ہے اس باطنی معاہدہ کا کہ پختہ ہو گیا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا مطلب ہے کہ اب وہ معاہدہ پختہ ہو گیا۔ اب کہیں گے بیعت ہو گئی۔ وہ مبایعہ جو ہوتا ہے۔ دونوں کی طرف سے ہوتا ہے یعنی یہ بھی کچھ بیچتا ہے یعنی دے دیتا ہے۔ اور معاہدہ میں کچھ لے لیتا ہے یعنی بیعت لینے والا بھی کچھ دیتا ہے۔ یہ اس کو کچھ دیتا ہے۔ وہ اس کو کچھ دیتا ہے۔ تو اب دونوں میں بیع ہو گئی اور ایک معاہدۂ بیع کا ہو گیا۔

یہ کیا دیتا ہے اس کی جس کی بیعت کرتا ہے۔ کیا چیز دیتا ہے۔ اور وہ خود اسکو کیا دیتا ہے اس کے بدلے میں جو کچھ بیعت کرنے والے نے دیا ہے اس کے بدلے میں بیعت لینے والا کیا دیتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب کوئی بیعت کرتا ہے یعنی بیع تو وہ اپنی مملوک کو جو اس کی چیزیں ملکیت میں ہیں یعنی اس کے قبضہ میں ہیں۔ جن پر اُسے اختیارات حاصل ہیں۔ وہ اپنے اختیارات سلب کر کے جس کی بیعت کرتا ہے اُسکے حوالے کر دیتا ہے سلب اختیار ہو جاتا ہے۔

اگر اختیار باقی ہے تو اس نے دیا کیا؟ لہٰذا اب وہ کیا چیز دیتا ہے۔ قرآن مجید نے بتا دیا جان مال۔ اولاد تینوں چیزوں کو دیتا ہے۔ اب جان پر اس کا تصرف۔ مال و اولاد پر اس کا تصرف ہوگا۔ اُسے اس کی بہ نسبت زیادہ اختیار حاصل ہوگا۔ وہ اولیٰ ہوگا ان کے نفوس پر بحیثیت تصرف جان مال اولاد، جب یہ دے گا بیعت کرنے والا تو کیوں دے رہا ہے؟ یہ دیوانہ نہیں ہے جو اپنی جان و مال، اولاد کا اختیار دوسرے کو سونپ رہا ہے یہ بے عقل نہیں ہے۔ یہ سودا نہایت سستا کر رہا ہے۔ جان و مال دے رہا ہے جو فانی ہے۔ اولاد دے رہا ہے جو فانی ہے۔ یعنی فنا دیکر بقا لے رہا ہے۔ (صلوٰۃ)

تو معلوم ہوا کہ بیعت اتنا اہم سودا ہے کہ آپ اپنے اختیارات اگر دے دیں اُس کو کہ جس کی آپ نے بیعت کی ہے تو اس کے بدلے میں وہ آپ کو نجات دیتا ہے یعنی بقا۔ یہ فنا دیکر بقا لیتا ہے۔ کتنا سستا سودا ہے۔ جان مال اولاد آخر فانی ہے۔ تو آپ نے فانی چیزیں دے دیں اختیارات اُن کے حوالے کر دیئے جن کی بیعت کی۔ اور وہ آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ قیامت میں نجات ہو گئی۔ اب میں تمہیں نجات دوں گا۔

اس سودے کو خدا بیعت کہتا ہے۔ جان و مال، اولاد درحقیقت ملکیت خدا ہیں۔ ہماری جان و مال، اولاد کا حقیقی مالک درحقیقت خدا ہے۔ ہم مالک نہیں۔ ہماری امانت ہیں جان و مال، اولاد ہے۔ اور اسی لئے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اگر تم نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ تو خودکشی کی۔ تو اتنا جرم ہے کہ جتنا دوسرے کو ہلاک کرنے کا۔ تمہیں اتنا اختیار نہیں ہے کہ اپنے کو ہلاک کر دو۔ کیوں؟ کیونکہ ملکیت اللہ کی ہے۔ تمہاری نہیں۔ وہ بازپرس کرے گا۔ کیونکہ مالک حقیقی خدا ہے اور چونکہ وہ مالک حقیقی ہے۔ تو اسے اختیار ہے محاسبہ کا۔ وہ آپ سے حساب لے گا۔ درآمد بھی بتاؤ برآمد بھی بتاؤ۔ یہ آیا کہاں سے ایک ایک دانہ کا حساب دو۔ (صلوٰۃ)

معلوم ہوا کہ یہ مال بھی ہمارا نہیں۔ اس کا حقیقی مالک خدا ہے۔ رہ گئی اولاد۔ اولاد آپ کے ہاتھوں میں خدا کی امانت ہے جب تک چاہے رکھے اس نے اصول بتا دیئے ہیں کہ اس طرح پرورش کرو۔ اور جب چاہوں گا لے لوں گا۔ یہ آپ کی ملکیت نہیں ہے۔ اس کا بھی مالک حقیقی خدا ہے۔ اگر آپ مالک ہوں تو آپ بیماری میں پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ دوائیں کیوں لاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر آپ کی ملکیت ہوتی تو آپ فکرمند نہ ہوتے۔

اولاد بھی اللہ کی ملکیت۔ جان و مال اولاد سب کچھ اللہ کی ملکیت ہیں۔ اور آپ کے پاس یہ سب چیزیں امانت ہیں۔ آپ کو صرف سودا کرنا ہے۔ یعنی مبایعہ جس کو بیعت کر سکتے ہیں چیزیں ہیں خدا کی۔ آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کی ملکیت کا سودا کسی سے کریں۔ آپ کو یہ حق حاصل نہیں آپ کون ہوتے ہیں ملکیت کا سودا کرنے والے۔ آپ سودا کر رہے ہیں اللہ کی ملکیت کا۔ تو آپ یہ سودا کسی کی ملکیت میں نہیں دے سکتے۔ کیونکہ مالک خدا ہے۔ آپ اس کو بیشک دے سکتے ہیں کہ جس کو خدا کہے کہ اس کی بیعت میری بیعت ہے۔ (صلوٰۃ)

اس کے سوا کسی کو نہیں دے سکتے نہ مشورہ کر کے کسی کو دے سکتے ہیں۔ آپ کو حق نہیں کسی سے سودا کرنے کا بیعت کرنے کا یہ ایک معاہدہ ہے تو آپ کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ اس کی بیعت کو خدا اپنی بیعت نہ قرار دے جب یہ معلوم ہو گیا تو ایک گزارش ہے۔ کہ آپ جان و مال، اولاد کے اختیارات دینے کے بعد اب آپ کو تصرف کا اتنا ہی حق حاصل ہو گیا کہ جتنا وہ اجازت دے۔ اگر آپ نے جان و مال کا سودا کر لیا اور اختیارات آپ سے سلب کر لیئے۔ تو اگر کہیں وہ آپ سے کہہ دے کہ اپنی جان اسی جگہ دے دو۔ اسی میدان اُحد میں۔ اسی جنگ میں دے دو۔ تو اب آپ جان بچانے کا حق نہیں رکھتے۔ (صلوٰۃ)

کیونکہ آپ تو سودا کر چکے ہیں۔ اس کے حوالے کر چکے ہیں۔ تو اب آپ کو اس کے حکم پر جان

بھی دینا ہے۔ مال بھی دینا ہے۔ اولاد بھی دینا ہے۔ اور جب بھی جہاں بھی کہے کہ جان مال، اولاد دے دو تو آپ کو عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ عذر کرے کہ سردی ہے۔ یا میرا گھر اکیلا ہے وغیرہ وغیرہ کوئی عذر نہیں ہو سکتا اور اگر آپ پہنچ جائیں میدان میں اور وہ کہہ دے کہ اب یہاں سے نہیں ہٹنا ہے اسی میدان میں مر جاؤ مگر قدم نہ ہٹے مر جاؤ۔ اور اگر وہ کہہ دے اور آپ نے اپنی جان کو بچا یا اور یہ سمجھے کہ یہ جان آپ کی ہے۔ تو سودا ٹوٹ گیا۔ وہ معاہدہ ختم ہو گیا۔ اور جب معاہدہ ختم ہو گیا تو آپ نجات کے حقدار نہیں رہے۔ آپ بقا کے حقدار نہیں۔ اسی کو خدا کہتا ہے کہ جو اس معاہدہ کو توڑ دے گا اس نے اپنا نقصان کیا ہے۔ ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ (صلوٰۃ)

تو معلوم ہوا کہ یہ مبایعہ یعنی بیعت اللہ سے معاہدہ ہے ہم اسی کو بیعت کہہ سکتے ہیں کہ جس کو خدا اپنی بیعت کہے ہم اسی سے بیعت کر سکتے ہیں جس کے قول و فعل کو اپنی طرف منسوب کر لے۔ اس کے سوا ہم بیعت کر سکتے ہی نہیں۔ ملکیت خدا کو کہاں دے سکتے ہیں۔ ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ کسی کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیں اور بیعت کر لیں۔ اور ایسا شخص جس کی بیعت کو خدا اپنی بیعت کہے وہ غلط تصرف نہیں کریگا آپ کی جان و مال، اولاد کے تصرف میں وہ غلطی نہیں کرے گا کیونکہ اللہ نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس کی بیعت میری بیعت ہے۔ تو یہ ضمانت ہو گئی اللہ کی طرف سے۔ کیونکہ جو اللہ کی طرف سے بیعت لینے آیا ہے اس کی بیعت حقیقت میں خدا کی بیعت ہے۔ اور جب خدا کی بیعت ہے تو ماننا پڑیگا کہ جس کو اللہ نے اپنا بنا کے اس کی بیعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے کبھی بھول چوک نہ ہو گی۔ (صلوٰۃ)

اس سے بھول چوک نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر یہ ممکن ہو یعنی سہو۔ نسیان۔ بھول چوک تو یہ اس سے تو بھول ہوئی ہماری جان چلی گئی۔ لہٰذا کوئی عاقل ایسے ہاتھوں پر ہاتھ نہ رکھے کہ جہاں امکان خطا ہو۔ صلوٰۃ اب اس کا ایک دوسرا رخ پیش کرتا ہوں کہ جب آپ بیعت کسی کی کرینگے۔ اس کی دو شکلیں پیش نظر ہیں

ہوں۔ ان دونوں کو آپ بغور سماعت فرمایئے۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ بیعت کرنے والے نے بیعت کیوں کی؟ ایک لفظ میں نے کسی دن اسی مجلس میں کہا تھا۔ تشریح نہیں کی تھی۔ مبایعہ کرنے والا کیوں بیعت کرتا ہے اور اللہ نے یہ مبایعہ کا حکم کیوں دیا ہے بیعت کرنے والا صرف اس لئے بیعت کرتا ہے کہ اس کو یقین نجات ہو جائے صرف مقصد اس کا یہ ہے کہ میں نجات چاہتا ہوں جو بھی نجات کا طریقہ ہو وہ میں کروں تو بیعت صرف اس لئے کرتا ہوں کہ یہ جان و مال، اولاد فانی چیزیں دے کر مجھے نجات حاصل ہو جائے بقا لے لوں۔ یہ فیصلہ تو ہو گیا کہ وہ بیعت کرے گا۔ یعنی کسی کی بیعت وہ کرے گا۔ جس کو اپنی نجات کا یقین نہ ہو گا۔ جب نجات کا یقین حاصل کرے گا۔ تو اب بیعت وہی کر سکتے ہیں کہ جن کی نجات یقینی نہ ہو۔ اسی لئے کسی نبی نے امت کی بیعت نہیں کی۔ کسی امام نے ماموم کی بیعت نہیں کی۔ کیونکہ ان کو نجات کا یقین تو منجانب اللہ ہے۔ وہ منجانب اللہ آئے تھے وہ واسطے ہیں ہمارے اور خدا کے درمیان۔ تو اب مطلب صاف ہو گا۔ کہ بیعت وہ کرے گا جسکو اپنی نجات کی تسلی نہ ہو۔ اور وہ جان و مال، اولاد کے اختیارات اپنے سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے گا تو اب حسینؑ کیوں بیعت کریں یزید کی؟

کیا حسینؑ کو اپنے نانا کی اس حدیث پر یقین نہیں تھا کہ الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ حضورؐ فرما گئے کہ حسنؑ و حسینؑ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ دوسرا جملہ کبھی نہ چھوڑیئے گا۔ اس کا آخری جز۔ وہ ایک راز ہے۔ قدرت کا جو حضورؐ کے ذریعہ ظاہر کیا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ تمام جوانان جنت کے سردار ہیں وابوھما افضل منھما اور ان دونوں کے باپ ان دونوں سے افضل ہیں یہ جز و متمم ہے اس حدیث کا۔ (صلوٰۃ)

اس کو آپ کبھی نظر انداز نہ کیجیے گا۔ حسنؑ حسینؑ کل جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور یہ متفقہ فیصلہ

کل اہل اسلام کا ہے کہ جنت میں بوڑھا نہیں جا سکتا۔ جنت کی زندگی کامل زندگی ہے۔ جنت میں
ہر شے مقام کمال پر ہوگا۔ وہاں نقص نہیں ہوگا۔ عیب نہیں ہوگا۔ کمال زندگی شباب ہے۔ لہٰذا
سب کے سب وہاں جوان ہوں گے۔ کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ دانت ٹوٹے ہوئے کمر جھکی ہوئی آنکھوں
سے نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگ جنت میں آپ کو نظر نہیں آئیں گے۔ وہ جنت ہے۔ اسپتال تو نہیں
ہے۔ کہ وہاں علاج کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہر ایک شے کمال پر ہوگی۔ کمال شباب پر ہر شے
ہوگی۔ سب جوان ہوں گے۔ حضورؐ جانتے تھے کہ کل جوانان جنت کے سردار دو شاہزادے۔ تو
کوئی یہ نہ کہہ دے کہ علیؑ بھی تو جنت میں ہونگے تو کیا ان کے بھی سردار ہوں گے؟۔ تو فرمایا۔ ابو

ھما افضل منھما ان دونوں کا باپ انکا سردار ہے

تمام جوانان جنت کے سردار یہ دونوں شاہزادے۔ اور ان دونوں کے سردار انکے باپ
متکلم کلام سے خارج ہوتا ہی ہے۔ ورنہ ان کے صاحبزادے ہو جائیں وہ تو تقسیم کر رہے ہیں
جنت کی سرداریاں بانٹ رہے ہیں۔ تو اب یہ ہوگا کہ تمام جوانان جنت کے سردار حسنؑ و حسینؑ ان
ان دونوں کے والد محترم ان دونوں کے سردار اور سرکار دو جہاںؐ انکے باپ کے سردار۔ (صلواۃ)

اب رہ گئیں بی بی خاتون قیامت تو تمام مسلمانوں نے بالاتفاق اس حدیث کو درج کیا ہے
اور یہ حدیث اصح الکتب میں ہے۔ جسکو مسلمانوں نے سب سے زیادہ صحیح کتاب کہا ہے وہ صحیح بخاری
ہے۔ اس میں بھی ہے کہ فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میری بیٹی فاطمہ جنت کی
عورتوں کی سردار ہے کل عورتوں کی چاہے حواؑ ہوں چاہے بی بی مریم ہوں۔ (صلواۃ)

بی بی فاطمہؑ تمام نساء جنت کی سردار۔ مردوں کے سردار حسنؑ و حسینؑ۔ کیونکہ جنت میں مردے
جوان ہوں گے۔ اور جنت کی تمام بی بیوں کی سردار خاتون قیامت اور علیؑ اپنے دونوں شاہزادوں
کے سردار اور حضورؐ علیؑ کے سردار۔ پھر ان سب کا سردار خدا۔ (صلواۃ)

فیصلہ ہو گیا یہ تمام مسلمانوں نے تسلیم کر لیا۔ سب کو تسلیم کہ یہ فیصلہ حضورؐ نے کیا۔ اب میں یہ پوچھنا
چاہتا ہوں۔ کہ خدا عالم ہے یا نہیں؟ تو تمام مسلمان یہ بتائیں گے کہ خدا عالم ہے۔ ہر ظاہر و باطن۔ ہر شے
کا عالم ہے جو کچھ ہم نے کائنات میں کیا۔ وہ تمام اعمال سے واقف ہے۔ اور جب عالم ہے۔ تو حضورؐ کے
زمانے والے ہوں یا اُن سے پہلے آدمؑ کے زمانے والے ہوں یا کسی نبی کے زمانے والے ہوں۔
تا قیامت ان سب کے اعمال سے واقف ہے۔ جب کہ خدا عالم ہے کسی کا عمل پوشیدہ نہیں جس
نے جو عمل کیا ہے۔ خدا جانتا ہے تو خدا عالم بھی ہے اور عادل بھی ہے۔ انصاف کرے گا۔ غلط
بدلہ نہ دے گا۔ کیونکہ وہ عادل ہے۔ جس کا جتنا عمل اس کو اتنی سزا اور جزا ملے گی۔

جب عادل بھی ہے اور عالم بھی ہے اور قیامت میں خدا کو تمام حاضرین محشر کے عمل کا علم
بھی ہے اور عدل ہی کرے گا۔ تو اُس نے عدل کیا کیا؟ اس نے حسنؑ و حسینؑ کو جنت کے مردوں کا
سردار بنا دیا ہے۔ فاطمہؑ کو عورتوں کا سردار اور بیٹوں کا سردار علیؑ کو اور حضورؐ کو ان سب کا سردار
بنا دیا۔ اگر کسی کا عمل ان کے ہم وزن ہوتا یا قریب قریب تو کچھ تو سرداری ملتی؟ (صلواۃ)

لہٰذا قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ ان سے کوئی افضل نہ ایمان میں ہے نہ عمل میں۔ کیونکہ
ان کے مقابل کوئی آ نہیں سکتا۔ کیونکہ فضیلت؟ اس دنیاوی فضیلت کو جو آپ دیکھتے ہیں یہ
فضیلت وہ نہیں ہے۔ کیونکہ فضیلت وہ ہے۔ جس کا ثواب زیادہ ہو۔ کیونکہ فضیلت تو عمل و ایمان
ہے۔ وہ آخرت میں معلوم ہوگا۔ خدا آخرت کے فیصلے کو اس دنیا میں ظاہر کر رہا ہے۔ کہ
سرداریاں انہیں کی ہوں گی۔ تو جب یہ سب کے سردار تو یہ عمل و ایمان میں سب سے
افضل۔ تو اب آپ ان کے مقابلے کسی کا عمل نہ لائیں۔ چاہے کوئی کتنی ہی فتوحات کرے
ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کو سرداریاں مل گئیں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اب کسی
کو عمل نہیں ہو سکتا۔ (صلواۃ)

ایک بات یہ ظاہر ہو گئی کہ پروردگار عالم جن کی بیعت کا حکم دیتا ہے۔ وہ وہی ہستیاں ہیں جن کی بیعت کو خدا نے اپنی بیعت کہا ہے۔ کہ اسکو صرف اپنے نفس پر اعتماد نہیں اپنے عمل پر یقین نہیں۔ اپنے اعمال کو جب دیکھتا ہے تو اس کو اپنی نجات کا یقین نہیں ہوتا۔ تو اللہ نے یقین دہانی کیلئے یہ طریقہ بتا دیا۔ کہ تم اپنے اختیارات ہمارے نمائندہ کو دیدو۔ اور جب تم دیدوگے تو ہم ضامن نجات ہیں۔ یہ ہے طریقہ۔

تو اب یہ بزرگوار کو جو تمام عالمین کے سردار بنے یہ صرف نجات پانے والے ہی نہیں بلکہ نجات پانے والوں کے سردار اہل جنت کے سردار۔ تو اب یہ کسی کی بیعت نہیں کر سکتے۔ بیعت تو وہ کرے جیسے اپنی نجات کا یقین نہو یہ تو نجات پانے والوں کے سردار ہیں۔

یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نجات کا۔ لہذا ایک مسئلہ تو حل ہو گا نجات کا۔

اب دوسرا مسئلہ۔ ایک وقت نظر کے ساتھ اس پر بھی غور کر لیجئے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں سلب اختیارات کو کیا کہتے ہیں؟ جو اپنے اختیارات سلب کر دے۔ دوسرے کے حوالے کر دے تو جس کے حوالے کرے اس کو اصطلاح شریعت میں کیا کہتے ہیں۔ اور جس نے اختیارات دیئے ہیں وہ کیا کہلاتا ہے۔ تو میں ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ (صلوٰۃ)

خداوند عالم قرآن مجید میں آپ کو حکم دیتا ہے وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ تم لوگ نکاح کرو کن کے؟ ایامیٰ کے۔ ایامیٰ کے معنی مرد بے زن اور زن بے مرد۔ یعنی جنکی زوجہ نہو ان مردوں کا نکاح کرو۔ وہ ایّم ہے جس زن کا شوہر نہ ہو وہ بھی ایّم ہے ان عورتوں کے جنکے شوہر نہوں نکاح کرو۔ پہلا حکم ختم۔ دوسرا حکم۔ جو صلاحیت نکاح رکھتے ہیں انکا بھی نکاح کرو۔ من عبادکم جو تمہارے عبد ہیں۔ ایک ہیں عباد اللہ۔ اللہ کے عبد۔ اور ایک ہیں عبادکم جو تمہارے عبد ہیں۔ تمہارے عبد کے کیا معنی جن کا تم نکاح کرو۔ کیونکہ انہیں حق نہیں رہا۔ کیونکہ انکے اختیارات اب تمہارے پاس ہیں تو معلوم

ہوا کہ جب اختیارات کسی سے سلب ہو جائیں۔ تو وہ عبد بن جاتا ہے۔ (صلوٰۃ)

چونکہ اختیارات سلب ہو چکے لہذا وہ تمہارے عبد ہیں۔ تو جب ہم اپنے اختیارات اپنے سے سلب کر کے کسی کو دیدیں۔ اور اپنی جان و مال، اولاد پر تصرف کا حق سپرد کریں اور ہمیں اختیار نہ رہے تو ہم عبد ہو گئے اب ہماری جان و مال، اولاد کا اختیار اس کو ہے۔ جسکو ہم اختیارات دے چکے ہم اسکے عبد کہلائیں گے۔ لغت کے لحاظ سے بھی اور اصطلاح شریعت کے لحاظ سے ہم عبد بن گئے اُردو میں غلام عربی میں عبد۔ ہم اس کے عبد بن گئے۔ اب جو بھی بیعت کرنے والا ہو گا وہ عبد ہو جائے گا یہ قرآن و حدیث و عقل ثابت کر رہی ہے کتب فقہ پڑھ لیجئے۔ اس میں بھی یہی ملے گا۔ کہ وہ عبد کہلائے گا۔ جو اپنے اختیارات دیدے گا۔ اور جسکی بیعت کرے گا جس کو اختیارات دیدیگا وہ کیا کہلائے گا۔ شریعت میں ہم تو اس کے عبد ہو گئے اس کو کیا کہیں گے؟ جس کے اختیارات میں ہماری جان و مال، اولاد ہو گئی وہ کیا کہلائے گا جس کی بیعت کر لی۔ جس کو بیع کر دیا اختیارات سونپ دیئے وہ کیا کہلائے گا۔ میں اعلان کے ساتھ اس ممبر پہ کہہ رہا ہوں۔ کہ تمام فرق اسلامیہ نے یہ لفظ لکھے ہیں۔ کہ عبد یعنی جو غلام بن گیا۔ جسے اختیار نہ رہا وہ جس کا عبد ہو گا جسے اختیارات دے گا۔ اس کو اصطلاح شرع میں مولا کہتے ہیں۔ کل کتب ہائے فقہ پڑھ لیں۔ کتاب العبد والمولیٰ۔ ہر ایک فقہ کی کتاب میں ملے گا۔ کتاب العبد والمولیٰ ایک عبد اور ایک اس کا مولا۔ تو جب ہم حضورؐ کی بیعت کر چکے ہم حضورؐ کے عبد بن گئے اور حضورؐ ہمارے مولا بن گئے یعنی حضورؐ کو حق حاصل ہے۔ ہم پر کہ ہماری جان جہاں چاہیں خرچ کر دیں۔ مال و اولاد کو جہاں چاہیں خرچ کریں۔ جب انہیں اختیارات حاصل ہو چکے تو جب تک حضورؐ زندہ رہے ہمارے مولا۔

اور اب حضورؐ چاہتے تھے اللہ کے دربار میں جانا تو آپ کو حکم ہوا کہ اپنے بعد انتظام کر جاؤ تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے وہ حقِ مولا جو آپ کو حاصل تھا اس کو آپ نے غدیر خم میں کہہ دیا

کہ میں جس کا مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ (صفحہ ۹۵)

جس کا میں مولا ہوں اب میرے بعد علی اس کا مولا ہے یعنی وہ اختیارات علی کو حاصل ہیں جو مجھ کو مخلوق پر اختیارات مجھے حاصل تھے اب وہ علی کو حاصل ہیں۔ اگر میں کائنات کا مولا ہوں اگر میں فرشتوں کا مولا ہوں تو یہ فرشتوں اور کائنات کا مولا ہے۔ اگر میں جان و مال، اولاد و عزت و آبرو کا مولا ہوں تو یہ تمہاری جان و مال اولاد و ناموس (وغیرہ) کا مولا ہے یعنی کل اختیارات اب علی کے حوالے میں شامل ہیں۔

معلوم ہو گیا کہ جب اللہ نے یہ اختیارات علی کے حوالے کر دیئے ہیں تو حضور نے اعلان کیا اب جو حق ہے جو حضور کے بعد تصرف رکھنے کا حق رکھتے ہیں وہ اب علی ہی خلافت استعمال نہ کریں گے۔ وہ حضور اپنے بعد بھی علی کو مولا بناتے۔ اب جبکہ ہم عبد ہو جاتے ہیں بیعت کے بعد اور جن کی بیعت کریں وہ ہمارا مولا ہو جاتا ہے تو حضور مولا کے کائنات مولا علی ہمارے مولا۔ اب بشیر ایک نتیجہ جو اس تمام بیانات کے بعد نکلتا ہے اس کو پیش کرتا ہے۔

سنیئے۔ عبد کو اردو میں غلام کہتے ہیں۔ مولا کو اردو میں آقا کہتے ہیں۔ عربی میں مولا تب جب کہ وہ استعمال ہو۔ ایک عبد مولا کے لئے ایک عبد معبود کے لئے جو عبد معبود کا ہو گا وہ عبد العبادت ہو گا اور جو عبد مولا کا ہو گا وہ عبد الاطاعت ہو گا۔ (صفحہ ۹۶)

اطاعت میں مولا کا عبد اور عبادت میں معبود کا عبد اس لیے دو قسم ہو گئی پہلے عبد بنے گا اطاعت میں اور جب عبد بن چکے گا اطاعت مولا میں اب اس کو اختیار ہو گا اپنے رب کی عبادت کر بیعت لینے والے کی بیعت نہ کرے گا تو رب کا عبد نہیں بنے گا۔ لہٰذا پہلے ہم عبد الاطاعت بنتے ہیں کہ عبد العبادت بن گئے ہیں عبادت کا پتہ نہ ہو گا یعنی معلوم نہ ہو گا کہ عبادت کس طرح کریں بعد میں عبد الاطاعت نہ ہو گئے تو رسول کی بیعت سے معلوم ہو گا کہ عبادت نہیں بتائے گا کہ عبادت کس طرح کی جاتی

ہے تو عبادت کا علم بھی اس وقت ہو گا جب ہم عبد الاطاعت بن جائیں۔ تو پہلے غلام بنیں گے رسول کے پھر غلام بنیں گے خدا کے۔ براہ راست کوئی بھی خدا کا غلام نہیں ہو سکتا جب تک رسول کا غلام نہ ہو گا۔ روزہ، نماز کا طریقہ نہیں سمجھ سکے گا۔ (صفحہ ۹۹) کیونکہ خدا تک اور احکام خدا ان بتانے کا خدا نہیں ہیں بلکہ عبد الاطاعت بنو رسول سے معلوم ہو گا پہلے عبادت سیکھو پھر عبادت کرو۔ یہی پہلے عبد الاطاعت بنتا ہے۔ مولا کا عبد بنتا ہے پھر اس کے بعد عبد العبادت بنتا ہے۔ خدا کی عبادت کے

آپ بشیر وہ نقطہ کہتا ہے کہ پہلے ہمیں رسول کا غلام بننا پڑے گا پھر ہم اللہ کے غلام بن سکیں گے یعنی کوئی بھی شخص غلام اللہ نہیں بن سکتا جب تک غلام رسول نہیں بن جائے۔ (صفحہ ۹۶)

جس کو بھی غلام اللہ بننے کا شوق ہو وہ پہلے غلام رسول بنے پہلے ہم غلام ہیں رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے غلام۔ غلام ہاشم یعنی عبد اللہ۔ ہیں حضور کے بعد جب حضور تشریف لے جائیں تو پھر ہاتھ پڑے گا حضور کے بعد علی کا غلام بننا پڑے گا اور علی مولا ہوں گے ایسے ہوئے کہ علی کے نام ساتھ مولا کا لقب لگایا نہ خلافت ہو گیا پھر اس کے بعد حسن کو بتائیں گے کہ اب یہ مولا علی کی طرف سے مولا ہیں۔ وہ مولا ہیں کہ پھر مولا حسین ہوں گے۔ پھر مولا حسین پھر مولا زین العابدین یعنی اسی طرح یکے بعد دیگرے مولا بنتے جائیں گے۔

پہلے ہم عبد الاطاعت ہیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر ہم جب عبادت کریں تو عبد العبادت ہیں عبد العبادت بھی ہیں عبد الاطاعت پہلے اس نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کے دروازے پر جاتے تھے ہیں۔ غلام آپ کے گھر جاتے اور وہاں جا کر دیکھیں اندر جیسی ہی بنی ہو تو پھر جا کر دیکھا جب آپ داخل ہوتے ہیں دربار مولا علی میں تو آپ کو دروازہ پر ایک غلام ملے گا پہلے آپ کو دروازہ پر قنبر کا ذکر ہے اندر جانے کے لئے تو قنبر کہنا پڑے گا کہ انا عبد من عبید ... اللہ تیری ہو تو اجازت ہے یعنی اندر جا سکتے ہیں آپ یا قنبر کو کہنا پڑے گا کہ یا رسول اجازت ہے آپ کا دل

پھر آئے گا۔ جب یہ اجازت نامہ پڑھ لیں گے صحن سے اجازت لیکر دروازہ پر یہاں پر خدام ملیں گے جو آپکے کفش برداری کریں گے۔ جو آپ کے جوتوں کی حفاظت کریں گے۔ جب آپ اندر داخل ہوں گے تو ایک رواق ہوگا یعنی دالان ہے چاروں طرف اسمیں جب آپ داخل ہوں گے۔ اس کے بعد پھر اندر ایک روضہ یعنی قبہ جسکے اندر حضرت کی ضریح ہے وہاں پھر ایک دروازہ آئے گا۔ تو اب ایک دروازہ تو وہ ہوگا کہ جہاں اجازت سے کے داخل ہو گئے۔ اب سامنے جب آگے بڑھے تو سامنے قبہ کا دروازہ ہے۔ ہر ایک کہتا ہے جو بھی جاتا ہے وہاں یہ لفظ لکھے ہیں۔ سب یہ کہتے ہوئے داخل ہوتے ہیں

یا امیرالمومنین اَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ

اے میرے مولا میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تیرا غلام ہوں اور تیرے غلام کا لڑکا ہوں میرا باپ بھی آپ کا غلام تھا میرا باپ بھی آپ کو مولا جانتا تھا اور میری ماں آپ کی کنیز ہے وہ بھی آپ کو مولا مانتی تھی تو میں آپ کی کنیز و غلام کا لڑکا میں بھی آپ کا غلام ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ آکر ضریح کو بوسہ دے لوں آپ کی ضریح کو ہاتھ لگا کر چوم لوں۔ جب آپ یہ کہیں گے تو آپ اندر داخل ہوں گے اور وہ لفظ جو سلام کے لئے معین ہیں وہ آقا کے لئے سلام کے قابل بنیں گے۔ اور اگر آپ عبد نہ بنتے اجازت نہ لیتے تو آپ عبداللہ نہ بنتے کسی اور کے بندے کہلاتے۔ خدا کے بندے تو جبھی بنیں گے۔ جب اس کے حکم کے مطابق ان کے بندے بنیں گے جب آپ اندر جا کر داخل ہوں گے اور کہیں گے۔ تیرا عبد ہوں۔ میرا باپ مولا مانتا تھا۔ میں غلام کا بیٹا ہوں۔ اور میری ماں بھی مولا مانتی تھی۔ میں اس کنیز کا لڑکا ہوں۔ میں آپ کے دربار میں آیا ہوں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ کہ آپ خدا سے میرے گناہ معاف کرا دیجئے۔ میں مشکلات میں ہوں۔ میری مشکلات کو حل کرا دیجئے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو میرا ولی بنایا تھا یہ سب وہاں کہنا پڑتا ہے۔

جب آپ ان کے عبدالاطاعت بن چکیں گے انا عبدک وابن عبدک کہہ لیں گے۔ تو اب تلقین میں

کہنے والا کہے گا۔ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ۔ اے خدا یہ تیرا عبد ہے یہ تیرے عبد کا بیٹا ہے۔ تیری کنیز کا بیٹا ہے کیوں کہ یہ تیرے حکم کے مطابق مولا کا عبد بنکر آیا ہے۔ غرض عبد بن جائیے تو سودا ہو گیا۔ قیامت میں کوئی فکر نہ ہوگی۔ کل بھی میں نے ایک غلام کا ذکر کیا تھا۔ لیکن آج جو غلام کا ذکر ہے جو حبش کا رہنے والا تھا۔ سیاہ رنگ تھا۔ پسینہ میں بو آتی تھی وہ بار بار مولا کی خدمت میں آتا تھا مولا اجازت دیجئے مولا اجازت دیجئے۔ مولا اذن دیجئے۔ آپ سب کو بھیج رہے ہیں۔ مولا آپ نے مجھے اب تک اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد ایک لفظ کہہ دیا کہ مولا میرا خون سیاہ آپکے خون سفید میں مل نہ جائے۔ مجھ میں بدبو ہے۔ یعنی میرے پسینہ میں بو سے بو آتی ہے۔ اس لئے آپ مجھے اجازت نہیں دیتے کہ آپکے خون میں یہ خون نہ مل جائے۔ آپ نے سینے سے لگا لیا اور اجازت دی۔ یہ شہید ہوا۔ گرتے وقت آواز دی یا مولا ادرکنی۔ مولا میری خبر لو۔ آپ دوڑے ہوئے گئے اور زمین پر بیٹھ گئے زانو پر سر رکھا اور سر رکھ کر کہا۔ جون۔ جون۔ جون نے آنکھ کھولی۔ آپنے فرمایا جون آج تو تمہارے بدن سے خوشبو ئیں آرہی ہیں۔ اے جون یہ رومال لو اس کو ساتھ لے جانا۔ آج تو میری ماں بھی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ میرا نانا بھی تمہارے انتظار میں میرا بابا میرا بھائی تمہارے انتظار میں ہیں۔ جون تمہیں مبارک ہو۔ غلامی میں سب کچھ نصیب ہوگا۔

ایک اور کنیز جس نے انکی کنیزی میں عمر گذار دی۔ بوڑھی ہو گئی سر کے بال سفید ہو گئے۔ مگر ساتھ نہیں چھوڑا۔ حضورؐ کے زمانے سے لیکر جب بی بی فاطمہؑ کی وفات ہو گئی۔ تو بی بی کی صاحبزادیوں کی خدمت کرنے لگی۔ بی بی زینب و کلثوم کی خدمت میں رہنے لگی۔

جب اہلبیت مدینہ چھوڑنے لگے تو کہنے لگی کہ میں نہ رہوں گی۔ میری شاہزادیاں چلی جائیں اور میں یہاں رہوں۔ میں نہ رہوں گی میں بھی ساتھ جاؤں گی۔ مجھے مدینہ میں رہنا پسند نہیں ہے میں تو ساتھ چلوں گی۔ ساتھ چلتی آئی کربلا میں رہی جس طرح یہ بھوکے پیاسے رہے وہ بھی بھوکی

پیاسی رہی جس طرح ان بی بیوں کے ہاتھوں میں رسی بندھی اسی طرح اس کے بھی ہاتھوں میں رسی باندھی گئی۔ ساتھ رہی۔

میں نے یہ لفظ تاریخوں میں پڑھے اور بعض روایات میں ہے۔ زینب کبھی کبھی یوں کہہ دیا کرتی تھیں۔ اے امی جان۔ فضہ کو امی جان کہہ دیتی تھیں۔ جس وقت یہ تمام قیدی دربار میں پیش ہوئے۔ اس وقت حالت کیا تھی۔ کہ سر دربار زین العابدین کھڑے تھے تخت یزید کے سامنے اور یہ بی بیاں ایک طرف حلقہ بنائے ہوئے چاروں طرف اور بی بیاں بیچ میں زینب اور آگے آگے اس حلقہ کے فضہ اس طرح چاروں طرف سے پردہ کئے ہوئے روکے ہوئے۔

زین العابدین سے گفتگو شروع ہو گئی۔ یزید نے ایک لفظ کہہ دیا میں وہ لفظ کہہ نہیں سکتا زبان جل جائے۔ میں وہ لفظ اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا۔ یزید نے ایک لفظ کہا زین العابدین سے زین العابدین نے جو جواب دیا۔ وہ جواب میں پیش کر سکتا ہوں۔ وہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

زین العابدین نے جواب دیا اے یزید مظلوم ذلیل نہیں ہوتے ظالم ذلیل ہوتے ہیں۔ یہ سن کے اس کو غصہ آیا کہنے لگا۔ ہماری بات کا جواب دیتے ہو۔ ہم بادشاہ۔ ہمارا دربار۔ ہم تخت پر بیٹھے ہیں۔ ہماری بات کا جواب دیتے ہو۔ یہ کہہ کر حکم دیا بلاؤ جلاد کو۔ ہماری بات کا جواب دیتے ہو۔ ہمارے قیدی ہو کر۔ ابھی قتل کر دو۔ ہمارے سامنے ابھی قتل کر دو۔ جس وقت اس نے یہ لفظ کہے۔ تو زین العابدین نے کہا اے یزید تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ قتل ہونا تو ہماری عادت ہے۔ اور شہید ہونا ہماری کرامت ہے۔ اگر بیشک تو ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ تو صرف اتنی بات میری مان لے۔ تو اس نے کہا۔ کیا۔ بے شک تم مجھے بتاؤ کہ وہ کیا بات ہے۔ تو آپ نے کہا کہ صرف اتنی بات کہ کوئی ہاشمی خاندان کا مرد مجھے بلا دے۔ میرے پاس بلا دے۔ پھر قتل کر دے۔ پہلے ہاشمی خاندان کا کوئی مرد میرے پاس بلا دے۔ اس نے کہا کیا کرو گے ہاشمی خاندان کا مرد۔ تو

آپ نے فرمایا۔ یہ بی بیاں حوالے کر دوں گا۔ کہ نانا کے روضے پر پہنچا دو۔ یہ حرم رسول ہیں۔ یہ حرم رسول ہیں۔ مدینے پہنچا دو۔ جب یہ لفظ کہے آپ نے۔ بی بی زینب سن رہی تھیں یہ گفتگو جناب زینب نے جب دیکھا کہ زین العابدین تو مرنے پر تیار ہو گئے۔ وصیت بھی کر دی۔ اب تو قتل ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ بی بیوں کے حلقے کو توڑ کر۔ بی بی زینب باہر آئیں اور زین العابدین سے لپٹ گئیں اور یزید سے کہا۔ اگر تو اس کو قتل کرتا ہے۔ تو ساتھ ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔ میں اس کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتی یہ میرے بھائی کی نشانی ہے۔ اس کو دیکھ کر میں اپنے بھائی کو یاد کرتی ہوں۔

یزید نے پوچھا۔ یہ بی بی کون ہے۔ شمر نے بتایا یہی حسینؑ کی بہن ہے۔ اسی کا نام زینبؑ ہے جب یہ کہا کہ یہی زینب ہے۔ یزید کہتا ہے کہ کیا یہ زینب ہے اپنے بھائی کی اولاد سے اتنی محبت ؟ تو شمر نے کہا اے یزید تم کیا جانو تم کو کیا معلوم ہے۔ محبت تو اس کی ہم نے دیکھی ہے۔ یہ بھائی کی لاش سے لپٹ کر روتی رہی اور اپنے دونوں بیٹوں سے رخصت ہو کر نہیں روئی۔ جب ہم قید کر کے لائے ہیں۔ تو بیٹوں کی لاش پر نہیں گئی۔ بھائی کی لاش سے لپٹ لپٹ کر روتی رہی سنا جب یہ تو جلاد سے کہا کہ اس بی بی کو ہٹا دو اور زین العابدین کو قتل کر دو۔ جس وقت یہ لفظ کہے کہ اس بی بی کو ہٹا دو۔ زین العابدین سے الگ کر دو۔ تو کنیز فضہ ایک مرتبہ اٹھی سفید سر کے بال کمر جھکی ہوئی اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ یزید۔ کس کی مجال ہے کہ میری زندگی میں میری شہزادی کو کوئی ہاتھ تو لگائے۔ کس کی مجال ہے۔

وہ پوچھتا ہے یہ کون ہے۔ شمر نے بتایا یہ فضہ ہے یہ ان کی ماں کی کنیز ہے۔ انکے ساتھ آئی ہے یہ وہ فضہ ہے۔ یزید نے کہا اچھا یہ وہ فضہ ہے پہلے اسکو قتل کر دو۔ جب قتل کیلئے حکم ہوا تو فضہ نے نظر ڈالی دربار میں کئی سو اس کے قبیلے کے حبشی سرداران فوج حبش کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے دیکھا اپنے قبیلے والوں کو حبشیوں کو اور کہا۔ اے میرے قبیلے والوں حبش کے رہنے والوں تمہیں

شرم نہیں آتی کہ تمہارے خاندان کی ایک عورت تمہارے سامنے سرِ دربار قتل ہو جائے تمہیں شرم نہیں آتی۔ انہوں نے کہا۔ کون ہو۔ کہا کہ فضہ شاہ حبش کی بیٹی۔ انہوں نے کہا کہ تم تو ہماری شاہزادی ہو کھڑے ہو گئے اپنی تلواریں باہر نکال لیں۔ سات سو تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں اور کہا۔ اے یزید خبردار کوئی ہاتھ نہ لگائے فضہ کو۔ یہ ہماری شاہزادی ہے۔ ہمارے قبیلے کی ہے۔ ہمارے ملک کی ہے کوئی ہاتھ نہ لگائے دربار میں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی ہم یہ ذلت ہرگز نہیں برداشت کر سکتے۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ یزید نے روکا اور فضہ بچ گئیں۔ اس وقت بی بی زینب نے اپنا منہ مدینے کی طرف کیا کہا نانا ہمارے قبیلے کا کوئی نہیں ہے۔ ہائے نانا ہمارے مدینے کا کوئی نہیں جو ہماری مدد کرے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞ (پارہ ۳ آیت ۳۱ سورہ آل عمران)

(ترجمہ) ارشاد رب العزت ہے۔ اے میرے حبیب تم اعلان کر دو۔ لوگوں کو بتا دو۔ میرے اس حکم کو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ وہ کیا ہے۔ یہ کہ دو لوگوں سے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو یا محبت چاہتے ہو تو تم میرا اتباع کرو۔ میری پیروی کرو۔ میرے نقش قدم پر چلو تو خدا کی محبت حاصل ہوگی اور صرف یہی نہیں کہ تم محبت کرو گے خدا کہتا ہے جب میری پیروی کرو گے تو تمہاری محبت بھی ثابت اللہ سے کیونکہ میں اللہ کا ہوں۔ تم نے مجھ سے محبت کی تو تمہاری محبت اللہ سے ثابت ہو گئی اور اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا خدا تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ (صلواۃ)

حضرات دو چیزیں ہیں ایک محب ایک محبوب اور ان دونوں چیزوں کا تعلق اتباع سے ہے محبت خدا ہونے کا ثبوت اتباع رسولؐ۔ اور محبوب خدا ہونے کا بھی ثبوت اتباع رسول۔ اتباع رسولؐ میں دو خصوصیتیں حاصل ہوں گی۔ خدا پانچواں پارہ سورہ نساء میں ارشاد فرماتا ہے۔ اتباع کے معنی۔ اے میرے حبیب تیرے رب کی قسم فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ۞ (سورہ نساء آیت ۶۵ پارہ ۵)

(ترجمہ) اے رسولؐ تمہارے رب کی قسم لوگ مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات کا فیصلہ تم سے نہ کرائیں پھر تمہارے فیصلہ پر سر اطاعت بخوشی و رغبت جھکا دیں۔ یعنی لوگ کبھی مومن نہیں بن سکتے جب تک تجھے حکم نہ مان لیں۔ حکم کن چیزوں میں؟ جتنے اختلافات ہوں۔ تمام اختلافات میں تجھے حکم مانیں یعنی تیرا فیصلہ قبول کریں اور کسی کا نہیں۔

تیرے رب کی قسم نہیں بن سکتے لوگ مومن جب تک تجھے حکم نہ بنائیں تمام اختلافات کے فیصلے تم سے نہ کرائیں اس وقت تک یہ مومن نہیں بن سکتے۔ (صلو اتؐ)

اچھا اگر تم سے فیصلے کرا لیں اور حکم مان لیں تو مومن بن جائیں گے۔ نہیں۔ ابھی نہیں۔ ایک شرط اور ہے۔ جب تم فیصلہ کر دو تمہارے فیصلے کے بعد ان کے دلوں میں کوئی دغدغہ کوئی وسوسہ کوئی شک نہ رہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ تمہیں حکم مانیں۔ آپس میں مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ دوسری شرط۔ جب تم فیصلہ کر دو۔ تو تمہارے فیصلہ کے بعد ان کے دلوں میں کسی قسم کا کوئی دغدغہ، وسوسہ، شک و شبہ پیدا نہ ہو۔ اچھا تو شک و شبہ بھی نہیں ہوا۔ حکم بھی مان لیا۔ فیصلہ بھی قبول۔ کیا اب مومن بن گئے؟ نہیں ابھی نہیں۔ ابھی ایک شرط اور ہے۔ حکم بھی مان لیا جو حضورؐ نے فیصلہ فرمایا۔ اس کو بغیر شک و شبہ کے قبول بھی کر لیا۔ لیکن پھر بھی مومن نہیں بنے۔ ابھی تیسری شرط باقی ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ اس فیصلہ کو تسلیم کریں۔ قبول کریں جو ماننے کا حق ہے۔ جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ کیا معنی؟ کہ زبان سے بھی کچھ نہ کہیں۔ یہ نہیں کہ دل سے مان لیا۔ زبان سے کچھ کہہ دیا یعنی زبان سے بھی کچھ نہ کہیں اس فیصلہ کے بارے میں نہ دل میں کچھ آئے نہ زبان پر۔ سر اطاعت جھکا دیں۔ اے میرے حبیبؐ فیصلہ آپ سے کرائیں۔ جب فیصلہ کر دیں تو ان کے دلوں میں ذرا بھی شک نہ آئے۔ فیصلہ سر جھکا کر تسلیم کر لیں مان لیں۔ جو ماننے کا حق ہے۔ یعنی لفظ نہ کہیں۔ (صلواتؐ)

حضورؐ نے کہا لاؤ میں کچھ لکھ دوں، اب کچھ عذر نہ کریں۔ دل تو دل زبان سے بھی ایک لفظ نہ

نکلے۔ یہ تھا وہ اتباع رسولؐ جو خدا قرآن میں فرما رہا ہے۔ جب آیت پر نظر ڈالی تو مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔

حضورؐ کو حکم ہوا ہے، قرآن مجید میں حضورؐ کے بار بار پلٹ کر آسمان کی طرف دیکھنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (سورہ بقر پارہ ۲) اے میرے حبیبؐ ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم یقیناً دیکھ رہے ہیں تمہارے چہرے کا بار بار اٹھنا آسمان کی طرف۔ تمہارے چہرہ کا پلٹ پلٹ کر اٹھنا آسمان کی طرف فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (پارہ ۲ سورہ بقر) پس ہم بالیقین تمہیں اسی قبلہ کی طرف موڑ دیں گے۔ جس پر تم راضی ہو جاؤ۔ اسی طرف موڑ دیں گے۔ اولاً بیت المقدس کی طرف رُخ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اللہ کا حکم تھا اب حضورؐ چاہتے تھے۔ کہ کعبہ قبلہ بنے۔ اس کی طرف رُخ کیا جائے تو خدا نے جان لیا۔ یعنی آپ نے کہا نہیں۔ یہ نہیں کہا کہ اُدھر موڑ دے۔ کوئی کہہ دیتا کہ داماد پیدا ہوا تھا۔ اس لئے کہا کچھ نہیں زبان سے۔ ہم دیکھ رہے ہیں تم ہماری طرف مُڑ مُڑ کر دیکھ رہے ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ پھرا دیا ہم نے اسی قبلہ کی طرف تمہارے چہرے کو جس پر تم راضی ہو۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ جب یہ قدرت نے کہا اس وقت دو رکعت نماز ظہر کی پڑھ چکے تھے۔ اس قیام و کلام میں جب دو رکعت گذر چکی تو تیسری رکعت میں آواز آئی۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (ترجمہ) پس اے رسول موڑ دو اپنا رُخ مسجد الحرام یعنی کعبہ کی طرف۔ رُخ تو شمال کی طرف تھا۔ کیونکہ بیت المقدس اس رخ تھا نماز کی حالت میں حکم ہوا۔ شمال سے مغرب کی سمت موڑ دو حضورؐ مڑنے لگے۔ علیؑ پیچھے کھڑے تھے وہ بھی ساتھ ساتھ مڑنے لگے۔ یہ اتباع رسولؐ تھا۔ میں اتباع رسول بتا رہا ہوں۔ جو علیؑ نے اتباع کیا۔ جو یہ کریں وہ کرو جو یہ کہیں۔ وہ کہو۔ دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے۔ کہ یہ قبلہ کو یعنی بیت المقدس کو چھوڑ کر اُدھر کیوں مڑنے لگے علیؑ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا۔ علیؑ اُدھر مڑ رہے تھے جدھر

رسولؐ مڑے۔ علیؑ پیچھے پیچھے مڑتے جاتے تھے۔ اسی لیے صرف علی کا لقب ہے اَلْمُصَلِّی اِلَی الْقِبْلَتَیْن
علی وہ ہے جس نے ایک نماز کو دو قبلوں کی طرف پڑھا اور کوئی نہیں جو دو قبلوں کی طرف پڑھے۔ دو
قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والا صرف علیؑ ہے۔ اور جب اتباعؐ ثابت تو قرآن کی آیت پڑھتا ہوں۔
جب خدا کا حکم آئے تو رسولؐ کی نافرمانی نہیں ہو سکتی۔

میں نے نہایت نازک مقام پیش کیا ہے۔ نازک مقام اتباع ہے۔ لوگ تو یہ سمجھتے رہے۔
کہ انہیں نماز میں حرکت نہیں کرنا چاہیئے منہ نہیں پھیرنا چاہیئے اسی طرح سیدھے کھڑا
رہنا چاہیئے وہ اس پر عمل کرتے رہے۔ اور علیؑ حضورؐ کا اتباع کرتے رہے۔

(صلوٰۃ)

ایک بات اور کہنے دو۔ دل چاہ رہا ہے۔ آخری مجلس ہے۔ آج میں جو دل میں ہے پڑھوں گا۔
حضورؐ تشریف لائے مسجد میں۔ حضورؐ نے اپنے مشہور صحابی جن کا نام حضرت اُبَیؓ بن کعبؓ۔ قاری قرآن۔ وہ
تشریف رکھتے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کو آپ پہچانتے ہیں۔ حضرت اُبی بن کعبؓ۔ یہ وہ قاری ہیں۔
کہ جناب عمرؓ نے انکو سب سے پہلے تراویح کی جماعت کا امام بنایا۔ جب جماعت تراویح سب سے پہلے شروع
ہوئی تو ان کو اس کا امام بنایا۔ حضرت اُبَیؓ بن کعب۔ حافظ قرآن۔ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضورؐ تشریف لائے
حضورؐ نے دیکھا کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضورؐ نے آواز دی۔ اے اُبَیؓ بن کعبؓ ادھر آؤ۔ انہوں نے
احساس کیا کہ حضورؐ بلا رہے ہیں۔ جلدی جلدی نماز کو ختم کیا۔ سلام پڑھا۔ دوڑا۔ حضورؐ کیا حکم ہے؟ حضورؐ
کیا حکم ہے۔ اتباعِ رسولؐ پیش کر رہا ہوں۔ یہ عرض کرنے لگے حضورؐ کیا حکم ہے حضرتؐ نے فرمایا۔ یا اُبَیؓ بن
کعب میں نے بلایا تھا تجھے کیوں نہیں آیا۔ میں نے حکم دیا تھا۔ تو نے کیوں نہیں جواب دیا۔ کیوں نہیں لبیک
بھی کیوں نہیں میرے پاس آیا۔ تو اس نے کہا۔ یا رسول اللہ کُنْتُ اُصَلِّیْ۔ حضورؐ میں نماز پڑھ رہا تھا
اسلئے نہیں آیا تو آپؐ نے فرمایا اے اُبَیؓ بن کعب یہ نماز جو پڑھ رہے تھے۔ کس نے تعلیم دی تھی۔ اس نے کہا آپؐ نے تعلیم

کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا۔ بلایا کس نے تھا۔ اُس نے کہا آپ نے۔ حضورؐ نے فرمایا جو چیز بتائی تھی اس پر تو
ایمان لے آئے اور جس نے بتائی اس پر ایمان نہ لائے۔ یہ دیکھنے میں اتباع کے نازک مواقع بتا رہا ہوں۔
جس وقت اس نے یہ سنا کہنے لگا یا رسول اللہ نماز چھوڑ کر نیت توڑ کر حاضر ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا۔ جو۔
آیت مجھ پر اللہ نے قرآن میں نازل کی کیا یہ آیت تم نے نہیں پڑھی۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ کونسی؟
آپ نے فرمایا یہ آیت۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔
(ترجمہ) اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور رسولؐ پکارے تو فوراً لبیک کہو اور حاضر ہو جاؤ کیا یہ نہیں
پڑھی (صلوٰۃ)

اللہ پکارے یا اس کا رسول پکارے آگے واحد کا صیغہ ہے دعاکم جب پکارے ایک اللہ اور
رسول دو ہیں۔ صیغہ تثنیہ ہوتا۔ لیکن ایک واحد کا صیغہ ہے چاہیئے تھا کہ دونوں پکاریں دعواکم ہوتا۔ لیکن
واحد کا صیغہ ہے پھر معنی کیا ہوئے۔ اللہ جب بھی پکارے گا تو آواز رسول ہی دے گا۔ آیت حضرت
نے پڑھی کہ قرآن یہ کہتا ہے۔ جب اور جس حالت میں پکارے۔ جب بھی پکارے دوڑو۔ تو اس نے
یہ کہا کہ حضورؐ یہ تو مجھے اب معلوم ہوا کہ حالتِ نماز میں دوڑو کہ رسول پکار رہے ہیں کہ جنہوں نے دین
بتایا اگر ان کے پکارنے میں ذرا بھی شک ہوا تو جو کچھ بتایا وہ سب مشکوک لہٰذا دوڑو۔ وجہ کیا ہے۔؟
نماز ہے عمل اور حضورؐ کا ماننا ہے ایمان۔ نماز پڑھنا عمل۔ عمل اس وقت صحیح ہوگا۔ اگر ایمان ہی نہ رہا
تو عمل کہاں رہا یہ تو اصحاب کرام کا واقعہ ہے۔ (صلوٰۃ)

اب ادھر آیئے۔ حضورؐ نے بھیجا ہے علیؑ کو مدینے کے باہر۔ علیؑ باہر تشریف لے گئے۔ جب واپس
تشریف لائے تعمیل حکم کے بعد کام کر کے تو حضورؐ کی خدمت میں سب سے پہلے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نماز
پڑھ چکے تھے علیؑ آئے۔ وضو کیا کہ نماز پڑھوں۔ مگر نماز جماعت ختم ہو چکی تھی۔ اب ارادہ کیا کہ فرادیٰ
پڑھوں۔ یہ سوچ کر حضورؐ کے پاس گئے کہ آپ نے جو حکم دیا تھا وہ میں نے پہنچا دیا۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ علیؑ

عذر صحیح ہے۔ کہ نبی کا سر ہے زانو پر۔ جس وقت حضورؐ نے پوچھا کہ نماز پڑھ لی۔ تو کہا اس طرح پڑھی سرکارِ دو جہاں نے ہاتھ اٹھائے اور یہ کہا۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ عَلِیٌّ فِیْ طَاعَتِکَ وَطَاعَۃِ رَسُوْلِکَ فَارْدُدْ عَلَیْہِ الشَّمْسَ اے خدا اگر علی تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو آفتاب کو واپس لا۔ خدا سے عرض کیا آفتاب کو واپس لا۔ علیؑ سے کہا کہ یہ آفتاب واپس آئے گا۔ آفتاب واپس آ گیا۔ علی سے کہا نماز پڑھو۔ جب تک علیؑ نماز پڑھتے رہے۔ آفتاب قائم رہا جب نماز ختم کی تو آفتاب واپس پلٹ گیا۔ (صلوٰۃ)

ان کے دادا کا قول تھا نمرود سے کہ اگر تو خدا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ (ترجمہ) اے نمرود اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو اگر اپنے دعویٰ خدائی میں سچا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ یہ دعویٰ خلیل اللہ نے کیا تھا جب نکلا تو خطرہ تھا۔ کیونکہ یہ حضرت ابراہیم نے کہا تھا کہ جو مغرب سے نکالدے گا وہ خدا ہے (صلوٰۃ)

علی نے کیا کیا کہ نماز شروع کر دی کہ دنیا دیکھ لے کہ میں تو مخلوق ہوں خدا نہیں۔ عابد ہوں معبود نہیں ساجد ہوں۔ مسجود نہیں۔ میں بندہ ہوں خدا نہیں۔ یہ اتباع کا فائدہ کہ آفتاب مغرب سے پلٹا۔ آپ اتباع کے نازک مسئلہ کو دیکھئے کہ میں نے چن چن کر یہ مقامات نکالے ہیں آپکے سامنے پیش کرنے کیلئے کہ ایسے نازک مقامات پر اتباع رسولؐ ثابت کرنے کیلئے پیش کروں کہ جہاں انسان حیران ہے۔ قاریٔ قرآن اُبَی بن کعب نہ آسکا۔ نماز ختم کر کے آیا۔ مگر میرا مولا نماز بھی پڑھتا رہا اتباع بھی کرتا رہا۔ تو جسکے لئے اتباع ثابت ہو گا۔ اس کیلئے حضورؐ کا کیا حکم ہے۔ میں آپ سے صاف کہوں گا کہ قرآن کے حقیقی معنی سمجھیے یہ افضل نہیں ہے۔ واجب ہے۔ اگر حقیقی معنی کا استعمال محال ہو نا ممکن ہو۔ پھر مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ قانون یہ ہے کہ حقیقی معنی میں ہر لفظ استعمال ہو گا۔ اگر حقیقی معنی محال ہو جائیں تو پھر مجازی معنی مراد لیجئے۔ مثلاً میں نے دیکھا ایک شیر ممبر پر خطبہ پڑھ رہا تھا تو اب شیر سے مراد جنگل کا جانور نہیں ہو سکتا محال ہے۔ اس لئے یہاں مجازی معنی کیا ہونگے کہ میں نے مرد بہادر کو دیکھا۔

بیٹھ گئے۔ سرکارِ دو جہاں نے اپنا سرِ اقدس علی کے زانو پر رکھا اور پاؤں پھیلا دیئے۔ حضورؐ کو نیند آگئی۔ محبوب کے زانو پر سر آئے تو نیند آ ہی جاتی ہے۔ جب سو گئے تو علی نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ اب غروب بالکل نزدیک تو مولا نے کیا کیا۔ وہ زانو جس پر سرکارِ دو جہاں کا سر تھا۔ اُس کو ساکن کیا۔ دوسرا خالی تھا۔ اسکو ہلایا اور سر کو ہلا کر اشاروں سے نماز پڑھی۔ زانو نہیں ہٹایا۔ اسی طرح رکھا کیونکہ حضورؐ کو ایذا دینا کفر ہے۔ علی نے بالکل نہ ہٹایا۔ نماز پڑھ لی۔ ایک زانو ہلا کر۔ ایک زانو پر حضورؐ کا سر یعنی علی نے ایک ہی وقت میں اطیعو اللہ و اطیعو الرسول دونوں کا ثبوت دیا۔ (صلوٰۃ)

جب حضورؐ کی آنکھ کھلی تو حضورؐ نے فرمایا یا علی اَصَلَّیْتَ الْعَصْر اے علی نماز عصر پڑھی۔ کہا کہ ہاں نماز تو اشاروں میں پڑھ لی۔ کھڑا نہ ہو سکا۔ رکوع و سجود نہ کر سکا اشاروں میں پڑھ لی۔ یہ علی نے کہا۔ رسول کی اطاعت بھی کی۔ حضورؐ کے حکم پر عمل رہا۔ نماز اشاروں میں پڑھ لی۔

اب توجہ رکھیئے گا۔ علی ابن ابیطالبؑ نے نماز اور حضورؐ کا مقابلہ کیا کہ آیا قابل تبدیلی نماز ہے یا قابل تبدیلی اطاعت رسولؐ ہے۔ دونوں کا موازنہ کیا۔ ایک طرف رسول ہے۔ زانو پر سر حضورؐ۔ دوسری طرف نماز ہے۔ جس کیلئے حکم ہے کھڑے ہو کر نہ ہو سکے تو بیٹھ کر۔ بیٹھ کر نہ ہو سکے تو لیٹ کر۔ ہاتھ نہ ہل سکے تو اشاروں میں اتنی پڑھو۔ مگر رسول کیلئے نہیں ہے کہ اتنا مان لو اتنا نہیں تو اتنا مان لو۔

بہر حال علی مرتضیٰؑ نے حضورؐ کو اسی طرح جس طرح آرام کر رہے تھے بحال رکھا۔ اگر کوئی مُلّا ہوتا تو کہتا کہ اللہ کی نماز ایک طرف اللہ۔ اور اللہ کی نماز۔ ایک طرف حضورؐ۔ تو حضورؐ کا سر ایک طرف پھینک دیتا اور نماز پڑھنا شروع کر دیتا۔ اُسے یہ نہیں معلوم کہ جو میں پڑھنے لگا۔ یہ میرا پڑھنا تقرب خدا نہیں۔ جب تک اتباع رسولؐ نہ ہو۔ تو آپ کو معلوم ہوا کہ کتنا مشکل ہے اتباع۔

علی نے دیکھا کہ حکم رسولؐ و اتباع رسولؐ میں قطعاً تبدیلی نہ ہونے پائے۔ نماز میں تبدیلی ہو سکتی ہے

یہ ہے ایک طریقہ۔ تو میں آیت پڑھتا ہوں۔ حضورؐ سے خطاب ہے۔ واخفض جناحك لمن اتبعك من المومنين۔
اے میرے حبیب جس نے تیرا اتباع کر لیا ہے۔ اس کے لئے تو اپنا بازو جھکا دے اپنا بازو انکے لئے جس جس نے اتباع کر لیا ہے۔ اس کیلئے اپنا بازو جھکا۔ خدا کہتا ہے بازو جھکا۔ وہ کہتے ہیں اخلاق سے پیش آ۔ مگر یہ معنی مجازی ہیں۔ حقیقی معنی ہیں بازو جھکا کعبہ میں۔

حضورؐ نے بازو جھکایا اور علی سوار ہوئے اور فرمایا کہ ان بتوں کو توڑ دے۔ علی نے بتوں کو توڑ دیا واقعات کل کی مجلس میں سن چکے ہیں۔ بہرحال بازو جھکا رسول کا علی کیلئے یہی حقیقی معنی ہیں (صلوٰۃ)

اور جب اتباع ثابت تو محبت ثابت اور جب محبت ثابت تو یہ محبّ اللہ کا ہوگا۔ اور اللہ اس کا محبّ تو یہ اللہ کا محبوب ثابت ہو گیا۔ اب میں پڑھتا ہوں وہ حدیث جو کل مسلمین نے لکھی ہے جس کے اتنے لفظ پڑھوں گا جسے سب نے تسلیم کئے ہیں۔ (بخاری شریف میں بھی ہیں)

لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

(ترجمہ) کل میں ایسے مرد کو علم دونگا جو خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور خدا و رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔ (بخاری شریف) (صلوٰۃ)

یہ دو لفظ کرار غیر فرار نکال دیجئے ہمارا مقصد محب اور محبوب ہے۔ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ کل میں اس مرد کو علم دوں گا۔ جو اللہ سے بھی محبت کرتا ہے اور رسولؐ سے بھی محبت کرتا ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں یہاں تک پہنچ چکے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے اور اس کا رسول بھی محبت کرتا ہے یفتح اللہ علی یدیہ۔ خدا اسکے دونوں ہاتھوں پر خیبر کو فتح کرے گا۔ اسکے دونوں ہاتھوں پر ایک نہیں۔ دو ہاتھوں پر۔ میں نے ان لفظوں پر غور کیا کہ اللہ نے یہ کیا فرما دیا۔ کہہ دیتا کہ اسکے ہاتھ پر جنگ خیبر فتح ہوگی جب میں نے غور کیا تو واقعہ یہی نکلا کہ ایک ہاتھ میں مرحب کا سر اور ایک ہاتھ میں خیبر کا در۔ دونوں ہاتھوں پر فتح کرے گا یہ کون مرد کیسا مرد ہے یہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اسکے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور محبت رکھتے ہیں اس سے اللہ اور اسکا رسول دونوں۔ اسی لائے ہیں

گے۔ تو اب اتباع بھی ثابت اور محبت بھی ثابت محبوب خدا بھی ہوا۔ اگر محبوب خدا سے کوئی عناد رکھے۔ وہ خدا کا مخالف ہے لہذا علی کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ (صلوٰۃ)

اب میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھتا ہوں اتنا تو ثابت ہوا کہ یہ مرد محب خدا و رسول بھی ہے اور محبوب خدا و رسول بھی ہے۔ لفظ کرار غیر فرار اگر نہ پڑھیں تب بھی مقصد ثابت ہے۔ اس صورت میں تو سب آپ کے ساتھ ہیں۔

اب گذارش یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک لفظ اور ہے۔ اس پر بار بار غور کر رہا ہوں۔ حدیث میں لفظ ہے۔ غداً جس کے معنی کل ہیں یعنی میں کل علم دوں گا اور قرآن روکتا ہے حضورؐ کو اس لفظ غداً کے قول سے مگر حضورؐ فرما رہے ہیں لاعطین الرایۃ غداً یعنی یقیناً عطا کروں گا۔ لازمی عطا کروں گا۔ رجلاً ایک مرد کو میں کل دوں گا۔ ایک مرد کو یہ حضورؐ نہیں کہہ سکتے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ قرآن ایک بات سے روکتا ہے قطعاً مانع ہے۔ حکم دیتا ہے۔ لا تقولن لشیءٍ انی فاعل ذلك غداً الا ان یشاء اللہ (ترجمہ) اے رسولؐ تم ہرگز کبھی کسی شے کے لئے یہ نہ کہنا کہ میں یہ کل کروں گا البتہ انشاء اللہ کہہ کر کہہ سکتے ہو۔ اے رسول کبھی نہ کہنا کہ میں کل یہ کروں گا۔ کبھی نہ کہنا میں کروں گا کل ایسا۔ لیکن انشاء اللہ کہہ کر پھر کہہ لو۔ انشاء اللہ کہہ کر کہو کہ کل میں ایسا کروں گا۔ اب حدیث پڑھتا ہوں۔ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ۔ ختم ہو گئی حدیث کہیں انشاء اللہ نہیں کہا کسی کتاب میں نکال کر دکھا دیجئے کہیں انشاء اللہ نہیں ملے گا۔ اور اللہ کا حکم ہے کہ جب تم کبھی بھی غداً کا لفظ بولو تو انشاء اللہ کے بغیر نہ بولو۔ اور یہاں انشاء اللہ نہیں ہے۔ رسولؐ تو نافرمانی کر نہیں سکتے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بات حضورؐ کی نہیں ہے۔ اگر حضورؐ کی ہوتی کہ کل میں دونگا تو حضور تو دے بھی چکے تھے پہلے تمام مسلمان مورخین نے لکھا ہے کہ جب ایک صاحب گئے علم لے کر حضورؐ نے عطا کیا فلاں صاحب علم لے کر گئے حضورؐ کے ہاتھ سے لیکر گئے۔ حضورؐ دیتے رہے حضورؐ

تو برابر دیتے رہے تو اب حضورؐ تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ کل میں دونگا۔ بلکہ یہ حدیث قدسی معلوم ہوتی ہے۔ کلام خدا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل میں علم دوں گا۔ (صلواۃ)

رسول کی حدیث ہوتی تو انشاءاللہ ہوتا اور جب عطا کا لفظ آیا کہ کل میں عطا کروں گا۔ تو عطا کے معنی بخشش ہیں اور خدا نے عطا کیا ہے تو اب علم انہیں کی میراث ہو گیا۔ اب کوئی علم نہیں لے سکتا۔ اب واقعہ سن لیجئے۔ اتباع کے فوائد نتائج کمالات حضورؐ کے اتباع سے ملتے ہیں وہ سن لیجئے۔ حضور سرکار دوجہاں نے یہ فرمایا کل کے لئے کہ کل علم دونگا۔ یعنی ترجمانی کی خدا کے کلام کی۔ جس کتاب کے یہ فقرے میں نے پڑھے ہیں اسی میں یہ نہیں کہ کرار غیر فرار۔ تو ان فقروں کے بعد واقعہ یہ ہے کہ جب حضورؐ نے فرمایا۔ کل میں اس کو علم دونگا کہ جو خدا سے اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اسی کے ہاتھوں پر فتح ہو گی یہ پیشگوئی حضورؐ نے سب کو سنائی اور جب رسولؐ نے فرمایا کہ کل ایسا ہو گا۔ تو تمام رات اصحاب کی کس طرح گزری اب میں وہ الفاظ پڑھتا ہوں۔ تمام رات اصحاب کرام کروٹیں بدلتے رہے۔ نیند نہیں آئی۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ علم کل مجھے ملے۔ کروٹیں بدل بدل کر ساری رات گذاری۔ پہلو مار مار کے کہ یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ خدا اور رسول کا محبوب بن جائے تو اصحاب نے پوری رات اس طرح گذاری کہ نیند نہیں آئی۔

بشیر اک بات کہتا ہے۔ تمام اصحاب کو رات بھر نیند نہیں آئی اس فکر میں کہ علم ہمیں مل جائے اگر علم اٹھانا بدعت ہوتا تو رات بے چینی میں نہ گزاری جاتی۔ تمام رات بیتابی بے چینی میں گزار دی کتنی بڑی فضیلت ہے علم اٹھانے کی۔ اگر بدعت ہوتا تو اصحاب کرام اس قدر بے چین نہ ہوتے۔ سکون قلب سے تمام رات سوتے رہتے۔ آج کے لوگ کچھ کہیں۔ اصحاب کرام تو فضیلت جانتے تھے تمام رات بے چین رہے کہ علم ہمیں مل جائے یہ آج کل کے لوگ معلوم نہیں علم سے کیوں گھبراتے ہیں شاید یہ خیال ہے کہ علم کو دیکھ کر غدیر یاد نہ آجائے۔ ہم انتظار

میں ہیں کہ ہمارا بادشاہ آجائے تو ہم علم لئے تیار کھڑے ہیں۔ اس انتظار میں ہمارا بچہ بچہ علم اٹھائے ہوئے ہے کہ مولا جلد آئیے ہم انتظار میں ہیں مولا آپکے سپاہی لشکر کے بننے کے شوق میں تیار ہیں (صلواۃ)

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پروردگار عالم کی طرف سے یہ عطا ہوا اور حضورؐ نے اس کو علم دیا جسکے بارے میں تصدیق ہے کہ وہ اللہ و رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ تو جس سے خدا محبت کرے۔ آپ جانتے ہیں حدیث قدسی کیا ہے۔ اللہ کی طرف سے اگر لفظ اور معنی دونوں اسکے ہوں۔ اور معجزہ بنکر آئیں تو قرآن۔ اور لفظ و معنی اس کے ہوں مگر معجزہ نہ ہو تو حدیث قدسی۔ اور اگر معنی آئیں اسکے اور لفظ ہوں رسولؐ۔ بہرحال معنی اُس کے ہوں گے۔

خدا فرماتا ہے۔ اِذَآ اَحْبَبْتُ رَجُلاً فَکُنْتُ یَدَہُ التی یبطش بھا وبصرہ الذی یبصر بہ وسمعہ الذی یسمع بہ۔ جب میں کسی مرد سے محبت کر لیتا ہوں تو اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں (!) اب وہ حملہ میرے ہاتھ سے کرتا ہے۔ میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں۔ وہ میری آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ میرے کانوں سے سنتا ہے۔ یعنی اب وہ ید اللہ بھی ہے۔ عین اللہ بھی ہے اُذُنُ اللہ بھی ہے۔ تو خیبر میں محبت ثابت (صلواۃ) لہذا مانو علی کو ید اللہ عین اللہ۔ اذن اللہ جب علیؑ ید اللہ تو اللہ کے ہاتھوں پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کہتا ہے میں ہاتھ بن جاتا ہوں۔ تو علی کو غالب علی کل غالب مانو۔

اب بشیر اک بات کہتا ہے۔ یہ نہ کہا کرو کہ بڑی اونچی آواز سے کہو یا علیؑ۔ نجف تک پہنچ جائے۔ ان سے کوئی چیز چھوٹی نہیں ہے۔ کیونکہ عین اللہ ہیں اور آہستہ بولو یا زور سے۔ کیونکہ علیؑ اذن اللہ ہیں۔ اور جب بن چکے عین اللہ یعنی اللہ کی آنکھ دیکھتے ہیں اُذنُ اللہ کان سنتے ہیں۔ تو یہ ناممکن ہے کہ کچھ سنے کچھ نہ سُنے کچھ دیکھے اور کچھ نہ دیکھے۔ (صلواۃ)

دیکھئے اب لطف آجائے گا۔ جہاں کوئی پکارے آواز پہنچے گی، کیونکہ اُذُنُ اللّٰہ ہیں عیب نہیں اور وہ ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ عین اللہ میں نقص نہیں۔ ید اللہ کمزور نہیں سب پر قادر ہے۔ یہ سب چیزیں ثابت تو اب ہیں کہ ان کو روک سکتا ہے۔ ید اللہ سے مدد مانگنے سے۔ ہم نے غیر اللہ سے کب مدد مانگی۔ ہم نے تو ید اللہ سے مدد مانگی۔ یہ وہ ہستیاں ہیں اور یہ ہیں انکے مقام۔ مقام اہلبیت۔ محب خدا محبوب خدا اور یاد رکھیئے کہ انکی ایک تھوڑی سی ہاتھ کی جنبش وہ عمل بتایا تھا ثقلین کی عبادتوں سے افضل ہے آج مقام اہلبیت بتا ہوں جب انکی ضربت اسلام بچایا۔ اسلام بچا تو وہ مسلمان جو مدینہ کے اندر گھرے ہوئے تھے وہ بچے اور انکے بچنے سے انکی عبادتیں بچیں۔ اسلام نہ ہوتا تو عبادت نہ ہوتی۔ اور مسلمان نہ ہوتے۔ تو اسلام نہ ہوتا۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے۔ ہم لوگوں کے عمل بھی لکھتے ہیں۔ عمل سے جو آثار پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بھی لکھتے ہیں یہی نہیں کہ صرف عمل لکھیں بلکہ عمل سے جو آثار پیدا ہوتے ہیں وہ بھی لکھتے ہیں۔ عمل کا وزن تو اثر سے معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھ ہلا تو کچھ حرکت۔ روپے دے دیئے۔ کھانا دے دیا۔ ہاتھ تو ہلا۔ مگر اس کا اثر۔ اس کا پیٹ بھر گیا۔ حرکت تو ہوئی اس کا اثر یہ ہوا۔ ادھر ہاتھ ہلا اسلام بچ گیا۔ اس نے حرکت کرکے اس کی جان بچالی۔ اور اس نے اسلام کو بچایا۔ اس وقت اسلام مدینہ کے اندر محصور تھا۔ قرآن یعنی آخری کتاب اور مسلمان جتنے بھی تھے۔ سب اندر تھے باہر کوئی نہ تھا اگر یہ تمام ختم ہوجاتے تو قیامت تک کل کفر۔ دگویا مسلمانوں کی نسل منقطع، تو اب ان کے اثر سے اسلام بچا۔ رسولؐ واسلام واصحاب سب بچے۔ اب ان کے بچنے سے یہ ہوا کہ ان کے بعد ان کی نسل چلے گی، کیونکہ رسولؐ آخری نبی ہیں۔ وہ سب آثار قیامت تک۔ اس لیے قیامت تک کی عبادتوں سے افضل، کیونکہ یہ اس کے آثار ہیں اس ضرب کے۔ تو جتنی عبادتیں ہوں گی اور یہ قیامت تک ہوں گی۔ ان سب کا ثواب پہلے علیؑ کے نامۂ عمل میں لکھا جائے گا۔ آپ لوگ قیامت تک جتنے عمل خیر کریں گے عبادتیں کریں گے۔ نیکیاں کریں گے بلحاظ آثار علیؑ کے نامۂ عمل میں آپ کیلئے عمل لکھے جائیں گے۔ علیؑ کو آثار عمل کے حساب سے ثواب

اگر ضرب نہ ہوتی تو یہ عمل اور اسلام ختم۔ اب قیامت تک کیلئے جتنے ثواب ہوں گے بلحاظ اثر عمل علیؑ کو ملیں گے حضورؐ کو بچایا حضورؐ کے ثواب۔ حضورؐ امین تھے آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک لہٰذا ان کے ثواب۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک سب کے ثواب۔ اتنے ثواب لیکر علیؑ۔ اللہ کے سامنے جائیں گے۔ خدا فرماتا ہے۔ جو ایک نیکی لائیگا میں اسکو دس گناہ کر دونگا۔ تو علیؑ اتنے ثواب لیکر جائیں گے خدا ان کو دس گناہ کر دے گا اب جتنے درخت ہیں۔ قلم بن جائیں جتنے دریا ہیں سیاہی ہو جائیں جتنے جن ہیں حساب کریں جتنے انس ہیں لکھیں علیؑ کے فضائل نہیں لکھ سکتے۔ (صلوات)

اب اس حدیث کو اعتقادی نہ سمجھیں کہ علیؑ کے فضائل کوئی جمع نہیں کرسکتا۔ یہ ہے وہ دلیل کہ علیؑ کے فضائل کوئی جمع نہیں کرسکتا۔ یہ تو ہیں ایک ضرب کے فضائل۔ یہ تو ایک چشم زدن میں ہاتھ کی حرکت سے اتنے ثواب ملیں گے۔ میں نے غواص بحار اخبار اہلبیت اطہار علامہ مجلسی مجدد مذہب شیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی بحار کی تیرھویں جلد میں پڑھا۔ میں نے حوالہ بتا دیا تاکہ کسی کو عذر نہ رہے۔ سب لوگ سن لیں اور دیکھ لیں۔

اب بشیر ایک بات کہتا ہے۔ سب کو متوجہ کرکے۔ میرے مولا یہ تو ایک ضرب کے اتنے ثواب کہ خدا دس گنا کر دے گا۔ تو شب ہجرت کے کتنے ثواب۔ کہ جو رسولؐ کو بچا رہے تھے۔ اور کتنی جنگیں فتح کیں۔ اس کے کتنے ثواب۔ یہ اتنے ثواب علیؑ لے کر کیا کریں گے، قرآن وعقلی دلائل سے ثابت ہو کہ اتنے ثواب لے علیؑ کریں گے کیا، تو میں پڑھ رہا تھا کہ قیامت کے دن خدا انصاف کرے گا۔ میزان میں تولا جائے گا میزان ہوگی اور اسکے لیے لکھا ہے کہ ثواب اور گناہ تولے جائیں۔ اگر ثواب اور گناہ دونوں برابر تو وہ جائے گا۔ اعراف میں۔ نہ جہنم میں نہ جنت میں۔ درمیان میں رہے گا۔ اور اگر ثواب تولنے میں زیادہ۔ گناہ کم تو جتنے ثواب کے مقابلے میں گناہ زیادہ اتنے گناہ ثواب سے کم کر دیئے جائیں گے کفارہ بنا کر۔ اور جتنے گناہ ثواب سے زیادہ تو جتنے ثواب باقی رہے اتنی جنت میں جگہ مل جائے گی۔ اور اگر گناہ زیادہ ہیں اور ثواب کم ہیں۔ تو گناہ

کے مقابلہ میں جتنے ثواب تھے۔ وہ کم ہو جائیں گے۔ اب گناہ بچے تو ان گناہ کے لئے جتنی جگہ ہوگی،
وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

ثواب خدا میزان کرے گا۔ تولے گا اعمال کو اور تولے جائیں گے تو کسی کے جنت میں جانے کے لئے سو کم۔ کسی کے دو سو کم۔ کسی کے ہزار کم۔ کسی کے دس ہزار کم۔ وہاں عدل ہوگا۔ یہ نہیں کہ یہ میرا ہے ٹیلیفون ہو گیا۔ یہ تو ہوگا نہیں۔ وہاں تو عدل ہوگا۔ انصاف ہوگا اور جب عدل و انصاف ہوگا۔ تو بشیر صاف صاف لفظوں میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمام مسلمان قرآن پڑھتے ہیں۔ فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ سورۂ الحمد سورہ قل پڑھ کر مردوں کو بھیجتے ہیں تو اب سب کا عمل ہے کہ نہیں؟ تو تم قرآن پڑھتے ہو خود اور ثواب دیتے ہو مُردہ کو جو جا چکا۔ مر چکا۔ تم ثواب دیتے ہو۔ حالانکہ خدا قرآن پڑھنے والے کو ثواب دیتا ہے فاتحہ پڑھنے والے کو ملے گا۔ تو جو ثواب ملا آپ کو وہ آپ کی ملکیت۔ تو آپ کہتے ہیں خدا سے یہ فاتحہ کا ثواب یہ تلاوت قرآن کا ثواب یا اللہ فلاں مُردے کو پہونچا دے۔

جب آپ اپنے ثواب دے سکتے ہیں تو کیا علیؑ اپنے ثواب نہیں دے سکتے؟ آپ اپنے ثواب منتقل کر سکتے ہیں تو علیؑ بھی دے سکتے ہیں۔ تو زیادہ نہیں اگر علیؑ ایک ضرب کے ثواب بانٹ دیں تو تمام دوستوں کے لئے کافی ہیں۔ میں یوں عرض کروں کہ میرے مولا جب کھڑے ہوں گے پل صراط پر تو میں یہ سمجھا اور علامہ مجلسیؒ نے بھی لکھ دیا کہ علیؑ دیں گے جس کے جتنے ثواب کم ہوں گے۔ تو میں یہی سمجھا کہ پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور پوچھتے جائیں گے کہ کتنے کم تیرے ہیں لے جا۔ کتنے کم ہیں تیرے لے جا اپنی ملکیت علیؑ دیں گے۔ (صلوٰۃ)

یہ ہیں معنی شفاعت کے کہ خدا کے عدل و انصاف میں فرق نہ آئے لے خدا کتنی کمی ہے میرے اس محب کے ثواب میں۔ میں اپنے محبت کرنے والے کو ثواب دیتا ہوں لے اور اسکو جنت میں پہنچا دے تو ایسے کے دامن پکڑو جو دے سکے۔ اس کا دامن نہ پکڑو جس کے اپنے ہی کم ہیں۔ وہ خود محتاج ہو…

دوسرے کو کیا دے گا جو لینے کا متمنی ہے۔ (صلوٰۃ)

پروردگار عالم نے جب اختیار دیا کہ اپنی ملکیت سے دوسروں کو دے سکتا ہے تو جب تملیک مادی دے سکتا ہے تو تملیک روحانی دے سکتا ہے۔ تو جسکی تملیک روحانی زیادہ اس کے ثواب زیادہ قیامت میں جن کے ثواب زیادہ ان کی فضیلت زیادہ تو ہمارے مولا کے پاس اتنے ثواب مولا سے لے لیجئے مولا نے جو خندقیں کیں اس کے ثواب بے حساب ہیں۔ اور جب دین مٹنے لگا۔ اسلام برباد ہونے لگا تو جس نے بچا لیا۔ یعنی حضرت امام حسین مظلوم کربلا کے کتنے ثواب ہوں گے؟ باپ نے آدم سے خاتم تک بچایا۔ پھر اپنے بابا کی محنتوں کو امام حسینؑ نے بچایا۔ تو علی کے تمام ثواب امام حسینؑ کے نامۂ عمل میں۔ آپ ان میں سے جن کو پکار لیں۔ میں تو کہتا ہوں کربلا والوں میں سے کسی کو پکار لیں اور وہ اپنے ثواب دیدے تو وہ کافی ہیں۔

میں تو کہتا ہوں علی اصغرؑ کے خون کے ایک قطرہ کا ثواب سب کو بخشوا سکتا ہے میں اب اس سے زیادہ بڑھ کے نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ میں کہہ سکتا تھا کہ بی بی زینب کا پردہ مگر ہمت نہیں پڑی کہ اہلبیت کی اسیری اور بی بی سکینہ کی مصیبت کا ثواب بتاؤں۔

ہائے حسین۔ میرے مظلوم امام جس وقت رخصت ہوئے اور بی بی نے یہ عرض کیا کہ خیمے کے اندر جتنی بی بیاں ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ اب تم جا رہے ہو اور واپس نہیں آؤ گے۔ تو ان سب کی خواہش ہے۔ کہ ذرا اپنے سر پہ نانا کا عمامہ باندھو۔ نانا کی قبا پہنو۔ نانا کا عصا لیکر ذرا ٹہل کے دکھا دو لباس پہنا اپنے نانا کا پوشاک پہن کر نانا کی طرح ٹہلے تو تمام بچے دامن سے لپٹ گئے۔ وا محمداہ وا محمداہ کی آوازیں بلند ہوئیں ہائے مدینے والے محمدؐ۔ ہائے مدینے والے محمدؐ تم پر درود و سلام۔ آپ سب بی بیوں بیبیوں کو یہاں تک اپنی دائی اماں فضہ کو بھی سلام کر کے باہر تشریف لے گئے۔ جب جانے لگے۔ تو ایک نفس امام بتاتا ہوں اور دوسرے امام کی ایک نفس بتاتا ہوں۔

پہلی نعش حسینؑ کی۔ سب بی بیاں قطار میں کھڑی رہیں صف باندھے امام حسینؑ ایک ایک بی بی کو سلام کرتے رہے۔ جب چلے دروازے پر تو زینبؑ ساتھ آئیں سینے سے لگایا۔ کہا بھیا! مجھے اماں کی ایک وصیت یاد آئی مجھے امی نے ایک وصیت کی تھی کہ زینب جب تمہارا بھائی رخصت ہو کر آخری بار جائے تو میری طرف سے گلے کے بوسے لے لینا۔ تو بھیا ذرا گریباں کھولو میں اماں کی وصیت پوری کر کے گلو چوم لوں۔ بی بی نے گلو چوما۔ امامؑ نے کہا مجھے یہ کہا تھا کہ جب تم رخصت ہو کر جاؤ تو اپنی بہن زینب کے بازو چوم لینا۔ دونوں بہن بھائی لپٹے ہوئے۔ آخر جب جانے لگے۔ حسینؑ کا آخری لفظ تو بہن کا بازو پکڑ کر یہ کہا۔ نفس امام۔ اے میری پیاری بہن۔ نماز تہجد کی دعاؤں میں مجھے نہ بھول جانا۔ ہائے میری پیاری بہن۔ جب رات کو نمازیں پڑھنا تو تہجد کی دعاؤں میں مجھے نہ بھول جانا یہ نفس امام ہے۔ جناب زینبؑ کیلئے اس سے بی بی کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اور جب قیدی بنکر روانہ ہوئیں کوفہ کی طرف۔ جب بی بی پہنچیں جہاں مقام کیا تو سر بھی رُک گئے۔ زینبؑ کیسے آگے قدم کس کا بڑھے۔ کیا مجھے دربار میں لے جاؤ گے۔ میں نہیں جاؤں گی۔ سر رُکے ہوئے ہیں کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ بی بی زینبؑ اصرار کر رہی ہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ اس وقت جب سب کھڑے ہیں۔ کوشش کی لوگوں نے مگر مجال ہے کہ کوئی آگے جائے۔ اس وقت امام زین العابدین نے کہا۔ ذرا میرے بابا کو تو دیکھو۔ زینبؑ کی نظر بھائی کے سر پر پڑی تو آنسو بہہ رہے ہیں۔ حسینؑ کے آنسو بہہ رہے ہیں اس وقت امام زین العابدینؑ نے کہا اے پھوپھی اماں آپ تو اللہ کی طرف سے عالمہ ہیں۔ بغیر پڑھے ہوئے۔ تو علم کی نص امام زین العابدینؑ کی طرف سے عبادت اور نص امام حسینؑ نے فرما دی۔ کیا کہنا اس معظمہ کا۔

آہستہ آہستہ بی بیاں چلیں۔ جب دربار کے دروازے پر قدم رکھا پھر رک گئیں۔ کیسے دربار میں جائیں۔ کچھ دور چلیں پھر ٹھہر گئیں۔ اُدھر زین العابدینؑ نے دیکھا کہ سب لوگوں کی نظر اُدھر ہے جب

اور نزدیک ہوئیں۔ بیٹھ گئیں۔ چاروں طرف بی بیاں حلقہ باندھ کر بیٹھ گئیں۔

عبیداللہ ابن زیادؑ آواز دیتا ہے۔ شمرؑ بتا کہاں ہے۔ وہ علی کی بیٹیاں یہ کن کو لے آیا ہے علی کی بیٹیاں کہاں ہیں؟ یہ تو ترک و دیلم کی کچھ عورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہائے یہ حالت رسول کے گھرانے کی بی بیوں اور بیٹیوں کی ہو گئی۔ ارے او شمر وہ علی کی بیٹیاں کہاں ہیں؟ اس نے بتایا ایک ایک بی بی کی طرف اشارہ کر کے امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔ اور عبیداللہ ابن زیادؑ تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ رسولؐ کی بیٹیوں پر نظر ڈال رہا ہے۔ رسولؐ کی بیٹیوں کو دیکھ رہا ہے۔ تجھے حیا نہیں آتی۔ اپنی نظر کو موڑ۔ وہ غصہ میں آیا۔ اور کہا انہیں قتل کر دو۔ جب قتل کرنے کا لفظ زبان پر آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو مجھے ڈراتا ہے قتل سے۔ موت سے۔ قتل ہونا تو ہماری عادت ہے۔ جلاد آگیا۔ اس نے کہا کوئی وصیت ہے تو کرو۔ آپ نے کہا کوئی ہاشمی مرد بلا دے کہ یہ بی بیاں جتنی ہیں۔ اس کے حوالے کر دوں کہ نانا کے روضے پر پہنچا دے۔ یہ امانت ہیں رسول اللہ کی یہ بی بیاں اور بچے مدینے پہنچا دے۔

بی بی زینبؑ سمجھ گئیں کہ میرا بیٹا تو اب موت پر تیار ہو گیا۔ بیمار امام تیار ہو گیا۔ آپ لپٹ گئیں زین العابدینؑ سے اور کہا اے عبیداللہ بن زیادؑ دشمن خدا و رسول۔ اگر تو قتل کرنا ہے۔ اس کو تو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔ میں اس کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتی۔

عزادارو! آج وہی زین العابدین بیمار امام دنیا سے چلے گئے۔ آج حسینؑ کے رونے والے بیمار امام کی آج شہادت ہو گئی چالیس سال تک حسینؑ کا رونے والا۔ کربلا والوں کا غم اٹھانے والا اس دنیا سے چلا گیا۔ آج ہمارا مظلوم بیمار امام دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میرے بیمار امام کی شہادت کا دن ہے۔

بیمار امام چالیس سال زندہ رہے۔ لیکن اتنا روئے کہ کوئی دن ناغہ نہیں کیا دن رات

روئے۔ ایک شخص پوچھتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ مولا بہت رو چکے اتنے رو چکے دنیا میں اتنا کوئی نہیں رویا۔ اب تو بس کرو۔ مولا چالیس سال گذر گئے تو امام نے فرمایا اے شخص تو نے میرے حق میں انصاف نہیں۔ کیا حضرت یعقوبؑ کا ایک یوسف جدا ہوا تھا اور وہ زندہ تھا۔ مگر اتنے روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ ارے میرے تو اٹھارہ یوسف بے جرم و خطا بھوکے پیاسے جلتی زمین پر قتل ہو گئے جنہیں غسل و کفن بھی نہ ملا ہائے میرے اٹھارہ یوسف قتل ہو گئے۔

اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا
اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝

تبرکات و اسناد

علماء اعلام عراق، ایران و ہند